اسلام

ایک عالمگیر مذہب

مرتبہ: شمع

حمیدی

اسلام ایک عالمگیر مذہب

مصنفہ: مسز شمع حامد

ایم اے اسلامیات' ایم اے عربی' ایم اے اردو'
ایم اے پولیٹیکل سائنس' ایم ایڈ' ایل ایل بی

وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان کی طرف سے
''سیرت النبیؐ کانفرنس'' میں ایوارڈ یافتہ

معاون و مددگار: میاں حامد محمود

تخلیقات: علی پلازہ' 3- مزنگ روڈ لاہور' فون: 042-7238014
E-mail: takhleeqat@yahoo.com
Web Site: http://www.takhleeqat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ناشر : تخلیقات' لاہور

زیر اہتمام : لیاقت علی

ٹائٹل : ریاظ

پروف ریڈنگ : مسز شمع حامد

کمپوزنگ : آزاد کمپوزنگ سنٹر: 042-7598311

پرنٹر : محمد سیّد شاہ پرنٹنگ پریس نزد دربار آئی ہسپتال

بائنڈر : اشفاق

ضخامت : 280 صفحات

تاریخ اشاعت : یکم فروری 2008ء

قیمت : -/200 روپے

مندرجات

❖....❖....❖

اِنتساب

اپنی سب سے قریب اور عزیز ترین ہستی کے نام
جس کی زندگی کی گواہ میری سانسیں ہیں
ہماری طرح سے کون ہوگا جو اپنی زندگی
تمہارے نام انتساب کر دے گا

دیباچہ

زیر نظر کتاب انتہائی آسان پیرائے پر لکھی گئی ہے۔ میں نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ اسلام کے اصولوں کو سیدھے سادے انداز میں بیان کروں تا کہ عام فہم انسانوں کے لیے بھی اسے سمجھنا آسان ہو۔ نیز اس اہم نکتہ کی وضاحت کی ہے کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ یہی وہ مذہب ہے جو دنیا کی تخلیق کے ساتھ وجود میں آیا اور رہتی دنیا تک رہے گا اس کا اولین اور بنیادی مقصد سلامتی ہے۔ نفرتوں کے کانٹوں کو چن چن کر محبتوں کے پھول نچھاور کرنا اسی مذہب کا خاصا ہے۔ محبت' اخوت' خلوص' مساوات' انصاف اور رواداری جیسے سنہری اصول اس کی بنیاد ہیں۔ یہ ہمیں آزادی ضمیر کا سبق دیتا ہے۔ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد پر بھی زور دیتا ہے۔ الغرض اسلام ایک دستور حیات ہے۔ حیات انسانی کا کوئی گوشہ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی' معاشی ہو یا سیاسی' قومی یا بین الاقوامی سب اسلام کے دائرہ اختیار کے اندر ہیں۔ اسلام اور امت مسلمہ کی بنیاد کسی جغرافیائی خطے کی محتاج نہیں یہ رنگ' نسل اور زبان پر مبنی نہیں بلکہ اس کی بنیاد ایک نظریہ اور پیغام ہے وہ پیغام جو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو دے کر بھیجا پھر یکے بعد دیگرے انبیاء اور رسول اس پیغام کو لے کر آتے رہے۔ مختلف قوموں اور گروہوں کی ہدایت کے لیے سب سے آخر میں یہ پیغام اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں

حضرت محمد ﷺ کو دے کر بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعے اس شریعت کی تکمیل کر دی جو جب جب دنیا میں گمراہی پھیلی اور ہدایت کی ضرورت محسوس کی گئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت اور شریعت کا پیغام نبیوں اور رسولوں کے ذریعے بھیجا۔ پھر آپ ﷺ کو تمام کائنات کے لیے ہادی بنا کر بھیج دیا گیا اور کہہ دیا گیا کہ قیامت تک آنے والے لوگوں کو اب ہدایت انہی دو راستوں سے حاصل کرنا ہو گی ایک ''اللہ کی کتاب'' اور دوسری راہ اس کے ''رسول ﷺ کی سنت'' اب تیسرا کوئی راستہ نہیں جہاں سے ہمیں راہنمائی ملے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے راستے کو چھوڑ کر اگر ہم کسی تیسرے راستے کا انتخاب کریں گے تو وہ تباہی و بربادی کے علاوہ کچھ نہ ہو گا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا'' (اعراف:158)

''آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اے گروہ انسانی! میں تم سب کی طرف رسول بن کر آیا ہوں۔''

آپ ﷺ نے لوگوں کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا پھر اپنے بعد اپنی امت پر یہ فریضہ منتقل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی امت مسلمہ کے انفرادی اور اجتماعی فرائض میں جس فریضہ کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور جس کی بار بار قرآن پاک میں تاکید کی گئی ہے وہ ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' ہے۔ پس ہم سب کا فرض ہے کہ اس ذمہ داری سے پہلو تہی نہ کریں اپنی صفوں میں اتحاد اور یک جہتی پیدا کریں۔ آپس کے نفاق کو دور کریں کہ ہمیشہ آپس کا نفاق ہی زوال کا سبب بنا ہے۔ اپنی بقا اور استحکام کے لیے اپنی وحدت کو قائم رکھیں اور دین کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھیں ہماری ہر محبت اور ہر دوستی صرف اللہ کی رضا کے لیے ہونی چاہیے۔ اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ ہماری زندگی کا مشن ہونا چاہیے ہماری زندگی کا ہر عمل صرف اللہ کی رضا اور اس کے پیغام کو عام کرنے کے لیے ہونا چاہیے تا کہ اس دنیا کے ساتھ ساتھ وہ دنیا بھی سنور جائے۔ اس کے ساتھ ہی میں ان تمام لوگوں کی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں میری مدد اور

راہنمائی فرمائی اور دعا گو ہوں کہ اللہ انہیں جزاء خیر عطا فرمائے۔ آمین

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ میری اس کوشش کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے میں میری مدد فرمائیں۔ میں نے بہت ریسرچ کے بعد تمام واقعات بیان کیے ہیں پھر بھی اگر مجھ سے کوئی کوتاہی ہوگئی ہو یا کہیں آپ میری اصلاح کی ضرورت محسوس کریں تو آئندہ ایڈیشن میں اس رائے کا احترام کیا جائے گا۔ آپ کی رائے کی منتظر۔

مسز شمع حامد
47-G-II' واپڈا ٹاؤن' لاہور

❖....❖....❖

تعارفیہ:

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے

آج دنیا میں مختلف مذاہب ہیں۔ مذہب کیا ہے؟ مختلف مفکرین نے مختلف رائے اس بارے میں دی ہیں۔ جن کا تجزیہ کرنے کے بعد میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ مذہب اس ذہنی روش یا سوچ کا نام ہے جس کے تحت ہم کسی خاص ہستی کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور اس کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں۔

مشہور یونانی مؤرخ پلوتارک نے کیا خوب لکھا ہے:

> ''زمین پر چلتے پھرتے تم ایسے شہر دیکھو گے جن کی دیواریں نہیں ہیں ایسے بھی ہیں جن میں سائنس کی کوئی علامت دکھائی نہیں دیتی ایسے بھی جہاں حکمران کوئی نہیں' ایسے بھی جہاں نہ محلات ہیں نہ خزانے' نہ ورزش گاہیں ہیں نہ تھیٹر لیکن تم کوئی ایسا شہر نہیں پاؤ گے جہاں دیوتاؤں کے مندر نہ ہوں جہاں دعائیں نہ مانگی جاتی ہوں۔ جہاں منتیں نہ مانگی جاتی ہوں۔ جہاں پیشین گوئیاں نہ کی جاتی ہوں۔ ایسا شہر نہ آج تک کسی انسان نے دیکھا ہے نہ دیکھنے میں آئے گا۔''

تاریخ بتاتی ہے کہ دنیا میں کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں انسان نے کوئی ایسی ہستی نہ

مقرر کررکھی ہو جس کی رضا کے لیے وہ کام کرتے ہوں اور جس کی ناراضگی سے ڈرتے ہوں اور وہ ہستی ہے میرے رب کی ہستی جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔ جسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ اگر انسان نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے اس کی وحدانیت میں شرک کیا ایک خدا کو چھوڑ کر کئی خدا بنا لیے تو اس نے صرف اپنے آپ پر ظلم کیا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''کہو کہ اللہ ایک ہے' اللہ بے نیاز ہے' نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا' اس کا کوئی ہمسر نہیں۔''
(اخلاص: 1'2'3'4)

آج کائنات کی تخلیق ہوئے صدیاں گزر گئیں اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں مختلف انبیاء کو لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے بھیجا انبیاء کو بھیجنے کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر ہمارے آخری نبی الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ختم ہوا۔

آج اگرچہ دنیا میں مختلف مذاہب موجود ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ایک ہی دین دے کر بھیجا وہ ہے اسلام اسے یہودیت' نصرانیت' ہندومت' بدھ مت' زرتشت یا کنفیوشش ازم اس کے بانیوں نے بنا دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء نے دین اسلام کی ہی دعوت دی مختلف مذاہب کے جو نام آج ملتے ہیں۔ یہ ان مذاہب کے بانیوں کے دیئے ہوئے ہیں قرآن پاک کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں رسول بھیجے۔ تمام انبیاء و رسل نے توحید کی تعلیم دی اور وہ سب مسلم یعنی اللہ کے اطاعت شعار تھے اور انہوں نے لوگوں کو بھی دعوت اسلام یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت شعاری کی تعلیم دی کیونکہ اسلام کا مطلب ہے ''فرمانبرداری اور مسلم کا مطلب ہے فرمانبردار'' پس دین تو اسلام ہی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ''

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے۔
(آل عمران: 19)

تمام انبیاء علیہ السلام نہ صرف دین اسلام لے کر آئے بلکہ ان سب کی تعلیمات بھی یکساں تھیں۔ سب نے خدائے واحد پر ایمان کی دعوت دی' آخرت کے عقیدہ پر زور دیا اور تمام اخلاقی اقدار جو دین اسلام کی اساس ہیں بیان کیں صرف یہی نہیں بلکہ سرور کائنات نبی پاک ﷺ کی آمد کی پیشین گوئی بھی ان الہامی کتابوں میں کی گئی ہے۔ اگر توریت' زبور اور انجیل آج اپنی اصل شکل میں موجود ہوتیں تو اہل کتاب کبھی گمراہ نہ ہوتے۔ توحید کو چھوڑ کر شرک کی راہ اختیار نہ کرتے قرآن پاک میں ان سب کتابوں کی تصدیق کی گئی ہے ان کتابوں کی تعلیمات مکمل طور پر اسلامی تھیں۔ نبی پاک ﷺ کے دور میں نصرانیوں کی انجیل برناباس موجود تھی جو عیسائیوں کی اسلام قبول کرنے میں راہنمائی کر رہی تھی مگر سازش کے تحت اسے غائب کر دیا گیا کہ کہیں لوگ حقیقت سے آگاہ نہ ہو جائیں۔

سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ اہل کتاب سے اس طرح مخاطب ہے۔

''اور میں نے جو کتاب (قرآن پاک) بھیجی ہے۔ اس پر ایمان لاؤ یہ اس کتاب کی تائید میں ہے جو تمہارے پاس پہلے سے موجود ہے۔ لہٰذا تم سب سے پہلے ہی اس کے منکر نہ بن جاؤ تھوڑی قیمت پر میری آیات کو نہ بیچ ڈالو اور میرے غضب سے بچو' باطل کا رنگ چڑھا کر حق کو مشتبہ نہ بناؤ اور جانتے بوجھتے حق کو چھپانے کی کوشش نہ کرو۔''
(البقرہ: 41:42)

تھوڑی قیمت سے مراد وہ دنیوی فائدے ہیں جن کی خاطر یہ لوگ اللہ کے احکام اور اس کی ہدایات کو رد کر رہے تھے۔ حق فروشی کے معاوضے میں خواہ انسان دنیا بھر کی دولت کیوں نہ لے لے بہر حال وہ تھوڑی ہی ہے کیونکہ حق یقیناً اس سے گراں چیز ہے۔

پھر سورۃ البقرہ ہی میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس طرح خبردار کرتا ہے۔

''اے مسلمانو! اب کیا تم ان لوگوں سے یہ توقع کرتے ہو کہ یہ تمہاری دعوت پر ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان میں سے ایک گروہ کا یہ شیوہ رہا

ہے کہ اللہ کا کلام سنا اور پھر خوب سمجھ بوجھ کر دانستہ اس میں تحریف کی۔''

(البقرہ:75)

یہاں ایک گروہ سے مراد ان کے علماء اور حاملین شریعت ہیں۔ ''کلام اللہ سے مراد تورات' زبور اور انجیل ہیں جو ان لوگوں کے پاس ان کے انبیاء کے ذریعے سے پہنچیں ''تحریف'' کا مطلب یہ ہے کہ اصل معنی و مفہوم کو پھیر کر اپنی خواہش کے مطابق کچھ دوسرے معنی پہنا دینا جو قائل کے منشا کے خلاف ہوں۔ نیز الفاظ میں تغیر و تبدل کرنے کو بھی تحریف کہتے ہیں۔ علماء بنی اسرائیل نے یہ دونوں طرح کی تحریفیں کلام الٰہی میں کی ہیں۔ وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ تورات اور دیگر آسمانی کتب میں جو پیشین گوئیاں اس نبی کے متعلق موجود ہیں یا جو آیات و تعلیمات ہماری مقدس کتابوں میں ایسی ملتی ہیں جن سے موجودہ روش پر گرفت ہو سکتی ہے۔ انہیں مسلمانوں کے سامنے بیان نہ کرو' ورنہ یہ تمہارے رب کے سامنے ان کو تمہارے خلاف حجت کے طور پر پیش کریں گے یہ تھا اللہ کے متعلق ان ظالموں کا فساد عقیدہ کا حال۔

پھر ان ہی کے ایک دوسرے گروہ کا ذکر اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ میں اس طرح کرتا ہے۔

''اور ان میں ایک دوسرا گروہ امیوں کا ہے جو کتاب کا تو علم رکھتے نہیں بس اپنی بے بنیاد امیدوں اور آرزوؤں کو لیے بیٹھے ہیں اور محض وہم وگمان پر چلے جارہے ہیں۔

(البقرہ:78)

یہ ان کے عوام کا حال تھا۔ علم کتاب سے کورے تھے کچھ نہ جانتے تھے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں دین کے کیا اصول بتائے ہیں۔ اخلاق اور شرع کے کیا قواعد سکھائے ہیں اور انسان کی ''فلاح و خسر'' کا مدار کن چیزوں پر رکھا ہے۔ اس علم کے بغیر وہ اپنے مفروضات اور اپنی خواہشات کے مطابق گھڑی ہوئی باتوں کو دین سمجھے بیٹھے تھے اور جھوٹی توقعات پر جی رہے تھے پھر آگے آیت نمبر 79 میں ان علماء کے متعلق ارشاد ہو رہا ہے جنہوں نے صرف کلام الٰہی کے معنی ہی کو نہیں اپنی خواہشات کے مطابق بدل ڈالا بلکہ

یہ بھی کیا کہ بائبل میں اپنی تفسیروں کو اپنی قومی تاریخ کو اپنے اوہام اور قیاسات کو اپنے خیالی فلسفوں کو اور اپنے اجتہاد سے وضع کیے ہوئے فقہی قوانین کو کلام الٰہی کے ساتھ غلط ملط کر دیا اور یہ ساری چیزیں لوگوں کے سامنے اس حیثیت سے پیش کیں کہ گویا یہ سب اللہ ہی کی طرف سے آئی ہوئی ہیں۔ ہر تاریخی افسانہ ہر مفسر کی تاویل' ہر متکلم کا الٰہیاتی عقیدہ اور ہر فقیہہ کا قانونی اجتہاد' جس نے مجموعہ کتب مقدسہ (بائبل) میں جگہ پالی' اللہ کا قول بن کر رہ گیا۔ اس پر ایمان لانا فرض ہو گیا اور اس سے پھرنے کے معنی دین سے پھر جانے کے ہو گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح طور پر فرما دیا۔

''پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے تا کہ اس کے معاوضے میں تھوڑی قیمت لے لیں ہلاکت ہے ان کے لیے اس کے سبب جو کچھ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا اور ان کی یہ کمائی بھی ان کے لیے ہلاکت کا موجب ہے جو اس کے بدلے میں لی۔''

(البقرہ:79)

پس ان کی ہٹ دھرمی انہیں دین اسلام کی طرف راغب نہیں ہونے دے رہی تھی۔ یہ کہا کرتے تھے کہ ہم اپنے عقیدہ و خیال میں اتنے پختہ ہیں کہ تم خواہ کچھ کہو' ہمارے دلوں پر تمہاری بات کا اثر نہ ہوگا۔ یہ وہی بات ہے جو تمام ایسے ہٹ دھرم لوگ کہا کرتے ہیں۔ جن کے دل و دماغ پر جاہلانہ تعصب کا تسلط ہوتا ہے وہ اِسے عقیدے کی مضبوطی کا نام دے کر ایک خوبی شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ اس سے بڑھ کر آدمی کے لیے کوئی عیب نہیں ہے کہ وہ اپنے موروثی عقائد و افکار پر جم جانے کا فیصلہ کر لے خواہ ان کا غلط ہونا کیسے ہی قوی دلائل سے ثابت کر دیا جائے۔

پس ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے۔ آخر کار عیسیٰ ابن مریم کو روشن نشانیاں دے کر بھیجا اور روح پاک سے اس

کی مدد کی' پھر یہ کیا تمہارا ڈھنگ ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمہاری خواہشات نفس کے خلاف کوئی چیز لے کر تمہارے پاس آیا تو تم نے اس کے مقابلے میں سرکشی ہی کی' کسی کو جھٹلایا اور کسی کو قتل کر ڈالا' وہ کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ ان کے انکار کے سبب اللہ نے ان پر لعنت بھیجی پس وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں اور اب جو ایک کتاب اللہ کی طرف سے ان کے پاس آئی ہے۔ اس کے ساتھ ان کا برتاؤ کیا ہے؟ باوجودیکہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود تھی اور اس کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت طلب کیا کرتے تھے پس جب آ گئی اور جسے وہ پہچان بھی گئے تو انہوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ پس لعنت ہوئی اللہ کی ان منکرین پر کیسا برا ذریعہ ہے جس سے وہ اپنے نفس کی تسلی حاصل کرتے ہیں کہ جو ہدایت اللہ نے نازل کی ہے۔ اس کو قبول کرنے سے صرف اس ضد کی بنا پر انکار کر رہے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل (وحی و رسالت) سے اپنے جس بندے کو خود چاہا' نواز دیا' لہٰذا اب یہ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے ہیں اور ایسے کافروں کے لیے سخت ذلت آمیز سزا مقرر ہے۔

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے ہیں ''ہم تو صرف اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو ہمارے ہاں (یعنی بنی اسرائیل) اتری ہے۔ اس دائرے کے باہر جو کچھ آیا ہے اسے ماننے سے انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے اور اس تعلیم کی تصدیق و تائید کر رہا ہے جو ان کے ہاں پہلے سے موجود تھی۔ اچھا ان سے کہو: اگر تم اس تعلیم ہی پر ایمان رکھنے والے ہو جو تمہارے ہاں آئی تھی تو اس سے پہلے اللہ کے ان پیغمبروں کو (جو بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے تھے) کیوں قتل کرتے رہے؟'' (البقرہ 87 تا 91)

نبی پاک ﷺ کو پہچان لینے کے بعد متعدد ثبوت اُسی زمانے میں مل گئے

تھے۔ سب سے معتبر شہادت اُم المومنین حضرت صفیہؓ کی ہے جو خود ایک بہت بڑے یہودی عالم کی بیٹی اور ایک دوسرے عالم کی بھتیجی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی پاک ﷺ مدینے تشریف لائے تو میرے باپ اور چچا دونوں آپ ﷺ سے ملنے گئے۔ بڑی دیر تک آپ ﷺ سے گفتگو کی پھر جب گھر واپس آئے تو میں نے اپنے کانوں سے ان دونوں کو یہ گفتگو کرتے سنا۔

چچا: کیا واقعی یہ وہی نبی ہے جس کی خبریں ہماری کتابوں میں دی گئی ہیں؟

والد: خدا کی قسم ہاں

چچا: کیا تم کو اس کا یقین ہے؟

والد: ہاں

چچا: پھر کیا ارادہ ہے؟

والد: جب تک جان میں جان ہے اس کی مخالفت کروں گا اور اس کی بات نہ چلنے دوں گا۔

(ابن ہشام: جلد دوم صفحہ 165 طبع جدید)

اس کے علاوہ جب آپ پر وحی کے نزول کے بعد آپ ﷺ کی بیوی حضرت خدیجہؓ اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل (جو تورات اور انجیل کے عالم تھے اور عبرانی زبان جانتے تھے) کے پاس لے کر گئیں تو انہوں نے بھی آپ ﷺ کی تصدیق کی۔ انہوں نے نزول وحی کا واقعہ سن کر کہا ''یہ تو وہی ناموس (فرشتہ) ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔ کاش میں اس وقت طاقتور اور تندرست ہوتا جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو شہر مکہ سے نکال دے گی۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا ایسا ہوگا؟ ورقہ نے کہا جو پیغام لے کر آپ ﷺ آئے ہیں اس کو لے کر آپ ﷺ سے پہلے جو بھی آیا اس کی قوم نے اس کے ساتھ یہی کیا ہے۔ اس واقعہ کے کچھ ہی روز بعد ورقہ بن نوفل انتقال کر گئے۔ اس طرح حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے بھی آپ ﷺ کی نبوت کا اعتراف کیا اور آپ ﷺ کے پیغام کو سچا کہا۔ جب حضرت جعفر طیارؓ نے نجاشی کے دربار میں سورہ مریم کا

وہ ابتدائی حصہ سنایا جس میں حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے وہ سن کر متاثر ہوا روتے روتے اس کی داڑھی تر ہو گئی اس کے دربار کے پادری بھی متاثر ہوئے۔ نجاشی نے کہا ''یقیناً یہ کلام بھی اسی کی طرف سے نازل ہوا جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی تھی۔ الغرض نبی پاک ﷺ کی آمد' قرآن کے نزول اور اسلام کے بارے میں سب کچھ انہیں معلوم تھا اللہ کے حکم کے باوجود وہ پہلے انکار کرنے والے بن گئے۔

قرآن پاک میں یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے بنی اسرائیل کا لفظ استعمال ہوا اور ان کے دین کے لیے بھی مسلم ہی کا لفظ استعمال کیا گیا کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ساتھ ہی اسلام مذہب اور اسے ماننے والے مسلمان کہلائے۔ مختلف مسلک اور عقیدے کیسے بنے یہاں مختصر سا حوالہ اس بات کا دوں گی۔

بنی اسرائیل کے معنی ہیں عبداللہ یا اللہ کا بندہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔ جو ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا۔ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے انہی کی نسل کو بنی اسرائیل کہتے ہیں جبکہ نبی پاک ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے تھے۔ اس لحاظ سے سب دین ابراہیمی کے پیروکار ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور وہ انہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا اور عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر ہو کر جائیں گے اور کہیں گے کہ میں تمہارے پاس پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔''

(العمران 49:48)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے کہا:

''اور مجھ سے پہلے جو تورات نازل ہوئی تھی اس کی بھی تصدیق کرتا ہوں اور میں اس لیے بھی آیا ہوں کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں ان کو

تمہارے اوپر حلال کر دوں اور میں تو تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔'' (العمران 50)

پھر حواریوں نے خود کہا کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

''حواری بولے کہ ہم اللہ کے طرف دار اور آپ کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم فرمانبردار ہیں۔''

(العمران:52)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل کی طرف آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل کی طرف جن لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو اختیار کیا اپنے آپ کو یہودی کہلوانے لگے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو ماننے والے اپنے آپ کو عیسائی کہلوانے لگے حالانکہ دیگر کئی اور انبیاء بنی اسرائیل کی طرف آئے چند کا ذکر میں اوپر کر چکی ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے جد انبیاء تھے اہل کتاب انہیں جد انبیاء تسلیم کرتے ہیں مگر اُن کی تعلیمات کو مسخ کر چکے ہیں ورنہ اللہ نے تو دین ابراہیمی کو پسند فرمایا کہ بلاشبہ یہ سیدھا راستہ ہے۔ اگر ہم دین ابراہیمی کا مشاہدہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کا یہودیت یا عیسائیت سے دور کا بھی تعلق نہیں وہ تو مسلم تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ وہ تو ایک مسلم تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔'' (العمران:67)

سورہ یونس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

''ابتدا میں تمام انسان ایک ہی امت تھے بعد میں انہوں نے مختلف عقیدے اور مسلک بنا لیے۔'' (یونس:19)

جیسا کہ یہودی مذہب یہودیت کے ماننے والے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے پیروکار ہیں حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

اس مذہب کا نام یہودیت نہیں رکھا تھا بلکہ اس مذہب کو یہ نام ان کی وفات کے تقریباً تین چار سو سال بعد دیا گیا اس طرح عیسائیوں کے مذہب کا نام نصرانیت یا عیسائیت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین چار سو سال بعد رکھا گیا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر جد انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام تک کوئی بھی یہودی نہ تھا۔ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک کسی کا مذہب نصرانیت یا عیسائیت نہ تھا۔ آج دنیا میں چار بڑے مذاہب ہیں' ہندومت' یہودیت' نصرانیت یا عیسائیت اور اسلام۔ ان سب کے ماننے والے اللہ کو کسی نہ کسی صورت میں مانتے ضرور ہیں۔ مگر جو ساتھ شرک کرتے ہیں وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ انہوں نے اللہ کے ساتھ اوتار بنا رکھے ہیں مگر اسلام ہی وہ واحد عالمگیر مذہب ہے کہ اس ناپاک اور نجس عمل سے پاک ہے' قرآن میں شرک کو ''نجس'' قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو اس آخری کتاب کے ذریعے یہ پیغام دیا کہ یہ قرآن اور یہ نبی (محمد ﷺ) وہی پیغام اور وہی کام لے کر آئے ہیں جو اس سے پہلے تمہارے انبیاء اور تمہارے پاس آنے والے صحیفے اور کتابیں لے کر آئیں پہلے یہ چیز تم کو دی گئی تھی تا کہ تم خود بھی اس پر چلو اور دنیا کو بھی اس کی طرف بلانے اور اس پر چلانے کی کوشش کرو مگر تم دنیا کی راہنمائی تو کیا کرتے خود بھی اس ہدایت پر قائم نہ رہ سکے اور بگڑتے چلے گئے اب اللہ نے وہی چیز دے کر اپنے ایک بندے کو بھیجا ہے اور وہی خدمت اس کے سپرد کی ہے۔ یہ کوئی بیگانہ اور اجنبی چیز نہیں ہے تمہاری اپنی چیز ہے لہٰذا جانتے بوجھتے حق کی مخالفت نہ کرو۔ بلکہ اسے قبول کر لو جو کام تمہارے کرنے کا تھا مگر تم نے نہ کیا۔ اسے کرنے کے لیے اب جو لوگ اٹھے ہیں ان کا ساتھ دو مگر ان کی تو ساری ناراضگی ہدایت اور راہِ راست کے خلاف تھی وہ اس صحیح راہنمائی کے خلاف لڑ رہے تھے جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا تھا کہ اگر سیدھی طرح راہ حق کو مان لیتے تو اس میں ان کے لیے کامیابی کی بشارت تھی مگر یہ لوگ چاہتے تھے کہ آنے والا نبی ان کی قوم میں پیدا ہو۔ مگر جب وہ ایک دوسری قوم میں پیدا ہوا تو وہ اس کے منکر ہو گئے۔ گویا ان کا مطلب یہ تھا کہ اللہ ان سے پوچھ کر نبی بھیجتا جب اس نے ان سے نہ پوچھا اور اپنے فضل سے خود

نے چاہا نواز دیا تو وہ بگڑ بیٹھے۔

تمام قومیں جن کو الہامی کتب اور صحیفے دیئے گئے ان کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اس نے تمہارا نام پہلے بھی مسلم رکھا تھا اور اس کتاب (قرآن) میں بھی۔'' (الحج:78)

پس تمام انبیاء علیہ السلام کا دین اسلام ہی تھا وہ سب مسلمان تھے اور ان کے پیروکار بھی مسلم تھے مگر وقت کے ساتھ ساتھ ان مذاہب میں بگاڑ پیدا ہو گیا اور توحید کی جگہ شرک نے لے لی اس طرح سب سے پہلی عبادت گاہ بھی مسجد تھی جو حضرت آدم علیہ السلام کی عبادت گاہ تھی۔

یہ اسلام کی عالمگیریت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ ہر دور میں یہی مذہب لوگوں کے لیے ہدایت بن کر آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ''

''پس اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے۔ اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔'' (الانعام:125)

قرآن پاک میں تمام انسانوں کو مسلمان بننے کا حکم دیا گیا ہے۔

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں ایسی حالت میں موت نہ آئے کہ تم مسلمان نہ ہو۔'' (العمران:102)

دین اسلام کے غلبہ اور برتری کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اس دین کو سب سے آخر میں جو پیغمبر لے کر آئے وہ محمد ﷺ ہیں جو اللہ کے برگزیدہ رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ کو دنیا میں بھیج کر نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا اور آپ ﷺ پر ختم نبوت کی مہر لگا دی اب سب قوموں کے لیے ان کے لائے ہوئے پیغام پر ایمان لانا لازم ہو گیا جس نے

مان لیا وہ مسلمان رہا اور جس نے انکار کیا وہ مشرکین میں سے ہو گیا۔

یہودی حضرت عزیز علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مان کر پہلے ہی دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے تھے اور عیسائی عقیدہ تثلیث اپنا کر شرک کر چکے تھے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بتائے ہوئے دین اسلام سے رُخ پھیر کر مقدس انجیل کی تحریف کر چکے تھے۔ عیسائیت اُن کا خود ساختہ مذہب ہے۔ جس کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب زبور میں صابئین نے تحریف کر ڈالی ورنہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے پیروکار سچے مسلمان تھے اور دین اسلام کے ماننے والے تھے مگر آہستہ آہستہ یہ قوم سرکش ہوئی اور ستارہ پرست قوم بن گئی۔ اس طرح دین اسلام سے ان کا بھی تعلق نہ رہا۔

دین تو ضابطہ حیات ہے اور مذہب صرف عبادات تک محدود یہ سب ضابطہ حیات سے نکل گئے اور ان کا تعلق صرف مذہب کی حد تک رہ گیا۔ مگر اللہ کے ہاں ان خود ساختہ مذاہب کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بتائے ہوئے سیدھے راستے پر چل رہے ہوتے تو نبی پاک ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرتے ہوئے فوراً اسلام قبول کر لیتے مگر ان کے دلوں پر تو پہلے ہی زنگ لگ چکا تھا ورنہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خود بھی اپنے بیٹوں کو مرتے وقت وصیت کی تھی۔

''اور نصیحت کی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب علیہ السلام نے بھی اے میرے بیٹو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا ہے۔ پس تمہیں ہرگز اس حالت میں موت نہ آئے کہ تم مسلمان نہ ہو۔

(البقرہ:132)

ایک اور جگہ اللہ ان لوگوں کے بارے میں یہ فرماتا ہے۔

''اب کیا یہ لوگ اللہ کے دین کو چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کرنا چاہتے ہیں حالانکہ زمین و آسمان کی تمام چیزیں چار و ناچار اللہ ہی کی فرمانبرداری کرتی ہیں اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے پس اے

نبی ﷺ کہہ دیجئے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو کچھ نازل کیا گیا حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد پر اور جو کچھ دیا گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے ہم ان کے درمیان کسی ایک میں ذرا بھی فرق نہیں کرتے اور ہم اُس کے فرمانبردار ہیں اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والا ہوگا۔

(العمران 83 تا85)

پس ہم مسلمان اللہ کے حکم کے پیش نظر تمام انبیاء کو برحق مانتے ہیں اور دین اسلام ہی کو دین فطرت مانتے ہیں۔ ایمان مفصل اور ایمان مجمل پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔ دل میں اسے تسلیم کرتے ہیں اور زبان سے اس کا اقرار کرتے ہیں۔ نبی پاک ﷺ کو آخری نبی اور قرآن کو قیامت تک کے لیے ہدایت کا ذریعہ مانتے ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے پیغمبر ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے جو ان تمام دعووں کی تصدیق کرتی ہے جو سابقہ الہامی کتابوں میں کیے جاتے رہے ہیں اور ان تمام کتابوں کی اصل تعلیم اس کے اندر آ گئی ہے۔

(المائدہ:48)

''پس ہم ایمان لاتے ہیں اللہ پر اس کے رسولوں پر اس کی کتابوں پر اس کے فرشتوں پر یوم آخرت پر، ہر اچھی بری تقدیر کے خدا کی جانب سے ہونے پر اور مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر۔ بلاشبہ ہم اللہ تعالیٰ کو اُس کے تمام ناموں اُس کی تمام صفات اور اُس کے سب احکامات کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں زبان سے اس کا اقرار کرتے ہیں اور دل سے اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

اللہ ہمیں اس ایمان پر قائم رکھے آمین۔

پس اسلام کسی ایسے مذہب کا نام نہیں جو صرف انسان کی نجی اور انفرادی زندگی کا خواہاں ہو اور جو چند محدود اعمال اور رسوم پر مشتمل ہو بلکہ اسلام ایک ایسا دین اور مذہب ہے جو تمام شعبہ ہائے زندگی پر مشتمل ہے اور اس میں ہر شعبہ زندگی کے متعلق راہنمائی کے اصول متعین کیے گئے ہیں جن پر چل کر انسان دونوں جہانوں میں کامیابی و کامرانی حاصل کر سکتا ہے۔ اسلام کی اصل دعوت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کا قانون جاری و نافذ ہو تمام انسان اس دین کو اپنا کر دنیا میں امن و سلامتی سے زندگی بسر کریں اور آخرت میں اللہ کے سامنے سرخرو ہوں۔

اسلام نے جمہوریت' بنیادی حقوق اور مشاورت کا تصور دیا اور ایسی جمہوریت کا درس دیا جس میں حضرت فاروق اعظمؓ کھڑے ہوں اور ان کے جسم پر زیب تن لباس کو سامنے سے آنے والا یہ کہے کہ عمرؓ تیرا قد دراز ہے اور تو نے ایسی چادر کا لباس پہنا ہوا ہے جو ایک آدمی کو کفایت نہیں کر سکتی ہر آدمی کے حصے میں ایک چادر آئی تو نے اپنے لباس کو کیسے مکمل کر لیا۔ آپؓ نے فرمایا:

''عبداللہ بتاؤ کہ میں نے مسلمانوں کی امانت میں خیانت نہیں کی۔''

عبداللہ نے کھڑے ہو کر کہا:

''بابا کے پاس کئی برسوں سے زیب تن کرنے کے لیے کوئی لباس موجود نہ تھا۔ لہٰذا میں نے اپنے حصے کی چادر اپنے بابا کو دے دی تا کہ لباس مکمل کر سکیں۔''

اسی طرح ایک بار حضرت عمر فاروقؓ مسجد نبوی ﷺ کے منبر پر خطبہ کے دوران حق مہر کی مذمت فرما رہے تھے۔ ہجوم میں سے ایک عورت اٹھی اور کہا اے عمرؓ کیا تم ہم سے وہ حق چھیننا چاہتے ہو جو اللہ نے ہمیں دیا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا اس سے متعلق اللہ کے حکم کو بیان کرو۔ اس عورت نے حق مہر سے متعلق آیات کی تلاوت کی۔

''وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ (النساء:20)

''اور اگر تم ایک عورت کے بعد دوسری عورت بدلنا چاہو تو جو ڈھیر بھی تم اسے دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔ کیا تم گناہ اور بہتان کے ساتھ یہ لو گے''

پس حضرت عمرؓ نے اپنے آپ پر غور کیا اپنی غلطی کو محسوس کیا اور تمام لوگوں کے سامنے کہا یہ عورت ٹھیک کہتی ہے۔ عمرؓ نے غلط کہا۔

یہ ہے وہ آزادی رائے اور جمہوریت کا وہ تصور جو اسلام نے دیا کہ ایک خلیفہ بھی اپنے آپ کو عوام کے سامنے جواب دہ سمجھتا ہے۔ ہم اپنی زندگیوں کو اگر اسوۂ حسنہ اور خلفائے راشدین کی زندگیوں کے آئینے میں دیکھیں گے تو ہمارا زوال خود بخود عروج میں بدل جائے گا۔ بقول اقبال

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں' اللہ کی برہان
غفاری وقہاری و قدوسی وجبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

آج مسلمان زوال کا شکار ہیں تمام امت مسلمہ مسائل کا شکار ہے۔ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ ہمارے مسائل مذہب سے دوری کی بنا پر ہیں۔ ہمارے تمام مسائل کا حل صرف اور صرف اسی دین میں پوشیدہ ہے۔ میں بعد میں مسلم اُمہ کے مسائل اور ان کا تدارک تفصیلی بتاؤں گی مگر پہلے اس دین کی عالمگیریت بیان کروں گی جسے نظرانداز کر کے ہم ان مسائل کا شکار ہو رہے ہیں۔ ورنہ اسلام تو وہ مذہب ہے کہ جو مکمل طور پر اسے اختیار کر لیتا ہے اپنی زندگی کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ڈھال لیتا ہے۔ وہ گمراہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اسلام روحانی پاکیزگی کی علامت ہے۔ اسلام فطری

سلامتی کا علمبردار ہے پس حقیقی اور فطری کامیابی کا دوسرا نام ہے۔ ''اسلام''

اسلام وسعتِ نظر اور جدت پسندی کا قائل ہے یہ دین فطرت ہے۔ جس طرح فطرت کے خلاف کوئی بھی چیز پائیدار نہیں ہوسکتی۔ بالکل اس طرح خالق کائنات نے اپنی بہترین مخلوق بنی نوع انسان کے لیے ابدی اور پائیدار اور فطرت کے تقاضوں سے ہم آہنگ مذہب اسلام کو پسند فرمایا بنی نوع انسان کے لیے اللہ کا پسندیدہ تحفہ یہ انسانیت کی معراج ہے انسان کی روحانی اور بنیادی اقدار کا عروج اسلام ہے یہ لامحدود خوبیوں اور خوشخبری پر مبنی ایک مکمل اور روشن ضابطہ حیات ہے۔ اس میں فطری نظم وضبط کا عملی اظہار ہے۔ کا سبق ہمیں اسلام کے ہر رکن سے مل جاتا ہے۔ یہ ایک مکمل اور کامیاب زندگی کی ضمانت ہے۔ نیکی اور بدی کی شناخت کے لیے جتنا آسان حل اسلام نے پیش کیا کسی اور مذہب نے نہیں کیا۔

فرمان نبوی ﷺ:

''جو تیرے دل میں کھٹکے وہ گناہ ہے اور جس پر تیرا ضمیر مطمئن ہو وہ نیکی ہے۔''

سبحان اللہ کیا تکنیک ہے۔ اسلام نے تو ہمارے تمام مسائل کا حل قرآن و سنت کے ذریعے انتہائی آسان پیرائے میں بیان کیا مشکلات ہماری اپنی پیدا کردہ ہیں۔ ورنہ اسلام تو ہر قسم کی انتہا پسند، سختی، پابندی اور دہشت گردی کے خلاف برسرِپیکار ایک روشن مشعل کی مانند ہے۔ ہم مشکلات میں گھرے ہیں کیوں؟ کیونکہ ہمارے معاشرے میں اسلام کے مکمل اور جامع اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ معنی کو ایک خاص زاویہ نگاہ سے سمجھنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے اور حقیقت پر مبنی جدید تقاضوں سے ہمیشہ چشم پوشی کی گئی ہے۔ اسلام میں دور جدید کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ یہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا دین ہے مگر ہم نے اسلام کی بنیاد کو چھوڑ دیا ہماری انفرادیت اجتماعیت پر حاوی ہوگئی اور ہم ذاتی پسند و ناپسند کا شکار ہوگئے جس کی اسلام میں ہرگز اجازت نہیں۔ میں یہاں یہ سب باتیں صرف اس لیے وضاحت کر رہی ہوں کہ یہ بہت ضروری ہے۔ اسلام

ایک عالمگیر مذہب ہے جن باتوں کا اس سے دُور کا بھی تعلق نہیں اگر ہم خود ان کو اس کا حصہ بنالیں تو یہ بدعت کے سوا کچھ نہیں اور ایسا کرنے والے مسلمان نہیں بلکہ شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اللہ ہمیں ان بدعتوں سے محفوظ رکھے! آمین

اگر آج اقوام عالم میں اسلام کے اور امت مسلمہ کے بارے میں جو شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں تو وہ ہمارے معاشرتی منفی رویوں کی وجہ سے ہیں یہ اسلام کی شکست نہیں بلکہ ہمارے مصنوعی نظام اور ذاتی کردار کی شکست ہے ورنہ مومن تو وہ ہیں جن کے بارے میں سوچ کر دریاؤں کے دل دہل جایا کرتے ہیں۔ بقول اقبال

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

اسلام ہمیں شائستگی اور تہذیب کا درس دیتا ہے۔ انسانی قتل کو گناہ کبیرہ قرار دیتا ہے۔ پس اسلام اور ایمان دونوں کا انتہا پسندی سے کوئی تعلق نہیں اور اس کے دیئے ہوئے نظام میں انتشار وافتراق کی کوئی گنجائش نہیں اسلام تو ہر قسم کے امتیاز کو ختم کرتا ہے۔ یہ وہ سچا مذہب ہے جس کے تمام اصول وضوابط اور احکام ومسائل ٹھوس حقیقت پر مبنی ہیں۔ اگر ہمیں ضرورت ہے تو اسوہ حسنہ ﷺ کے عملی اظہار کی جسے اپنا کر ہم انسانیت کی معراج حاصل کر سکتے ہیں امامت کا وہ مقام حاصل کر سکتے ہیں جو ہمارے لیے حقیقی اور ابدی کامیابی کی ضمانت ہے۔ دور حاضر کی ترقی یافتہ اقوام کے مثبت پہلوؤں کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کی ترقی کی بنیادوں میں جو اصول کارفرما ہیں وہ یقیناً اسلام سے حاصل کردہ ہیں۔ سائنس وٹیکنالوجی کی تمام تر ترقی اسلام کے بنیادی اصولوں کی مرہون منت ہے۔ اسلام روشن خیالی اور جدت پسندی کی روشن دلیل ہے۔ مگر پلیز اس کی روشن خیالی کو غلط رنگ نہ دیں۔ اپنی زبان، اپنی ثقافت، اپنی تہذیب اور اپنی اقدار و روایات چھوڑ کر کبھی کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی پھر اسلامی تہذیب اور اقدار تو ہمیشہ آنے والے لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہیں ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے خطبہ حجتہ

الوداع کے موقع پر فرمایا۔

''اے لوگو میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک تم انہیں تھامے رکھو گے ہدایت کے راستے پر رہو گے اور جب چھوڑ دو گے تو سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے اور اب قیامت تک تمہیں انہی دو سے ہدایت حاصل کرنی ہے وہ ہے ''اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت۔''

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

پس اگر اپنے کردار پر نظر ڈالیں اپنے اعمال کا جائزہ لیں تو ہمیں ہمارے ہر سوال کا جواب مل جائے گا کہ ہم مسلمان ہو کر عروج کی بجائے زوال کی طرف کیوں جا رہے ہیں۔

ہمارا دین ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم دین کا علم حاصل کریں اس کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور اپنے مثبت کردار کی بدولت ایک کامیاب قوم بن کر ابھریں۔ اپنے انفرادی و اجتماعی کردار کو نکھار کر آنے والی نسلوں کے لیے صاف و شفاف مذہبی اور کامیاب اُخروی و دنیاوی زندگی کی مثال قائم کریں۔ دنیا کو سلامتی اور بھائی چارے کا پیغام دیں مثبت رویے اختیار کریں کیونکہ یہی رویے فطرت کی جان ہوتے ہیں اپنی صفوں کو درست رکھیں اور اسلام کے خلاف غیر مسلم اقوام کے پروپیگنڈے کو غلط ثابت کر دیں اور اپنے کردار سے اسلام کی عالمگیریت ثابت کر دکھائیں بلاشبہ اس دین کو لے کر آنے والے نے صرف تیئس سال میں دنیا میں وہ انقلاب برپا کیا کہ جس کی گواہی غیر مسلم بھی دیتے ہیں۔ آپ ﷺ کی اطاعت ہی میں ہماری فلاح ہے۔

ایک مومن کے ایمان اور اسلام کی معراج یہ ہے کہ وہ آقا دو جہاں سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کی اتباع اور پیروی کو مقصد اولین بنائے کیونکہ آپ ﷺ جس منصب اعلیٰ پر فائز ہیں۔ وہ منصب کائنات میں ازل سے ابد تک کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

آپ ﷺ کے مرتبہ بلند کی تصدیق قرآن پاک نے ان الفاظ میں کی ہے۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

پھر فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ ٥

پھر خاتم النبیین کا لقب عطا فرما کر آپ کو ختم نبوت و رسالت ﷺ کے تاج سے سرفراز فرمایا آپ کے خصائل و فضائل لامحدود ہیں جن کا احاطہ کرنا انسانی عقل کے لیے ناممکن ہے۔

اُم المومنین حضرت عائشہؓ اپنے جذبہ عشق و محبت کا اعتراف ان الفاظ میں فرماتی ہیں۔ ہمارا بھی ایک سورج ہے اور آسمان کا بھی ایک سورج ہے اور میرا سورج آسمان کے سورج سے بہتر ہے۔ بے شک آسمان کا سورج فجر کے بعد طلوع ہوتا ہے اور میرا سورج (محمد ﷺ) عشاء کے بعد جلوہ فگن ہوتا ہے۔''

حضور ﷺ آقائے نامدار کے جانثار صحابی حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اپنے جذبات کا اس طرح اظہار کرتے ہیں۔

''میری جان ان پر فدا جن کے اخلاق گواہ ہیں کہ بنی نوع انسان میں وہ افضل ترین ہیں۔ بلا امتیاز ان کے فضائل سب بندوں کے لیے عام ہیں۔ جیسے سورج اور چاند کی روشنی خلقت کے لیے عام ہے۔ اگر ان کی صداقت کو ثابت کرنے والی نشانیاں نہ ہوتیں تو خود ان کی روشن شخصیت ان کی صداقت کے لیے کافی تھی۔

پھر اللہ تعالیٰ خود آپ ﷺ کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

''اے محمد ﷺ جہاں میرا ذکر ہوتا ہے وہاں آپ ﷺ کا بھی ذکر ہوتا ہے جس نے میرا ذکر تو کیا مگر آپ ﷺ کا ذکر نہ کیا جنت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔'' (در منثور جلد 6 صفحہ 401 روایت حضرت عبداللہ بن عباس)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی آپ ﷺ پر درود اور سلام بھیجو۔"

(الاحزاب:56)

اس نبی ﷺ کی شان دیکھیں کہ مسلمان ہونے کے لیے جس کلمہ کو سب سے پہلے پڑھا جاتا ہے اس کلمے کا دوسرا حصہ رسالت ہے پس اللہ نے آپ ﷺ کے نام کو اپنے نام سے جوڑ لیا اور کہا پڑھو۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

"کہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔"

تمام انبیاء کرام منصب نبوت و رسالت پر فائز تھے مگر حضور اقدس ﷺ سرور انبیاء، سید المرسلین اور خاتم النبیین ہیں۔ آپ کی تمام انبیاء و رسل پر فضیلت کو دیکھیں کہ اللہ نے تمام انبیاء کرام سے آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت کرنے کا عہد لیا۔

سورہ العمران میں ہے:

"اور وہ وقت یاد کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا تھا کہ ہم جو تمہیں کتاب و حکمت دیں پھر خدا کا رسول ﷺ تمہارے پاس آئے اور جو کتاب تمہارے پاس ہو وہ اس کی تصدیق کرے تو ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔"

(العمران:81)

آپ ﷺ کی ولادت باسعادت بذات خود ایک معجزہ ہے۔ کتب احادیث میں ہے "جس رات رسول اکرم ﷺ کی پیدائش ہوئی اس رات کعبہ میں رکھے ہوئے بُت سر کے بل سجدے میں گر گئے آپ کی پیدائش کے وقت ایک ایسا نور ظاہر ہوا جس کی روشنی میں سیدہ آمنہ کو شام کے محلات دکھائی دیئے۔ اس رات کسریٰ کا ایوان لرز گیا

ایران کا آتش کدہ جس میں ایک ہزار سال سے آگ بھڑک رہی تھی۔ اچانک بجھ گیا۔"

الغرض ربیع الاول کے مبارک مہینے کے بارھویں روز قدرت کے عجیب وغریب مناظر اور جلوے نظر آنے لگے جن کے بیان سے زبان قاصر عاجز ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام ستر ہزار فرشتوں کی فوج لے کر آسمان سے حرم کعبہ اترے پس پیدائش سے پہلے کی یہ رات معجزوں سے بھرپور نظر آتی ہے۔ یہی عالم تھا کہ صبح صادق نمودار ہوئی اور سارے جہاں کی سوئی ہوئی قسمت بیدار ہوئی اور وہ ہستی اس دنیا میں تشریف لائی جس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ جس کا وجود اللہ کا احسان ہے۔ جس کی محبت ایمان ہے، وہ مبلغ فرقان ہیں جن کے ذکر کو دوام ہے اور جو رسولوں کے امام ہیں۔ ازل سے ابد تک تمام خوبیوں کی خوشبو سے مہکتا ہوا کوئی ایسا پھول گلشن کائنات میں کھلا ہے نہ کھلے گا۔

پس آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہمارے لیے ایک عظیم تحفہ ہے۔ آپ ﷺ نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ رہتی دنیا کے انسانوں کے لیے مشعل راہ ہیں آپ ﷺ کا پیغام آپ ﷺ کا کردار ہمیں ہر مشکل گھڑی میں راستہ دکھاتا ہے اور ہمارے لیے صحیح راستوں کا تعین کرتا ہے۔ دنیا بھر کے انسانوں کے لیے سیرت پاک ﷺ مشعل راہ ہے اور کسی بھی وقت کوئی بھی شخص اس سے سبق سیکھ سکتا ہے۔

سفر معراج آپ ﷺ کی عظمت و فضیلت کی بڑی دلیل ہے۔ براق آپ ﷺ کی سواری کے لیے لایا گیا کفار سے مقابلے کے وقت فرشتوں کے ذریعے جو مدد آپ ﷺ کی کی گئی وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔ سب سے بڑھ کر فضیلت یہ کہ خود اللہ اور اس کے فرشتے آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور لوگوں کو بھی اس عمل کے لیے کہا گیا ہے پھر آپ ﷺ پر نازل کی ہوئی کتاب کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا اور لفظ بہ لفظ حرف بہ حرف ویسے ہی قیامت تک محفوظ رہے گی۔ اس کو قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنا دیا۔ جس طرح نبی پاک ﷺ آخری نبی ہیں اور سلسلہ نبوت آپ ﷺ کی ذات اقدس پر ختم ہو گیا اس طرح قرآن پاک کے نزول کے ساتھ اللہ کی طرف سے آنے والی کتب کا سلسلہ بھی اختتام پذیر ہو گیا۔ شریعت محمدی ﷺ تمام سابقہ شریعتوں کی ناسخ ہے۔ قرآن پاک میں 86 سورتیں مکی اور 28 مدنی سورتیں ہیں اور ان میں توحید

رسالت، عدل، امامت، فروغ دین، آخرت کا تذکرہ، صفات حسنہ، تزکیہ نفس، موت، قبر عالم ارواح، جنت وجہنم، جزا وسزا، عبادات ومعاملات، میزان وصراط، حقوق اللہ، حقوق الناس، خرید وفروخت، کفار ومشرکین کا عبرتناک انجام، مساوات، اخوت، تعصب بازی و فرقہ پرستی سے اجتناب، سابقہ قوموں اور انبیاء کے قصے، ظالموں کی مجازات، فرزندان توحید کی پریشانیاں، معجزات وکرامات سمیت ہر خشک وتر کا ذکر موجود ہے۔ دیگر کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی پس یہ کتاب ساطع اور ناطق ہر دور میں ہر سائل کے لیے مشعل راہ ہے۔ نبی پاک ﷺ کے دور میں مشرکین کو اپنی فصاحت وبلاغت پر بڑا ناز تھا۔ وہ بڑے فخر سے اپنے قصائد کعبہ کی دیواروں پر لٹکا دیتے تھے مگر جب اللہ کے حکم سے نبی پاک ﷺ نے سورۃ الکوثر جیسی مختصر سورۃ کو کعبہ کی دیوار پر لٹکا دیا اور اس کے مقابلے میں ایک قصیدہ ہی لانے کا چیلنج کیا تو ان کا تکبر ٹوٹ گیا اور وہ مقابلے میں ایک حرف بھی پیش نہ کرسکے اور جو قرآن کو اللہ کی وحی نہیں بلکہ حضور ﷺ کی شاعری کہتے تھے کہہ اٹھے کہ بلاشبہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہوسکتا پس ایسے ہی اللہ نے ظالموں سے خود اقرار کروایا اپنی آخری کتاب اور اپنے آخری نبی ﷺ کا آپ ﷺ کی پیروی کو دنیا اور آخرت میں پیغام نجات اور مژدہ فلاح بنادیا۔

یگانوں کے علاوہ بیگانے بھی کمالات نبوت کا اعتراف کرتے ہیں۔ ایک عیسائی مورخ مائیکل ہارٹ اپنی شہرہ آفاق کتاب میں (محمد ﷺ) کے عنوان کے تحت رقم طراز ہے۔ "ممکن ہے کہ انتہائی متاثر کن شخصیات کی فہرست میں حضرت محمد ﷺ کا شمار سب سے پہلے کرنے پر چند احباب کو حیرت ہو اور کچھ معترض بھی ہوں لیکن آپ ﷺ وہ واحد تاریخی ہستی ہیں جو مذہبی اور دنیاوی دونوں محاذوں پر برابر طور پر کامیاب رہے۔ ایک اور مقام پر مائیکل ہارٹ نے لکھا ہے کہ "وہ ایک انتہائی مؤثر سیاسی رہنما ثابت ہوئے آج اتنی صدیاں گزرنے کے باوجود ان کے اثرات انسانوں پر ہنوز مسلم اور گہرے ہیں۔"

مائیکل ہارٹ کا ایک خراج تحسین ان الفاظ میں درج ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ وہ "ان پڑھ تھے تاہم چالیس سال تک کی عمر کو پہنچتے پہنچتے لوگوں میں ان کا ایک غیر

معمولی ہونے کا تاثر قائم ہو چکا تھا۔ جب ان کی عمر چالیس برس تھی انہیں احساس ہوا کہ خدائے واحد کی ذات مبارک کہ ان سے اپنے فرشتے جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے ہم کلام ہے اور یہ کہ انہیں سچے عقیدے کی تبلیغ کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ مائیکل ہارٹ کی یہ کتاب 1980ء میں امریکہ میں (The Hundred) کے نام سے شائع ہوئی اپنی اس کتاب میں اس نے تاریخ انسانی کا جائزہ لیا اور اس بات کو اجاگر کیا کہ کون کون سی شخصیات ہیں جنہوں نے تاریخ کے دھارے کا رُخ موڑ دیا۔ اس نے اس مقصد کی تکمیل کے لیے ایسے سو عظیم افراد کا درجہ بندی کے اعتبار سے انتخاب کیا جنہوں نے سب سے زیادہ تاریخ کے دھارے کو موڑنے میں نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ اس نے محمد ﷺ کو اس درجہ بندی میں سب سے اوپر رکھا۔ دوسرے نمبر پر نیوٹن اور تیسرے نمبر پر عیسیٰ علیہ السلام کو رکھا بلاشبہ نیوٹن کی فزکس نے تاریخ انسانی کو بالکل بدل کر رکھ دیا اور آج سائنس اور ٹیکنالوجی کے پورے Explosion کا نقطہ آغاز نیوٹن ہے۔

اس کتاب نے عالمی سطح پر بہت شہرت پائی جو 572 صفحات پر مشتمل تھی اس کتاب کا دنیا کی کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا اور متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ یہاں میں اس بات کی وضاحت کردوں کہ مؤلف نے شخصیات کے انتخاب یا درجہ بندی میں مذہبی پہلو یا عقائد کو پیش نظر نہیں رکھا بلکہ اس کا موضوع یہ تھا کہ تاریخ انسانی کے دھارے کے رُخ کو موڑنے والی شخصیات اس مقصد کے لیے اس نے اور اس کی تعلیم یافتہ بیوی نے دنیا کی نامور شخصیات کی سیرت وسوانح کا گہرا مطالعہ کیا یہ شخص مشہور امریکی ماہر فلکیات گزرا ہے۔ یہاں ایک بات اور قابل ذکر ہے ان مؤثر ترین شخصیات میں ایک اور قابل قدر نام ہمارے دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ کا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا دور حکومت بلاشبہ اپنی مثال آپ ہے۔ نبی پاک ﷺ کے بعد انصاف کے لیے کوئی اتنا مشہور نہیں ہوا جتنا حضرت عمر فاروقؓ یہاں یہ مؤقف میں نے اس لیے بیان کیا کہ جن ملکوں میں انصاف ہوتا ہے۔ وہاں ظلم کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ آج جو ملک ترقی یافتہ نظر آرہے ہیں۔ وہاں قانون کی نظر سب پر یکساں پڑتی ہے۔ عدالتیں اپنے فیصلوں میں آزاد ہوتی ہیں پس انصاف کامیابی کا پہلا زینہ ہے۔

1917ء میں اشتراکی انقلاب آیا اس کے بعد عالمی سطح پر کمیونزم کی جو تنظیم قائم ہوئی وہ ''کمیونسٹ انٹرنیشنل'' کہلاتی ہے۔ دنیا کے چوٹی کے لوگ اس کے ممبر تھے ایم این رائے بہت بڑا انقلابی تھا وہ ہندوستان کی طرف سے اس تنظیم کا رکن تھا اس نے 1940ء میں ''بریڈ ہال'' میں ایک لیکچر دیا۔ اس نے یہ لیکچر اپنی کتاب (The Historic roll of Islam) سے لیا اس نے واضح طور پر بڑی تفصیل سے یہ بات کہی ہے۔

''تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب وہ تھا جو محمد ﷺ عربی نے برپا کیا۔ محمد ﷺ کی جدوجہد کے نتیجے میں ایک نئی تہذیب علم کی روشنی اور انسانی اقدار کا فروغ وجود میں آیا۔ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جو ہر طرح کی زیادتیوں سے پاک تھا اس میں سیاسی جبر نہیں تھا اس میں معاشی استحصال نہیں تھا اس میں کوئی سماجی فرق وتفاوت نہیں تھا۔

مصنف نے نبی پاک ﷺ کی زندگی کے اوراق کو بہت خوبصورتی سے اس کتاب میں بیان کیا ہے۔ یہ کتاب آج بھی ہندوستان میں شائع ہوتی ہے جسے بمبئی کا ایک ناشر شائع کرتا ہے۔ (پاکستان میں یہ کتاب دستیاب نہیں ہے)

وہ لکھتا ہے دنیا میں اور بھی بڑے بڑے لوگ رہے ہیں جو سالہا سال تک پہاڑوں کے اندر تپسیائیں کرتے رہے ہیں لیکن محمد ﷺ نے غار حرا میں چند روز کے لیے جو خلوت گزینی اختیار کی تھی وہ اس قدر نتیجہ خیز تھی کہ اس سے ایک نئی قوم' نیا تمدن' نیا آئین اور حکومت وجود میں آ گئی۔

یہ ہے آپ ﷺ کی وہ عظمت جس کا اعتراف ایک مشرک انسان کر رہا ہے۔

اور ہم ان کی عظمت کو تقدس کا درجہ تو دیتے ہیں مگر عمل سے عاری ہیں یاد رکھیں ہادی اعظم حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ ہدایت وراہنمائی کا سرچشمہ اور آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے لائق تقلید نمونہ ہے۔ بلاشبہ آپ ﷺ کی شخصیت وسیرت ازل سے ابد تک زمان ومکان پر احاطہ کیے ہوئے ہے کائنات کا ہر ذرہ سرکار دو جہاں کی مدحت ورفعت کا شاہد کیوں نہ ہو جب عرش بریں سے یہ صدا آ رہی ہو۔

''اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ'' پس

کوئی مثل مصطفیٰ کا کبھی تھا' نہ ہے' نہ ہوگا
کسی اور کا یہ رتبہ کبھی تھا نہ ہے' نہ ہوگا

یہ آپ ﷺ کی رفعت ہے کہ دنیا کے ہر کونے میں خالق کائنات کے نام کے ساتھ آپ ﷺ کا نام ہماری سماعتوں میں رس گھولتا رہے گا۔

صحابی رسول ﷺ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جبریل امین علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا میرا اور آپ ﷺ کا رب مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں نے کس طرح آپ ﷺ کا ذکر بلند کیا۔ میں نے عرض کیا اللہ ہی بہتر جانتا ہے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ آپ ﷺ کا بھی ذکر کیا جائے گا۔

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ دیکھے

معروف ہندو شاعر منوہر لال دل کہتے ہیں:

کیا دل سے بیان ہو تیرے اخلاق کی توصیف
عالم ہوا مداح ترے لطف و کرم کا

آپ ﷺ کے دین وتعلیمات کے نور سے انسانیت منور ہوئی۔ آپ ﷺ نے حیاتِ انسانی کے دامن کو علم وحکمت کے سچے موتیوں سے بھر دیا۔ مکارم اخلاق کی تکمیل کر دی۔ انسان کو مہذب اور باذوق بنا دیا اور آپ ﷺ کے تعمیر کیے ہوئے معاشرے میں فرعونیت' ہامانیت اور قارونیت کی کوئی جگہ نہ تھی۔ شرم وحیا آپ ﷺ کا طرۂ امتیاز ہے۔ مساوات کے آپ ﷺ علمبردار ہیں۔ مسجد نبوی ہو مسجد قبا کی تعمیر یا خندق کی کھدائی آپ ﷺ ہر کام میں برابر کے شریک نظر آتے ہیں۔ خدمتِ انسانیت کے حوالے سب سے معتبر اور سب سے ارفع واعلیٰ نام آپ ﷺ کا۔ انسانیت کی خدمت کے ادارے آج

کل جو دنیا میں کام کر رہے ہیں ان کا ماخذ وہی انجمن ہے جو آپ ﷺ نے قائم کی۔
فرمان نبوی ﷺ ہے۔

''اللہ اپنے بندوں کی مدد میں اس وقت تک رہتا ہے۔ جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔''

نبی پاک ﷺ نے اپنی ساری زندگی انسانیت کی بھلائی اور خدمت خلق کے لیے وقف کر رکھی تھی۔

کسی بھی سماجی تنظیم کا اولین مقصد معاشرے سے ظلم و ستم کا خاتمہ' ناانصافی کا خاتمہ اور معاشرے میں صالح روایات کا فروغ ہے۔ مسلمان اپنی کھوئی ہوئی عظمت رفتہ حاصل کر سکتے ہیں اگر اسلامی احکامات کو اپنا شعار بنائیں جو انسانیت کی فلاح پر مبنی ہیں۔
آج ہمارے معاشرے میں جتنی زیادہ سماجی تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ اتنا ہی مسائل اور پریشانیوں سے دوچار معاشرہ' کی کس جگہ ہے شاید ہمارے اعمال میں!
ذرا مشاہدہ کریں اسلامی تاریخ میں قائم ہونے والی پہلی تنظیم کا ''معاہدہ حلف الفضول'' زیردست لوگوں کی مدد کے لیے قائم کی جانے والی اس انجمن کے تمام اراکین اس وعدے کے تحت پابند تھے۔ کہ مکہ میں اگر کسی پر کوئی ظلم کرے تو مظلوم کی حمایت کی جائے گی۔ اسے تاوان دلوایا جائے گا گویا دین اسلام میں ہادی برحق کے ذریعے پہلی این جی اوز قائم ہوئی جس کا کام ظلم کی بیخ کنی اور مظلوم کی حمایت' یتیموں' بیواؤں' ناداروں اور ضرورت مندوں کے حقوق کا تحفظ۔

پس اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے سسکتی ہوئی انسانیت کو امن و فلاح کی راہ پر گامزن کیا اور محمد ﷺ نے جو نظام دیا وہ دنیاوی تمام نظاموں کی اساس ہے۔ آپ ﷺ نے فکری' اخلاقی' معاشرتی' سیاسی' اقتصادی' تمدنی' سائنسی اور مذہبی ہر لحاظ سے ہر پہلو کو روشناس کرایا۔ آپ ﷺ سے پہلے علوم و فنون پر ایک مخصوص گروہ کا حق سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے یہ حق سب میں مساوی تقسیم کر دیا۔
ہم جسے آج سپریم پاور سمجھتے ہیں۔ اس ملک میں 1834ء میں ایک قانون

پاس ہوا جس کے مطابق تعلیم صرف سفید فام افراد کے لیے ہے۔ سیاہ فام باشندوں کو تعلیم دینا قانوناً جرم قرار پایا۔ مساوات کا پرچار کرنے والے اور انسانی حقوق کی حفاظت کے نام پر بے دریغ خون بہانے والوں کے اپنے قانون میں کتنا تضاد ہے۔ مگر اسلام کی نظر میں تو شاہ و گدا سب برابر ہیں اگر معیار بنایا تو کسے؟ تقویٰ کو!
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تمہاری قومیں اور قبیلے بنا دیئے تمہاری شناخت کے لیے بے شک تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔''
(الحجرات:13)

معلم انسانیت کی تعلیم حیرت انگیز تاریخی اعجاز ہے۔ آپ ﷺ نے علم و تہذیب سے ناآشنا قوم کو تعلیم دی۔ آپ ﷺ نے تفکر و تدبر کی کنجیوں سے علوم و فنون کے تمام خزانے بنی نوع انسان کے لیے بلا امتیاز کھول دیئے۔
مشہور مغربی مصنف ''ای ڈرمنگھم'' سیرت طیبہ پر اپنی کتاب (Life of Muhammad) میں یہ اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

''محمد ﷺ اس اعتبار سے دنیا کے وہ واحد پیغمبر ہیں۔ جن کی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ ان کی زندگی کا کوئی گوشہ مخفی نہیں بلکہ روشن اور منور ہے۔''

قرآن نے انہیں ''سراج منیر'' یعنی روشن چراغ کہہ کر پکارا گویا غیر ارادتی طور پر ایک غیر مسلم نے قرآن کی تصدیق کر دی۔
مہارانی آرٹس کالج میسور (بھارت) کے صدر شعبہ پروفیسر راما کرشنا راؤ اپنی کتاب (Muhammad the Prophet of Islam) میں لکھتے ہیں:

''محمد ﷺ میرے نزدیک ایک عظیم مفکر ہیں۔ تمام اعلیٰ اور تمام

انسانی سرگرمیوں میں آپ ﷺ ہیرو کی مانند ہیں۔"

1911ء میں بیروت کے مسیحی اخبار "الوطن" نے دنیا کے سامنے ایک سوال پیش کیا تھا کہ دنیا کا سب سے عظیم انسان کون ہے۔ اس کے جواب میں ایک عیسائی دانشور اور مجاعص نے لکھا:

دنیا کا سب سے عظیم انسان وہ ہے جس نے دس برس (مدنی دور) کے مختصر عرصے میں ایک عظیم مذہب کی بنیاد رکھی۔ جنگ کا قانون بدل دیا ایک نئی قوم پیدا کی۔ ایک نئی طویل العمر سلطنت قائم کی۔ ان تمام کارناموں کے باوجود یہ عظیم انسانی اُمی تھا کون؟ "محمد بن عبداللہ قریشی" اسلام کے پیغمبر۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ مذہب اسلام کی عالمگیریت اور پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی عظمت کا اعتراف ایک غیر مسلم کی قلم سے۔

30 جون 2000ء میں رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے اپنے مشہور ہفت روزہ جریدے "العالم اسلامی" میں ایک اہم خبر انٹرنیٹ سے متعلق شائع کی کہ کمپیوٹر سافٹ ویئر تیار کرنے والی دنیا کی مشہور کمپنی (Microsoft) نے (Millennium) کے موقع پر انٹرنیٹ پر دنیا کے سامنے یہ سوال پیش کیا کہ دنیا کی وہ عظیم ترین شخصیت کون ہے جس نے اپنے فکر و عمل سے انسانی تاریخ اور انسانی زندگی پر گہرے نقوش ثبت کیے اور دنیائے انسانیت اس کی فکر و اثر سے زیادہ متاثر ہوئی۔

کمپنی نے رائے دہی اور شخصیت کے انتخاب کے لیے امیدوار کے طور پر 17 شخصیات کے نام بیان کیے تھے جن میں انبیائے کرام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سید المرسلین، خاتم النبیین کا نام نامی بھی شامل تھا۔ سوال کے جواب میں ناظرین نے اپنے علم، مطالعے، معلومات، انسانی تاریخ اور انسانی تہذیب و تمدن کے تجزیے کی روشنی میں اپنی اپنی رائے انٹرنیٹ پر پیش کی تھی کہ انسانی تاریخ کی وہ

عظیم ترین اور بااثر شخصیت جس نے اپنی فکری، عملی اور اخلاقی قوت سے دنیا میں ایک عظیم اور مثالی انقلاب برپا کیا اور انسانی فکر و تاریخ کے دھارے کو موڑ کر سسکتی اور بلکتی انسانیت کو سعادت و فلاح کی راہ پر گامزن کیا، وہ پیغمبر اسلام، سرور کائنات، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔ اس موقع پر یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ انٹرنیٹ پر رائے دہندگان میں غالب اکثریت مغرب کی مسیحی برادری پر مشتمل تھی۔ جس نے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو نہ صرف اکیسویں صدی بلکہ ہر صدی کا ہیرو اور عظیم انسان قرار دیا۔

پس نبی پاک ﷺ کی حیاتِ مقدسہ کا یہ تاریخی اور ابدی اعجاز ہے کہ اپنے اور بیگانے مسلم اور غیر مسلم سبھی آپ ﷺ کی عظمت و رفعت کے معترف نظر آتے ہیں۔ تعصب کی بنا پر اگر کوئی غلط الفاظ استعمال کرتا ہے تو وہ اپنی ہی جان پر ظلم کرتا ہے ورنہ سچ یہی ہے۔ 10 نومبر 1925ء کے اخبار ڈیلی ایکسپریس لندن میں ایک مضمون نگار نے لکھا تھا:

"اگر کسی مرد عظیم کے بلند پایہ پیغام کے جانچنے کا پیمانہ تقدیس و تعظیم کے وہ جذبات ہیں جو اس کے الفاظ ان لوگوں میں پیدا کرتے ہیں جو ان کی آسمانی نوعیت پر یقین رکھتے ہیں تو حضرت محمد ﷺ کا شمار عظیم ترین ہستیوں میں ضرور ہونا چاہیے آپ ﷺ کی ذات بابرکات میں ہمیں ایک مثالی شخصیت نظر آتی ہے جو صرف دس برس کے عرصہ میں ایک مذہب، ایک نئے تمدن، ایک نئے فلسفہ حیات اور ایک نئی شریعت کی بنیاد رکھ کر ایک نئی قوم پیدا کر دیتی ہے اور بت پرستی تو ہم پرستی، ضد اور مخالفت کے باوجود اس قوم کی خواہش اور ارادہ کے بالکل خلاف اس کو روحانی و مادی ترقی اور سرفرازی کی راہ پر گامزن کر دیتی ہے اور دس برس کے عرصہ میں پورا امن و امان قائم ہو جاتا ہے۔ ملک میں ایک عظیم انقلاب آ گیا اور اس انقلاب نے کیا اثر دکھایا کہ جو لوگ چور اور رہزن تھے، وہ مہذب اور محافظ بن گئے۔ جو شراب اور جوئے کے عادی تھے وہ عابد و زاہد

ہو گئے۔ جو عورتوں کی عزت و ناموس سے کھیلتے تھے وہ اب عورتوں کے
محافظ بن گئے۔ جو آپس میں ایک دوسرے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے
تھے۔ وہ اب آپس میں ایک دوسرے کو محبت اور الفت کی نگاہ سے دیکھتے
تھے۔ نبی پاک ﷺ کی پُرکشش شخصیت نے ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا کہ
امن وامان قائم رکھنے کے لیے پولیس کی ضرورت نہ رہی۔"

پس نبی پاک ﷺ نے ہمیں صرف عقیدہ توحید ہی سے آشنا نہیں کیا بلکہ ہمیں
جہنم کے راستے سے ہٹا کر جنت کے راستے پر گامزن کیا۔ ہمیں خالق کے سامنے جھکنے کا
طریقہ سکھایا۔ معاشرتی معاملات میں راہنمائی عطا کی اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچانے
کے لیے بے پناہ مصائب اور مظالم برداشت کیے مگر راہ حق کو نہ چھوڑا۔ پتھر مارنے والوں
کے لیے بھی ہدایت کی دعائیں مانگیں جب دشمن پر دسترس حاصل ہو گئی تب سب کو کہا:

"جاؤ آج تم سب آزاد ہو' اگر رات کی تنہائیوں میں اپنی اُمت
کے لیے بخشش اور دعائیں طلب کیں تو سات آسمانوں پر جا کر بھی اپنی
اُمت کو فراموش نہیں کیا۔ اپنی اُمت کے غم میں آنسو بہائے ہر رشتے سے
بڑھ کر ہمارے ہمدرد رہے۔ اتنی محسن اور مہربان ذات سے محبت کیوں نہ
ہو اللہ تعالیٰ کے بعد دنیا کے تمام رشتوں سے بڑھ کر یہ محبت ہونی چاہیے۔
اللہ نے اپنی رضا اپنے نبی ﷺ کی رضا میں پنہاں کر دی۔ اللہ ہمیں اس
خوشنودی کا طلب گار بنائے رکھے (آمین) تا کہ ہمیں قیامت کے روز
آپ ﷺ کی شفاعت نصیب ہو۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"قیامت کے روز تو اِسی کے ساتھ ہو گا جس کے ساتھ تجھے محبت
ہے۔"
(بخاری)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اہل ایمان کے لیے نبی ﷺ اپنی ذات پر مقدم ہے۔"
(الاحزاب:6)

مومن کی پوری زندگی اللہ اور رسول پاک ﷺ کی محبت سے عبارت ہے۔ جس
کا دامن اللہ اور نبی اکرم ﷺ کی محبت سے خالی ہے وہ ویران اور اجڑے گھر کی مانند
ہے۔"

الغرض ہمارے تمام مسائل کا حل اسوہ حسنہ کی پیروی اور اسلام کے اصولوں پر
عمل پیرا ہونے میں ہے۔ کیونکہ اسلام نے ہر معاملے میں ہماری راہنمائی کی
ہے۔ آئندہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ ان تمام ابواب کو بیان کروں گی جو اس بات کی
دلیل ہوں گے کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔

❖....❖....❖

مذہب اسلام کی خصوصیات
عالمگیر مذہب کے حوالے سے

1- اسلام نظریہ حیات ہے

مذہب اسلام سے پہلے جتنے مذاہب گزرے ہیں وہ کسی خاص وقت، خاص زمانے، خاص قوم اور جگہ کے لیے نازل کیے گئے مگر اسلام کی عالمگیریت ہے کہ یہ تمام اقوام اور قیامت تک کے بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لیے راہنمائی ہدایت اور قواعد لے کر آیا۔

یہ نہ صرف زندگی کے بنیادی حقائق پر سے پردہ ہٹاتا ہے بلکہ بنی نوع انسان کو یہ بھی بتاتا ہے کہ کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ اس میں انسان کا مقام کیا ہے؟ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کی اور انسان کو اس میں سب سے افضل مخلوق بنایا انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر فرشتوں کے ذریعے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کروایا۔
قرآن کا بنیادی موضوع انسان کو بنایا یہ دنیا کی محترم ترین ہستی ہے مگر افسوس آج یہ اپنی قدر و قیمت کھو چکی ہے۔ اگر آج دنیا میں کوئی چیز بے وقعت ہے تو وہ انسانی جان ہے۔ ایک مسلمان کے دل میں دوسرے مسلمان کے لیے محبت کا نہ ہونا کسی المیہ سے

کم نہیں ہے۔ چہ جائیکہ کوئی مسلمان اپنے بھائی سے نفرت، دشمنی اور عداوت پیدا کرے۔ آج مسلمان کسی غیر مسلم کا مقابلہ کیا کریں گے۔ آپس میں ہی دست و گریباں ہیں۔ مذہبی منافرت اور گروہ بندیوں نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیا ہے۔ میرا دعویٰ ہے جس قوم میں انسانی جان کا احترام نہیں وہ کبھی پرامن زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ مساجد میں نماز کے دوران ہونے والے بم دھماکے رش والی جگہوں میں دھماکہ خیز مواد کا پھٹنا اور کتنی بے گناہ جانوں کا ضیاع، کتنے لوگوں کا ہمیشہ کے لیے معذور ہو جانا یہ سب کیا ہے؟ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان موجود ہے وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ اللہ کا فرمانبردار بندہ اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جس کسی نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔'' (النساء:93)

اسلام تو عقائد کی شکل میں زندگی کی حقیقت سے انسان کو روشناس اور متعارف کراتا ہے۔ اسلامی زندگی کا مفصل قانون پیش کرتا ہے تاکہ انسانوں کے درمیان افراط و تفریط پیدا نہ ہو اور وہ اس کے مطابق اپنی انفرادی یا اجتماعی زندگی کامیابی کے ساتھ گزار سکیں پھر ان سب واقعات کے پیچھے کون سے ہاتھ کام کر رہے ہیں۔ کیا کبھی اس بارے میں ہم نے سوچا ہے۔ اگر نہیں سوچا تو اب ضرور سوچیں اور بچائیں اپنے آپ کو ان سازشوں سے جن کا شکار صرف مسلمان ہو رہے ہیں۔ ایک سچا مسلمان اپنے بھائی کو تکلیف نہیں دے سکتا تو اس کی جان کیسے لے سکتا ہے۔ وہ جس دین کا ماننے والا ہے وہ تو پرامن مذہب ہے۔ ہر لحہ صبر، برداشت اور پرسکون رہنے کا حکم دیتا ہے مگر ہم اس مسئلے پر ریسرچ نہیں کرتے میں نے اس مسئلے پر بہت سوچا کچھ ریسرچ بھی کی مسلمانوں کی تاریخ کے حوالے سے آئندہ ابواب میں اس کی وضاحت تفصیل کے ساتھ کروں گی ہو سکتا ہے میری بات سے اتفاق نہ کریں مگر غور ضرور کیجئے گا بلکہ اگر میں کہیں غلط ہوں تو میری اصلاح ضرور کیجئے گا میرے خیال میں ان وجوہات کو دور کر لینے سے عروج ہمارا مقدر

بن جائے گا کیونکہ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے انتہائی مختصر عرصہ میں عرب جیسی خون خوار قوم کے اندر امن و امان اور احترام انسانیت پیدا کیا۔ یہ قوم نہ صرف جہالت کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی بلکہ اخلاقی لحاظ سے پستی میں اپنی مثال آپ تھی۔ ان کے درمیان اگر کوئی لڑائی چھڑ جاتی تو آدھی آدھی اور کبھی پوری صدی ختم نہ ہوتی بے گناہ لوگ موت کے منہ میں دھکیلے جاتے۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے کہ کہیں ان کی وجہ سے انہیں کسی کے سامنے سر نہ جھکانا پڑ جائے۔ مگر اسلام ہی وہ عالمگیر مذہب ہے۔ جس نے ان کے اتنے شدید اختلافات ہی کو ختم نہیں کیا بلکہ اتنا مہذب بنا دیا کہ جو کبھی ایک دوسرے کے دشمن تھے اب ان کے لیے اپنی جان دینے کو تیار ہو گئے۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے لوگوں کے دلوں میں دوسروں کے لیے محبت' ہمدردی اور خیر خواہی کا ایسا جذبہ بیدار کیا کہ دوسروں کی مدد کے لیے رقم دینے والے پھر رہے ہیں اور لینے والا کوئی نہیں۔ چراغ کی روشنی گل کر کے خود بھوکے رہ کر دوسروں کا پیٹ بھرنے والے جذبات پیدا کرنا اسی مذہب کا خاصا ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے۔

''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اسلام میں صرف مسلمان ہی کے لیے نہیں بلکہ ہر انسان کے احترام اور حفاظت کا حکم ہے۔''

کوئی بھی انسان خواہ وہ امیر ہو یا غریب' چھوٹا ہو یا بڑا اور مسلم ہو یا غیر مسلم اسلام کی رو سے قابل احترام ہے۔ اسلام نے ذمیوں کے بھی حقوق بیان کیے ہیں۔ اس سلسلے میں اسلام نے واضح' مؤثر اور جامع تعلیمات پیش کی ہیں جو کسی دوسرے مذہب میں ملنی مشکل ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ہم نے اسرائیل کو یہ لکھ کر دے دیا کہ جو کوئی کسی کی جان لے بغیر اس کے کہ اس نے کسی کی جان لی ہو یا زمین میں فساد کیا ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا اور جس نے کسی کی جان بچائی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچایا۔ ان لوگوں کے پاس ہمارے رسول کھلی کھلی ہدایات

لے کر آئے مگر اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جو زمین میں حد سے تجاوز کرتے ہیں۔'' (المائدہ)

ایک اور جگہ فرمایا۔

''وہ اس جان کو جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہے بغیر حق کے ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ کیے کی سزا پائے گا۔ (الفرقان:63)

قرآن میں بے گناہ کا خون بہانے کو بدترین گناہ بتایا گیا ہے۔
پس اسلام ایک مکمل اور ابدی ضابطہ حیات پیش کرتا ہے۔ یہ زندگی گزارنے کے لیے جو نظریہ پیش کرتا ہے' وہ ہے:

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ اطاعت کے واسطے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

2- اسلام پہلا اور آخری مذہب ہے

اسلام کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ پہلا اور آخری مذہب ہے چونکہ یہ گزشتہ تمام انبیاء کرام کا بھی دین رہا ہے۔ جنہوں نے اپنی اپنی امت میں اس دین کی تبلیغ اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کی نصیحت کی اور اپنی امت کو اللہ تعالیٰ کی واحدانیت اور اس کے احکامات سے آگاہ کیا۔
شریعت اگرچہ زمانے اور مقامات کے لحاظ سے مختلف رہی لیکن دین کے بنیادی اصول ہمیشہ ایک رہے ہیں۔ نبی پاک ﷺ کے ارشاد کے مطابق بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

''تمام انبیاء کرام سوتیلے بھائی ہیں یعنی ان کے باپ تو ایک لیکن مائیں مختلف ہیں اور ان سب کا دین ایک ہی ہے۔''

خود اللہ تعالیٰ بھی اس کے بارے میں فرماتا ہے:

جب ان سے (حضرت ابراہیم علیہ السلام) ان کے رب نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انہوں نے کہا" میں اسلام لے آیا سارے جہان کے پروردگار پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنی اولاد کو اس بات کی وصیت کی کہ بیٹا بے شک اللہ تبارک تعالیٰ نے تمہارے لیے یہی دین پسند فرمایا۔"

"پس تم نہ مرنا مگر حالت اسلام پر۔" (البقرہ:131:132)

یہی دین اسلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی دین تھا۔
چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

"اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا" اے میری قوم! اگر تم ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ پر تو اُسی پر بھروسہ کرو اگر تم مسلمان ہو۔" (یونس:84)

اسی طرح سے حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اسلام ہی پر خاتمے کی دعا کی:

"اے میرے پروردگار! تو نے مجھے حکومت عطا فرمائی اور خواب کی تعبیر سکھائی۔ اے آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے۔ موت دے مجھے اسلام پر اور مجھ کو نیک بندوں میں شامل کرنا۔ (یونس:101)

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواری بھی دین اسلام پر تھے چنانچہ ارشاد ہے۔

"پھر جب عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کا کفر معلوم کیا تو کہنے لگے کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں میری مدد کرے۔ حواریوں نے کہا ہم ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مدد کرنے والے، ہم ایمان لائے اللہ پر اور تو گواہ رہ کر ہم مسلمان ہیں۔" (العمران:52)

سب سے آخر میں حضرت محمد ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا گیا اور نبوت آپ ﷺ پر ختم ہوگئی قرآن میں ان کی امت کے لیے بھی یہی الفاظ استعمال ہوئے۔

"اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔"
(العمران:102)

ان آیات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تمام انبیاء کرام کا دین اسلام تھا اور سب مسلمان تھے یہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین بھی ہے۔ پس یہی پہلا اور یہی آخری مذہب ہے (اس کے بارے میں کافی تفصیل کتاب کے شروع میں دی ہے۔ Point کے حوالے سے مختصر تشریح دوبارہ کی ہے۔

3- اسلام دین فطرت ہے

اسلام دین فطرت ہے یعنی اسلام کے اصول و احکام قوانین فطرت پر مبنی ہیں۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اے پیغمبر ﷺ تم ایک اللہ کے ہو کر رہو اور اس کے دین کی طرف اپنا رُخ کیے ہوئے رہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سرشت ہے۔ جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی بناوٹ میں رڈوبدل نہیں ہوتا ہے۔ یہی دین کا سیدھا راستہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔" (روم:30)

انسان کی بدقسمتی دیکھیں کہ تمام مخلوقات، حیوانات، جمادات اور نباتات تو فطری قوانین کی پابندی کرتی ہیں۔ اگر سرکشی کرتا ہے تو صرف انسان جسے اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا گیا۔ کہیں انسان نے اُن ہستیوں کے سامنے جھکنا شروع کر دیا جو خود اس کے لیے پیدا کی گئیں تھیں اس طرح خود انسان نے اپنی توہین کی اور اُس فطرت کی نفی کر دی۔

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا

اِسی فطرت کی نفی نے ترقی یافتہ قوم کو ترقی پذیر قوم بنا دیا کبھی جو قوم میں ہم سے سبق

سیکھا کرتی تھیں آج ہم اُن سے مغلوب ہیں پس آئیں! اس فطرت کی فرمانبرداری کریں اسی میں ہماری دنیاو آخرت کی بھلائی ہے۔ یہی دین ہمارے لیے نجات کا ذریعہ ہے۔

قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والوں پر کائنات میں موجود تمام مخلوقات اور موجودات کے بارے میں یہ انکشاف ہوتا ہے کہ رب العزت نے زمین پر بنی نوع انسان سمیت تمام مخلوقات' جمادات' نباتات' حیوانات' انسان اور جنات کو فیض پہنچانے کے لیے انہیں کس طرح ایک عظیم اور حیرت انگیز خود کار نظام عطا کیا ہے۔ اس پورے کائناتی نظام پر رب العالمین کی مکمل گرفت' قدرت اور کنٹرول ہے وہ جب جہاں اور جیسے چاہے اپنے حکم ''کُن'' سے تعمیل کروالیتا ہے وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دے ہوجا اور وہ ہو جاتی ہے۔

دین فطرت کے تمام قوانین میں کسی بھی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ان میں کسی قسم کی ترمیم وتنسیخ اور تحریف کر سکے۔ مسلمانوں کے لیے اللہ پر ایمان اور رسول ﷺ پر ایمان کے بعد ان تمام احکام پر عمل لازمی ہے۔ ان احکام کو تسلیم کرنے کے باوجود جو ان پر عمل پیرا نہ ہوں۔ انہیں فاسق وفاجر کہا گیا ہے۔ اس طرح اصل قانون ساز صرف اللہ ہے۔ اس کا دیا ہوا آئین انسانی زندگی کا آئین ہے اور اسی کا دیا ہوا قانون انسانی زندگی کا قانون ہے۔ کسی بھی فرد یا ادارے کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے یا کسی اور کے لیے قرآن وسنت کے منافی کوئی قانون بنائے اللہ کا نبی اس دنیا میں اُس کا نمائندہ اور اُس کے احکام کا شارح ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی حیثیت بھی ''قانون ساز'' کی ہے اور اس کے دیئے ہوئے احکام بھی اسی طرح واجب الاطاعت ہیں جس طرح خود اصل قانون ساز یعنی اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہیں کیونکہ وہ وہی کچھ کہتے ہیں وہی کچھ کرتے ہیں جس کا اللہ حکم دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جو کچھ رسول تمہیں دے' وہ لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ۔ پس اسلام وہ فطری تقاضا ہے کہ جسے خدائے بزرگ وبرتر

نے تمام بنی نوع انسان کے لیے پسند فرمایا کیونکہ اسلام فطری نظم وضبط کا عملی اظہار ہے۔ فطرت کے معیار کا نام اسلام ہے۔''

مگر ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم اپنے آپ کو وہ انسانی بنیادی اقدار دینے میں ناکام ہیں جو بنی نوع انسان کا بنیادی اور فطری حق ہے۔ آیئے اس فطری اور بنیادی حق کو صحیح خطوط پر سمجھے اور اس پر حقیقی عمل کرنے کی کوشش کریں۔ آج اس جدید دور میں ہمیں اسلام کے فطری' حقیقی اور پُرکشش پہلو زیر بحث لانے چاہئیں تاکہ اس حقیقت پر مبنی مذہب میں اس کے شایان شان فطری کشش ابھر کر سامنے آسکے اور اس کی روشن تصویر نکھر کر سامنے آئے اور اس کی اصلی اور حقیقی روح واضح ہو سکے۔ اس کے لیے آج ہمیں اسی اسوہ حسنہ کے عملی اظہار کی ضرورت ہے کہ جس کو اپنا کر انسانیت کی معراج حاصل کی جا سکتی ہے اس کے علاوہ علمائے دین کی ذمہ داری کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں اپنے علمائے دین سے صحیح سمت اور کامیابی کی طرف گامزن زندگی کے لیے عملی راہنمائی درکار ہے۔

4- اسلام مادی اور روحانی مذہب ہے

اسلام کا تعلق روح اور مادہ دونوں کے ساتھ ہے۔ یہ مادیت اور روحانیت میں اعتدال پیدا کرتا ہے۔ یہ دونوں کو علیحدہ علیحدہ پیش نہیں کرتا اس کے فلسفہ حیات کے تمام اجزا سیاست وعمرانیت' اقتصادیت ومعیشت' تہذیب وتمدن اور مذہب اور روحانیت باہم اس طرح مربوط ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کا اپنی جگہ اور اپنے مقام پر قائم رہنا ناگزیر ہے اور اگر اس نظام زندگی کی کوئی کڑی اپنی جگہ سے ہل جائے تو پوری انسانی زندگی میں اختلال وفساد برپا ہو جائے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اگر حق ان کی خواہشات اور خود ساختہ رسم ورواج کا تابع ہو جائے تو ساری کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے۔'' (المومنون)

اسلام کی عالمگیریت دیکھیں کہ اس کے ماننے والوں کی نگاہ اولین اس عالم

دنیا کی رعنائیوں اور رنگینیوں سے آگے نکل ایک دوسرے عالم جاودانی کا مشاہدہ کرتی ہے۔ مرد مومن کے لیے دنیاوی لذات وشہوات میں الجھنا اس کی موت ہے۔ نسلیت' وطنیت' قومیت اور معاشی تقاضے اس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اس کی جدوجہد کا نقطہ نظر مرکز انسانیت کبریٰ کا منتہائے کمال ہے۔ مگر اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے نظر حق شناس اور طبع ذوق آشنا کی ضرورت ہے۔ یہ مادہ پرست قومیں اس بادہ رنگیں کی سرمستیوں کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ اسی بنا پر مسلمانوں کا جہاد وقتال بھی دوسری اقوام عالم سے یکسر مختلف ہے۔ مادی ضرورتوں کا احساس اسے ہرگز جنگ وقتال پر آمادہ نہیں کرتا۔ اگر اسے اقتدار کی ضرورت ہے تو اس لیے کہ اس کے ذریعے وہ اپنے مقاصد کو بروئے کار لا سکتا ہے۔ ورنہ حصول اقتدار بھی اس کے نزدیک کچھ اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ اسلام میں حکومت ''حق'' نہیں بلکہ ذمے داری اور امانت ہے اور حکم صرف اللہ کا ہوگا۔

وطن' قوم' قبیلہ' نسل و دیگر تمام باتیں مذہب اسلام میں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ اصل مقصد کو پانے کے لیے بطور آلہ تو استعمال ہو سکتی ہیں لیکن رکن اول کی حیثیت اختیار نہیں کر سکتیں۔

اس سلسلے میں دیگر اقوام کے نقطہ ہائے نظر بالکل مختلف ہیں جو چیزیں ہماری نظر میں سب سے آخری جگہ پاتی ہیں وہ ان کی نظر میں اول حیثیت رکھتی ہیں۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ان کی نظر میں ان حقیر مادی مقاصد کے سوا کوئی دوسرا مقصد شاید ہے ہی نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے اہل ایمان اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔'' (البقرہ: 208)

5- اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے

اسلام کی ایک نمایاں وامتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ زندگی کا نہایت منظم اور مکمل ضابطہ پیش کرتا ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کے بارے میں اس نے تعلیمات پیش نہ کی ہوں۔ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی' قومی ہو یا بین الاقوامی' معاشی ہو یا سیاسی' معاشرتی ہو یا قانونی غرض کوئی شعبہ اس کی واضح ہدایات سے تشنہ نہیں ہے بعض اوقات یہ غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے کہ مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے۔ دیگر اقوام میں تو یہ بات درست مانی جا سکتی ہے مگر اسلام میں نہیں۔ قرآن نے مذہب اسلام کے لیے دین کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس سے یہ ثابت کیا گیا کہ اس کے معنی مکمل ضابطہ حیات و ہدایت ہے اور اسے محض عبادات تک مخصوص نہیں رکھا گیا۔ دین میں تین طرح کی درجہ بندی کی گئی۔

1- ایمانیات
2- عبادات
3- معاملات

پس قرآن پاک میں زندگی کے ہر معاملے کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ معاملہ نکاح کا ہو یا طلاق' وراثت' خلع' ہبہ' متبنیٰ' قصاص' عدت' رضاعت وغیرہ وغیرہ ہر مسئلے کا واضح حل بتایا گیا ہے۔

ہمیں اپنے تمام مسائل میں اسی کی جانب رجوع کرنا چاہیے اس سے نہ صرف مسائل حل ہو جائیں گے بلکہ اللہ کی رضا بھی حاصل ہوگی کیونکہ مسلمان کی زندگی کا ہر پہلو اور ہر شعبہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کے ہر دائرے میں اپنے سارے افعال واعمال میں اللہ کی رضا کا پابند ہوتا ہے۔

اسلام جس طرح کی زندگی گزارنے کا لوگوں کو درس دیتا ہے۔ وہ کسی انسان کی عقلی کوشش کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ایک ایسا نظام زندگی ہے جس کا دارومدار ہدایات ربانی اور وحی الٰہی پر منحصر ہے۔ اسی بنا پر یہ نظام زندگی تمام مخلوقات کے بنائے ہوئے نظام زندگی سے بہتر ومستقل ہے کیونکہ انسانی ذہن میں اتنی وسعت وفراست نہیں ہے کہ وہ ہر زمانے' ہر ملک اور ہر قوم کے لیے ان کی حاجات کے مطابق کوئی جامع نظام پیش کر سکے۔ صرف خدا کی ذات ہے۔ جس نے (انسان) کی نہ صرف مادی اور جسمانی ضرورتوں کا خیال رکھا بلکہ انسان کی روحانی' اخلاقی' تہذیبی اور تمدنی ضروریات کا بھی خیال رکھتے ہوئے اسلامی نظام حیات پیش کیا۔

اسلام چونکہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا دستور ہے لہٰذا یہ آفاقی اور عالمگیر مذہب ہے اور تمام شعبہ ہائے زندگی کے لیے واضح اور کامل رہنما اصول بتلاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وہی پاک ذات ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسے تمام دیگر ادیان پر غالب کر دے خواہ یہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔'' (الصف:9)

6- اسلام وحدت اور مساوات کا مذہب ہے

دین اسلام سے قبل وحدت و مساوات انسانی کا تصور صرف ایک خواب تھا۔

اسلام نے سب کو ایک مقام پر لا کھڑا کیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اے لوگو! اپنے پروردگار سے تقویٰ اختیار کرو جس نے تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑ پیدا کیا اور ان دونوں سے بکثرت مرد اور عورتیں پھیلا دیئے اور اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرو جس کے واسطے سے ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور قرابتوں کے باب میں تقویٰ اختیار کرو بے شک اللہ تمہارے اوپر نگران ہے۔'' (النساء:1)

ایک اور مقام پر ہے۔

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔'' (الحجرات:13)

خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔

''کسی عربی کو عجمی پر کسی عجمی کو عربی پر کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں سوائے تقویٰ کے۔''

اگر ہم ارکان اسلام کا جائزہ لیں تو سب مساوات کا درس دیتے ہیں مثلاً نماز ہی کو لے لیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ بندہ نواز

اسلام غلام اور آقا کے درمیان کوئی تمیز نہیں کرتا اس کی نظر میں سب برابر ہیں اور غلاموں سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا۔ ''العدل ہو المساوات فی المکافات'' مکافات میں مساوات کا لحاظ رکھنا عدل کہلاتا ہے۔ یعنی نیکی کا صلہ نیکی اور بدی کا صلہ بدی ملنا چاہیے اصل میں عدل افراط وتفریط کے درمیان ایک نقطہ مساوات ہے جو اطراف کو برابر رکھتا ہے اور حق پر آ کر رک جاتا ہے۔

بس ملت اسلامیہ ایک امت ہے۔ اس کے عقائد ونظریات ایک ہیں۔ ہمارا خالق و مالک ایک ہے۔ ہمارا مرکز ایک ہے۔ ہم سب کندھے سے کندھا ملا کر ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اُس مرکز کی طرف منہ کر کے نماز کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ' روزہ اور حج سبھی ارکان اسلام وحدت کا درس دیتے ہیں۔ مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں بھی یکسانیت پائی جاتی ہے مثلاً شادی بیاہ' جنازہ' تجہیز وتکفین' حقوق وفرائض' آداب واطوار' رہن سہن' میل جول' خاندانی نظام کے سلسلے میں ہمدردی اور تعاون کے لیے دین اسلام نے مساوی اصول وقواعد مقرر کیے ہیں۔ مسلمانوں کا بھلائی اور برائی کا معیار ایک ہے۔ سیاسی اور اقتصادی نظام کے اصول ایک ہیں۔ ہمارے افعال وکردار میں یکسانیت ہے۔ امت مسلمہ کا حاکم اعلیٰ صرف خالق کائنات ہے۔ اس کے قائد وہادی سرور کائنات حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ صحابہ کرام امت مسلمہ کے لیے روشنی کا مینار ہیں۔ قرآن حکیم ان کا دستور حیات ہے۔ امت مسلمہ کو چاہیے کہ وہ دنیا میں ہر طرف اپنے دستور حیات کو تمام ذہنی' اخلاقی' مادی اور شعوری وغیر شعوری طاقتوں کے ذریعے نافذ کریں بلاشبہ یہی

عمل انسانیت کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے۔

مگر موجودہ دور میں ہمارے لیے سب سے بڑا المیہ کائنات میں ہر طرف پھیلا ہوا انتشار اور بدامنی ہے۔ خوف ہے احساس تنہائی ہے اور ایسا اس لیے ہے کہ ہمارے درمیان خلوص اور محبت کا فقدان ہے۔ خلوص کو منزل اس لیے نہیں ملتی کہ ہر دوستی کے ساتھ مفاد وابستہ ہے ہم اس ہستی کے پیروکار ہیں جو نہ صرف مسلمانوں کو آپس میں تسبیح کے دانوں کی طرح پروتے ہیں بلکہ غیر مسلموں سے بھی معاہدے کرتے ہیں تاکہ بدامنی نہ پھیلے۔ آپ ﷺ کی زندگی کا سب سے روشن و درخشاں اور اہم ترین پہلو اسی امن و سلامتی کا پیغام اور محبت آفرینی ہے۔ آپ ﷺ نے سرکش وقصی القلب انسانوں میں انسان دوستی اور محبت کی شمع روشن کی۔ مواخات کی ایسی کوئی مثال کسی دوسرے مذہب نے پیش نہیں کی جیسی اسلام نے آپ ﷺ نے عالم انسانیت میں جو انقلاب برپا کیا وہ ہمہ گیر و عالمگیر ہے اور اسلام کا اولین اور بنیادی مقصد سلامتی ہے۔ موجودہ دور کے تقاضوں کے پیش نظر آج اِسی اساس کو دنیا میں عام کرنے کی ضرورت ہے۔ آج ضرورت ہے اِس امر کی کہ تعلیمات نبوی ﷺ کو زندگی کی اساس اور بنیاد قرار دیا جائے۔

اسوہ نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہو کر ایسا انسانی معاشرہ تشکیل دیا جائے جہاں وحدت' مساوات' امن و سلامتی' انسان دوستی' رواداری اور خوش خلقی کو بنیادی اہمیت حاصل ہو اور اس بات کو نشان منزل قرار دیا جائے کہ امتِ مسلمہ کی اساس قوم و نسل' رنگ و وطن معاشی یا سیاسی اشتراک پر نہیں ہوتی۔ ملتِ اسلامیہ ایک ایسی جامع قوت ہے جس کی اساس صرف اور صرف کلمہ طیبہ یعنی دین اسلام کے دائرے میں شامل ہونا ہے یہ کسی جغرافیائی حد بندی کی قید میں نہیں بلکہ سب ایک ہیں سارے انسانوں کی ابتدا ایک ہی جان سے ہوئی ہے۔

پس اس میں نسل اور رنگ کا اختلاف محض موسمی تبدیلی کی وجہ سے ہوتا ہے جس کی کوئی اہمیت نہیں۔

فرمان نبوی ﷺ ہے:

''تم سب کو آدم سے پیدا کیا گیا اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا تھا۔''

پس اسلام وحدتِ نسل انسانی کا حامی ہے اور کسی ایسے نظریئے کو پروان چڑھنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا جس سے وحدتِ نسل انسانی کو نقصان پہنچے اور وہ ٹکڑوں یا گروہوں میں بٹ جائے بلکہ یہ ایسے اصول فراہم کرتا ہے۔ جن پر عمل پیرا ہو کر انسان رنگ و نسل اور وطن کے امتیازات سے بالاتر ہو کر عقیدے اور عمل کی وحدت کی لڑی میں پرو دیا جاتا ہے۔ انسانوں کی شیرازہ بندی کے لیے اسلام نے جو زریں اصول دیئے ہیں۔ ان کو اپنا کر ایک ایسا معاشرہ پروان چڑھتا ہے جس کا مقصد انسانیت کی خدمت ہوتا ہے جو انسانوں کو ایک مرکز پر لا جمع کرتا ہے جو ہر قسم کے تعصبات اور دشمنیوں کو بھلا کر آپس میں محبت اور بھائی چارے کی فضا پیدا کرتا ہے۔ جو انسان کے شرف کا محافظ اور اس کی عظمت کا امین ہوتا ہے پس ہم سب کو چاہیے کہ مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں اور تفرقے میں مت پڑیں۔ اللہ کے دین کی اشاعت کے لیے مل جل کر سعی کریں۔ باہم متحد ہو کر رہیں اور معمولی اختلافات کو بھلا کر اعلیٰ مقاصد کی خاطر امن و اطمینان قائم کریں۔ یہی اسلام کا درس ہے۔

7- اسلام ایک اصلاحی مذہب ہے

دین اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں بلکہ ایک اصلاحی تحریک بھی ہے۔ جو نیکی کو قائم کرنے اور بدی کو روکنے کی جدوجہد کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''تم وہ بہترین قوم ہو جو لوگوں کی اصلاح کے لیے میدان میں لائی گئی ہو تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔'' (العمران: 11)

پس اسلام وہ تہذیب عطا کرتا ہے جس کا ضمیر و خمیر اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی اور اس کا یقین و ایمان ہے وہ اللہ کے رنگ ''صبغۃ اللہ'' میں رنگی ہوئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (الحج 41)

"مسلمان وہ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں طاقت دیں تو وہ نماز کو قائم کریں گے زکوۃ ادا کریں گے اور اچھی بات کا حکم دیں گے اور بری باتوں سے روکیں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کو امتِ وسط کے خطاب سے نوازا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ:143)

اور اس طرح ہم نے تمہیں درمیانی امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ رہو۔

جس طرح دیگر اقوام پر امت محمدی ﷺ کو گواہ بنایا اس طرح امت محمدی ﷺ پر رسول اکرم ﷺ کو گواہ بنایا اور واضح اعلان کر دیا گیا۔

"اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا" (الاعراف:158)

"اے لوگ میں سب کی طرف اللہ کا پیغمبر ہوں۔"

ایک اور جگہ فرمایا۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ (آل عمران:104)

"تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور رہنے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں۔"

حیاتِ انسانی کا کوئی گوشہ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی قومی ہو یا بین الاقوامی' معاشی ہو یا معاشرتی' سیاسی ہو یا اخلاقی دین سے خارج نہیں جیسا کہ قرآن پاک میں کہا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً (البقرہ:208)

"اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔"

حدیث ہے:

"کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر ڈٹ جاؤ۔"

اسلام دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے ایک سنہری اصول دیتا ہے۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ:2)

"اے لوگو! تم نیکی اور تقوی میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور برائی اور ظلم پر ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔"

آج اگر ہم اس سنہری اصول کو اپنا لیں تو سارا انتشار ختم ہو جائے۔

درحقیقت "اقوام متحدہ کا منشور اور معاہدہ جنیوا" اسلام ہی کی بازگشت ہے۔

پس یہ اصلاحی تحریک ہی عالمی امن کی ضامن ہے۔ اس میں کسی قسم کا زور اور جبر نہیں اسلام طاقت کے ذریعے کسی کا دین' عقیدہ اور مذہب بدلنے کی اجازت نہیں دیتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ (البقرہ:256)

"دین میں زبردستی نہیں۔"

گویا اس میں تنگ نظری اور تعصب نہیں ہے۔

بقول اقبال:

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لاالہ الا اللہ

پس اپنے تمام مسائل کے حل کے لیے اللہ ہی کو پکارو۔

فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (المومن65)

''پس تم اللہ کو پکارو اور اس کے لیے اطاعت کو خالص کرتے رہو۔''

8- اسلام جمہوری اور شوریٰ کا نظام پیش کرتا ہے

جب ہم جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے جمہوریت چودہ سو سال پہلے سیکھ لی تھی۔ جمہوریت تو مسلمانوں کے رگ و پے میں ہے۔

اگر اسلام سے پہلے کی حکومتوں کا جائزہ لیں تو ان سب میں ایک بات مشترک نظر آئے گی یعنی ''مطلق العنان'' مگر شخصی بادشاہی کی اسلام نے ممانعت قرار دی۔

دیگر مذاہب میں جابر بادشاہ، بے مہار شہزادے اور موروثی حاکم انسانوں کی تقدیروں کے فیصلے کرتے نظر آئیں گے۔ برعکس اس کے مسلم حکومتوں میں الہامی قوانین کی روشنی میں جمہوری نظام اور شورائی نظام دیکھنے میں آئے گا یہاں خلیفہ کا انتخاب عوام کرتی نظر آئے گی اور پھر خلیفہ حکومتوں کے معاملے میں فیصلے شورائی نظام کے تحت کرتے نظر آئیں گے۔

پنڈت جواہر لال نہرو لکھتے ہیں:

''اسلام کی سادگی سمجھ آنے والی حقیقت ہے جمہوریت اور مساوات نے بنی نوع انسان پر اثر ڈالا۔ مطلق العنان بادشاہ اور انہی کی طرح خودسر ظالم مذہبی پیشوا انہیں کچل رہے تھے۔ وہ تنگ آ چکے تھے اور انقلاب کے لیے تیار تھے۔ اسلام یہ انقلاب لے آیا اور وہ ان کے حق میں نعمت ثابت ہوا۔ نئی بھلائیاں ابھر آئیں اور پرانی برائیوں کا خاتمہ ہو گیا۔''

(بحوالہ جگ بیتی صفحہ 226)

افلاطون نے شخصی حکومت کی تائید کی اور لوگوں کو چار طبقوں میں بانٹ دیا:

1- حکمران طبقہ جو سونے سے بنا ہے۔
2- فوجی طبقہ جو چاندی سے بنا ہے۔
3- کاریگر طبقہ جو فولاد کے ڈھلے ہیں۔
4- مزدور غلام اور محنت کش طبقہ جو چوپایوں کی مانند ہے۔

جبکہ اسلام نے تمام انسانوں کی برابری کا اعلان کیا ہے۔ اسلام تو جداگانہ نظریہ سیاست دیتا ہے۔ وہ اسے خلافت کا نام دیتا ہے۔ جس میں اقتدارِ اعلیٰ کا مالک اللہ اور بندے نائب ہیں۔ اس میں کسی امیر (حاکم) کا معیارِ زندگی بادشاہوں سا نہیں بلکہ عام انسان سا ہی ہے۔ اس میں عہدے اہلیت کی بنیاد پر دیئے جاتے ہیں خواہشات پر نہیں۔

فرمان نبوی ﷺ ہے۔

''خدا کی قسم ہم اپنی اس حکومت کے کام پر کسی ایسے کو مقرر نہیں کرتے جو اس کی درخواست کرے یا اس کا حریص ہو۔ (متفق علیہ)

سید الانبیاء ختم الرسل ﷺ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین کا دور بھی اسلامی تاریخ میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ یہ دور حقیقی انصاف اور خدا ترسی کا دور تھا۔ اس دورِ حکومت میں حکومت حق پسندی، راست بازی اور رعایا پروری کے اصول پر قائم تھی۔ اس وقت مسلمان دین میں راسخ اور دنیا میں سربلند تھے۔ یہ وہ عہدِ زریں ہے جسے جب تک مسلمانوں نے اپنا آئیڈیل بنایا اور اس کی پیروی کو اپنے لیے باعث فخر سمجھا کامیابی ان کا مقدر رہی۔ یہاں میں یہ بتاتی چلوں کہ حصول پاکستان کا مقصد اِسی نظام اسلامی کا قیام تھا اور ہم پاکستان کو خلافتِ راشدہ کی طرز پر اسلام کا گہوارہ بنانا چاہتے تھے۔ (مگر شاید بھول گئے)

اسلام میں شخصی حکومت کی گنجائش نہیں اسلام نے جو جمہوری نظام پیش کیا وہ شورائیت کی بنیاد پر قائم کیا گیا۔ حضرت محمد ﷺ نہ صرف رسول اللہ ﷺ اور نبی ﷺ تھے بلکہ اسلامی مملکت کے سربراہ بھی تھے۔ اس وقت دنیا کے تمام مہذب ممالک میں بادشاہی نظام رائج تھا اور بادشاہ کے منہ سے نکلا ہوا لفظ قانون کا درجہ رکھتا تھا۔ حکومتوں کے کان کسی باہمی مشورہ اور جمہوریت کے نام سے نا آشنا تھے۔ اس دور میں قرآن کریم کے توسط سے رسول مقبول ﷺ کو معاملات مشاورت سے نپٹانے کا اس طرح حکم دیا گیا:

''اور ان کے امور آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں۔''

(الشوریٰ)

"ان سے معاملات میں مشورہ کرو" (آل عمران)

جس ہستی کے لیے کائنات کی تخلیق کی گئی اگر انہیں بھی معاملات میں مشورے کا حکم دیا جارہا ہے تو ہم اس حکم سے آزاد کیسے ہوسکتے ہیں؟ حضرت عبداللہ انصاریؓ کا قول ہے کہ اسلام نے مشورہ کا حکم اس وقت دیا جب دنیا میں کہیں پارلیمانی نظام موجود نہ تھا۔ جمہوریت موجود نہ تھی بلکہ ان آیات کے نزول کے تقریباً ایک ہزار سال بعد پارلیمانی نظام رائج ہوئے اور مغربی مفکرین نے جمہوریت کے متعلق نظریات پیش کیے حتیٰ کہ یورپ کے تاریخ دان اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا کے تمام مذاہب میں سے صرف دین اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے سب سے پہلے جمہوریت کا تصور عطا کیا اور جمہوریت کو عملی جامہ پہناتے ہوئے جمہوری اقدامات کو اپنایا۔

مسٹر خورشید احمد نے اپنی کتاب "اسلامی دستور" میں لکھا ہے:

"کہ خلفائے راشدین کی روایات ہی سے نہیں بلکہ خود رسول کریم ﷺ کے افعال و کردار سے اخذ کردہ اصول یہ ہے کہ امیر (امام) کی مجلس شوریٰ اس کے چنے ہوئے مخصوص دست راستوں پر مشتمل نہیں ہونی چاہیے بلکہ ان لوگوں پر جو عوام الناس کی نگاہوں میں شک وشبہ سے بالاتر ہوں۔"

قرآن پاک توکل علی اللہ سے قبل معاملات میں مشورہ لینے پر زور دیتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

"میں نے نبی پاک ﷺ سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا جس نے صحابہ کرامؓ سے مشورے کیے ہوں۔"

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔

"میں نے حضور اکرم ﷺ سے زیادہ صحابہ کرامؓ سے مشاورت (شوریٰ) کرنے والا شخص کوئی نہیں دیکھا۔ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور

حضرت عمر فاروقؓ کسی رائے پر متفق ہوجاتے تو آپ ﷺ اس رائے کے خلاف نہ جاتے تھے۔ پس یہ ہے وہ جمہوری نظام جو اسلام نے پیش کیا اور جس کی نظیر دیگر کسی مذہب میں موجود نہیں۔

9- اسلام ایک عقیدہ اور اقرار ہے

اسلامی تعلیمات کے لیے بنیاد وہ مجموعہ احکام اور ضابطہ حیات ہے جو نوع انسانی کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاتم النبین حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔ اس مجموعہ احکام کے دو جز ہیں۔ ایک ایمان اور دوسرا عمل "مندرجہ ذیل عقائد پر ایمان اور تمام ارکان اسلام کو پورے خلوص کے ساتھ ادا کرنا ہی اسلام ہے کسی ایک رکن ایمان کا انکار دائرہ اسلام سے خارج کردینے کے لیے کافی ہے۔ گویا اسلام عقیدہ بھی ہے اور اس عقیدے کا دل اور زبان سے اقرار بھی۔

اجزائے ایمان

1- اللہ تعالیٰ پر ایمان

اسلام کے پورے اعتقادی نظام کی بنیاد ایمان باللہ پر رکھی گئی ہے اور باقی ایمانیات اسی بنیاد پر استوار کیے گئے ہیں۔ اسلام کے دائرے میں داخل ہونے کے لیے پہلا رکن یہی ہے کہ خدا کی ذات کو وحدہ لاشریک مانا جائے اس کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ اس عقیدے کی وجہ سے مسلمان میں وسیع النظری، شجاعت، دلاوری، عجز و انکساری، صبر و سکون اور صدق وصفا جیسی اعلیٰ صفات پیدا ہوجاتی ہیں۔ غرض ایمان باللہ کو اسلام میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس ایک مرکز کے ہٹتے ہی یہ سارے کا سارا نظام بکھر جاتا ہے بلکہ اسلام کا پورا قصر ہی گر جاتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک ہر پیغمبر نے اپنے پیغام میں پہلا درس توحید ہی کا دیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی ہوئی ہر کتاب کا مرکز اللہ پر ایمان ہی رہا اس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن اور حدیث دونوں نے صرف اسی ایک بات

کوفلاح اخروی کے لیے کافی گردانا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یقیناً جن لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے پھر اس پر جم گئے ان کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور وہ نہ غمگین ہوں گے۔''

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گزارش کی ''یا رسول اللہ مجھے اسلام کے متعلق کوئی ایسی قطعی بات بتا دیجئے کہ پھر مجھے کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد کیا:

''کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر ڈٹ جاؤ۔ ظاہر ہے جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے صدق دل کے ساتھ وہ اپنے ہر لمحے میں اپنے ہر کام میں اللہ کو حاضر و ناظر جانتا ہے اور آہستہ آہستہ گناہ کے ہر کام سے بچ جاتا ہے کیونکہ دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اللہ نہیں اور ہمیں نہیں دیکھ رہا دل کے اندر اس دیکھنے کا احساس گناہ سے باز رکھنے کے لیے کافی ہے اور گناہ سے باز رہنا اُس کی رضا کے لیے کام کرنا اس کی ناراضگی سے ہر لمحے ڈرتے رہنا بلاشبہ اخروی نجات کا باعث ہوگا۔ انشاء اللہ۔

2- رسولوں پر ایمان

رسول اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہوتے ہیں یہی وہ سرچشمہ ہدایت و عمل ہے۔ جہاں سے مسلمان انفرادی اور معاشرتی زندگی کا مثالی نمونہ حاصل کر کے فیض یاب ہوتے ہیں۔ ذاتی اور معاشرتی زندگی میں اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر ہی حقیقی معنوں میں اسلامی معاشرہ قائم ہوسکتا ہے۔ رسول کی اطاعت کرنا واجب ہے جو انبیاء پر ایمان نہیں رکھتا مسلمان نہیں کہلاتا۔ رسول آئینہ کی مانند ہوتے ہیں۔ معصوم اور گناہوں سے پاک وہی کچھ کرتے ہیں جس کا اللہ انہیں حکم دیتا ہے۔ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر یہ بات فرمائی گئی کہ دنیا میں کوئی امت ایسی نہیں گزری جس کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی مبعوث نہ فرمائے ہوں مثلاً ایک جگہ فرمایا۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (7.13)

اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا (النحل:36)

ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا۔

پھر فرمایا۔

وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر:24)

اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔ پس جس طرح اعتقادی لحاظ سے توحید اصل دین ہے اسی طرح تقلید اور اطاعت کے لحاظ سے رسالت اصل دین ہے۔ رسولوں پر ایمان بنی نوع انسان کے اتحاد کا ضامن ہے۔ قرآنی نظریہ کے مطابق تمام انبیاء ایک ہی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ سب کی تعلیم و ہدایت کا منبع ایک ہی ذات ہے سب صراطِ مستقیم کے داعی ہیں ان سب پر ایمان لانا مسلمان کے لیے لازم ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

3- فرشتوں پر ایمان

جس طرح اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچانے کے لیے انبیاء ذریعہ ہوتے ہیں۔ اس طرح اللہ کا پیغام وحی کی صورت میں رسولوں تک فرشتے پہنچاتے ہیں۔ یہ بشری تقاضوں سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ ان کا وجود نورانی ہوتا ہے۔ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے جو کام اللہ نے ان کے سپرد کیے ہیں۔ انہیں انجام دیتے ہیں۔ کائنات کا نظام اللہ ان کے ذریعے چلا رہا ہے۔ یہی انسانی اعمال کا ریکارڈر رکھتے ہیں۔ فرشتوں میں جبرائیل علیہ السلام میکائیل علیہ السلام عزرائیل علیہ السلام اور اسرافیل علیہ السلام بڑے بڑے فرشتے ہیں۔

4- آسمانی کتابوں پر ایمان

اسلام کی اصطلاح میں کتاب سے مراد وہ آسمانی صحیفہ ہے' جو بندوں کی راہنمائی کے لیے اللہ کی طرف سے رسول پر نازل کیا جاتا ہے۔ چار کتابیں نازل ہوئیں' زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر' توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر' انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور آخری کتاب قرآن پاک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل ہوئی اس کے علاوہ جو صحیفے نازل ہوئے ان پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ تمام الہامی کتابیں حق وصداقت کی ترجمان تھیں اس حق وصداقت کا دوسرا نام اسلام ہے۔ یہ سب ایک ہی آفتاب کی شعاعیں ہیں مگر ان میں ترمیم کی جا چکی ہے پس قرآن پاک وہ واحد الہامی کتاب ہے جو اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہے۔ اس لیے اب صرف یہی کتاب ہدایت ہے جو سب کی قائم مقام ہے۔ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لے رکھا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''بے شک ہم نے اس (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔''

5- آخرت پر ایمان:

آخرت سے مراد قیامت کا دن ہے' یہ یقین رکھا جائے کہ قیامت آئے گی اور مرنے کے بعد سب دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور ہر شخص کو اپنے کیے کی جزا وسزا ملے گی۔ یہ عقیدہ انسانی زندگی پر نہایت ہی شدت سے اثر انداز ہوتا ہے۔ اسلام میں اس عقیدے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ عقیدہ ثواب کی خوشی یا عذاب کے خوف کے ذریعے اعمال کو صحیح رُخ پر ڈال کر انسان کو معاشرے کا ایک مفید فرد بنا دیتا ہے۔ اس کی وجہ سے پورا معاشرہ برائیوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں کئی جگہوں پر آخرت کے منظر کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ آخرت پر عقیدہ رکھنے کے بعد ہی انسان نیک عمل کی طرف راغب ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ انسان کو گمراہی سے بچا لیتا ہے۔

آخری حج کے موقع پر نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

''خبردار اے لوگو! تمہیں ایک دن یقیناً اپنے خدا سے ملنا ہے اور

اپنے اعمالوں کے لیے جواب دہ ہونا ہے۔''

ایک اور حدیث ہے:

''دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔''

جزا کا دن انسان کی آزمائش کا دن ہے۔ اس دن انسان نے جو کچھ بھی کیا ہوگا اسے اس کا صلہ ملے گا۔ اگر اعمال نیک ہوں گے تو صلہ میں جنت ملے گی اور اگر اعمال بد ہوں گے تو جہنم ملے گی اور جہنم کا تصور بھی انسان نہیں کر سکتا۔ ایسی بھڑکتی ہوئی آگ ہے کہ لمحے بھر میں جلا کر راکھ کر دے جہنم کی آگ کو ستر مرتبہ بجھا کر دنیا میں بھیجا گیا۔ اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ تیز ہوگی۔

انسان جب اس دنیا میں آتا ہے تو تین چیزیں اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔ پہلی چیز دوست احباب' رشتہ دار اور تمام ساتھی' دوسری چیز دولت اور تیسری چیز اعمال۔ ان تینوں چیزوں میں سے انسان کے بعد تک کام آنے والی چیز ہے اعمال۔ یہ قبر میں روشنی کر دیتے ہیں اور ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم اسی ساتھ جانے والی چیز کو بھول جاتے ہیں اور یاد آتی ہے اس وقت جب وقت گزر جاتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

''اور جب ان کے پاس موت آتی ہے تو کہتے ہیں ابھی تو ہمیں نیکی کرنے کا وقت ہی نہیں ملا۔ ہمیں مہلت دی جائے تا کہ ہم کچھ آخرت کے لیے سامان اکٹھا کر لیں۔ اللہ فرمائے گا نہیں اب تمہیں وقت نہیں ملے گا۔ اگر تمہارے لیے یہ زمین تنگ تھی تو تم ہجرت کر جاتے اللہ کے دین کے لیے۔''

حدیث نبویؐ ہے:

''دنیا کی حیثیت مومن کے لیے سرائے کی سی ہے۔ پس مسافر کی سی زندگی گزارو۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''دنیا کافر کے لیے خوشنما ہے اور مومن کے لیے قید خانہ ہے۔''

قرآن پاک میں قیامت کا منظر بار بار یاد اس لیے دلایا گیا ہے کہ انسان دنیا میں اس عبرت کے مقام کو یاد کرلے تاکہ گناہوں سے تائب ہو کر پاکیزہ اور نیک زندگی گزارے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک اعمال کرنے اور بُرے اعمال سے بچنے کی توفیق دے۔ آمین۔ اس لیے کہ دنیاوی وقت بہت مختصر ہے۔ دائمی زندگی تو اخروی زندگی ہے، ہمیں اس کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ عارضی ٹھکانا تو مختصر ہے، اسے اگر مشکلات میں بھی بسر کرلیا جائے تو محسوس نہیں ہوگا فکر ہو تو دائمی زندگی کی کیونکہ بقول شاعر یہ زندگی اتنی مختصر ہے:

آتے ہوئے اذان ہوئی جاتے ہوئے نماز
اتنے قلیل وقت میں آ کر چلے گئے

سورۃ النور میں ہے:

''کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ پرندے جو پر پھیلائے اُڑ رہے ہیں۔ ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتا ہے اور یہ سب جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے، آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور سبھی کو اسی کی طرف پلٹنا ہے، بے شک۔''

پس عقیدہ آخرت ہمارے ضابطۂ اخلاق کے لیے ایک زبردست پشت پناہ ہے۔ اس کے ذریعے انسان کے نفس میں ایک ایسا طاقتور ضمیر ابھرتا ہے جو ہر نیکی اور بھلائی کا محرک بن جاتا ہے، اللہ ہمیں اس عقیدے پر جمائے رکھے۔ آمین

6- تقدیر پر ایمان:

اس بات پر یقین رکھا جائے کہ ہر اچھائی اور برائی اللہ کی طرف سے ہے اور وہ ہر بات کو جانتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اگر ان کے پاس کوئی اچھائی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ ہمارے اچھے عمل کی وجہ سے ہے اور اگر کوئی برائی آتی ہے تو کہتے ہیں یہ تمہاری وجہ سے ہے۔ اے نبی ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر اچھائی تمہارے کسی اچھے عمل کے سبب ہے تو برائی بھی تمہارے کسی برے عمل کے سبب ہے۔ پس خیر و شر دونوں رب العزت کی دین ہیں۔''

حدیث شریف ہے:

''ایمان تقدیر اور تدبیر کے درمیان ہے۔''

انسان کو چاہیے کہ وہ تقدیر پر بھی ایمان رکھے اور اس کے ساتھ عمل اور تدبیر بھی کرے۔ انسان تقدیر کا پابند ہے مگر اللہ نہیں، وہ چاہے تو تقدیر کو بدل سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

''مومن کی دعا تقدیر کو بدل سکتی ہے۔''

بقول اقبالؒ:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

کاش اللہ ہمیں ان لوگوں کی صف میں شامل کردے۔ آمین۔

پس تقدیر کے معاملے کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اختیار کا معاملہ جان کر اسے قسمت کے سپرد کردینا چاہیے۔

7- مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان

یہ عقیدہ آخرت کے زمرے میں ہی آجاتا ہے۔ اس بات پر یقین کہ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ قیامت کے روز زندہ کیا جائے گا اور اس کے اعمال کا حساب

کتاب لیا جائے گا۔ کافر یہ سمجھتے ہیں کہ گلی سڑی ہڈیاں دوبارہ زندہ نہیں ہوسکتیں۔ لیکن مومن اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ موت کے بعد ایک اور زندگی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں' جو قادر مطلق کائنات کو عدم سے وجود میں لاسکتا ہے۔ وہ اسے دوبارہ بھی پیدا کرسکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا' کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ ان کو پھر ویسے ہی پیدا کردے کیوں نہیں۔ وہ تو بڑا پیدا کرنے والا اور علیم ہے۔''

اسلام کی رُو سے یہ زندگی عارضی ہے اور موت زندگی کا خاتمہ نہیں بلکہ وقفہ ہے' جس کے بعد پھر لامتناہی زندگی ہے۔ حدیث ہے:

''آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے سمندر کے مقابلے میں قطرہ۔''

ان عقائد کو ایمان مفصل کہا گیا ہے اور ان کا اقرار ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ○

ان تمام اجزا پر ایمان لے آنے کے بعد اسلام کے تمام ارکان کو پورا کرنا لازم ہے' جو مندرجہ ذیل ہیں:

بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ ○

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس بات کی شہادت دینا کہ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرنا' زکوٰۃ دینا' حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

ارکان اسلام

1- توحید و رسالت ﷺ

(کلمہ طیبہ)

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ○

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

اسلام کا پہلا رکن ایمان کا بھی پہلا رکن ہے۔ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے سب سے پہلے اس رکن کا اقرار دل اور زبان دونوں سے کرنا پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کو اس کی ذات وصفات کے لحاظ سے یکتا ماننا اور ہر قسم کے شرک سے اجتناب کرنا حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا آخری نبی ماننا اور یہ یقین رکھنا کہ اب قیامت تک ہدایت ہمیں انہیں کے اسوۂ حسنہ سے حاصل کرنی ہے۔ آپ ﷺ کے بعد نہ کوئی نبی آیا ہے نہ آئے گا اس کے بارے میں کافی تفصیل اوپر بیان ہوچکی ہے اس لیے دوبارہ وضاحت کی ضرورت نہیں۔ پس یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اسلام کا پہلا رکن ہے۔

2- نماز:

اسلام کا دوسرا رکن نماز ہے جو تمام عبادات کی اصل ہے۔ نماز حقوق اللہ کا مغز ہے۔ یہ ایسا فریضہ ہے جسے کسی حال میں چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ ''نماز'' ایک ایسا شعار ہے جو اللہ سے تعلق کا اظہار ہے۔ اس تعلق کی بنیاد پر بندہ اللہ سے اپنی بھلائی اور خیر خواہی کا خواہاں ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''تو پڑھ جو اتری تیری طرف کتاب اور قائم رکھ نماز بے شک نماز

روکتی ہے بے حیائی اور بری بات سے اور اللہ کی یاد ہے سب سے بڑی اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو۔" (العنکبوت:45)

حدیث نبوی ﷺ ہے۔

"کفر اور ایمان کے درمیان حدِ فاصل صرف نماز ہے۔"

قرآن پاک اور احادیث میں نماز قائم کرنے کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ۝

"اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔" (البقرہ)

سورۃ البقرہ میں ہے۔

"اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ" (البقرہ)

"بے شک نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے۔"

حدیث ہے۔

"اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ"

"نماز دین کا ستون ہے۔"

"اَوَّلُ مَا یُحَاسَبُ بِہٖ عَبْدُ الصَّلٰوۃ"

"بندے سے قیامت کے روز جس چیز کے بارے میں سب سے پہلے سوال کیا جائے گا وہ نماز ہے۔"

گویا نماز مومن اور کافر کے درمیان تمیز ہے۔ اسے مومن کی معراج کہا گیا یہ

آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون ہے۔ اسلام کی بنیاد جن پانچ ستون پر کھڑی ہے نماز ان میں سب سے اہم ترین ستون ہے۔ یہ خالق ومخلوق کے درمیان وابستگی کا ذریعہ ہے۔ بے قرار روح کی تسکین اور مایوس دل کی دعا ہے یہ دل میں تقوئی پیدا کرتی ہے اور زندگی کے مقصد کا احساس دلاتی ہے۔ سورۃ النساء میں ہے۔

"اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا" (النساء)

"بے شک مومنوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ نماز فرض کی گئی ہے۔" نماز کی ادائیگی کرتے وقت بندہ اللہ کے حضور "عاجزی وانکساری کا اظہار کرتا ہے۔ انسان جب اللہ کے حضور ہاتھ باندھ کر دن میں پانچ مرتبہ کھڑا ہوتا ہے تو اس کی عظمت کا اعتراف کرتا ہے۔ اسے معبود اور خود کو بندہ سمجھتا ہے پھر ایک امام کے پیچھے صفیں باندھ کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے انسان میں نظم وضبط پیدا ہوتا ہے۔ مساوات کا درس ملتا ہے۔ آپس میں محبت اور ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے باجماعت نماز ادا کرنے کا ثواب زیادہ ہے۔

بقول شاعر

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

پس یہ اسلام کا وہ رکن ہے جو انسان میں اعلیٰ اوصاف پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ مگر ایسے نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں اور محض دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں کہ اللہ اس کے ذریعے بندے میں جو اوصاف پیدا کرنا چاہتا ہے اس سے عاری ہیں۔ بس اسلام بذریعہ نماز ایک ایسی قوم کی تشکیل کرنا چاہتا ہے جس کے اجزائے ترکیبی میں اخلاق حسنہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہو۔ اللہ پاک سے پُرخلوص عاجزانہ دعا ہے کہ ہر مومن کو پابندی اور خلوص کے ساتھ ریاکاری سے پاک نماز ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

3- زکوٰۃ

اسلام کا تیسرا رکن زکوٰۃ ہے۔ یہ مالی عبادت ہے جس طرح ہم نماز ادا کر کے جسمانی اطاعت کا ثبوت دیتے ہیں اسی طرح زکوٰۃ ادا کر کے ہم یہ ثبوت دیتے ہیں کہ ہماری دولت بھی اللہ کے لیے ہے۔ یہ ہمارے مال کو پاک کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعے ہمارے مال کی نشوونما ہوتی ہے۔ دل سے دولت کی حرص کم ہو جاتی ہے۔ دوسروں کے لیے دل میں محبت اور ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''تم نیکی کے مقام کو نہیں پا سکتے جب تک کہ اس چیز میں سے خرچ نہ کرو جسے تم محبوب رکھتے ہو۔'' (العمران:92)

نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے۔

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے دولت مندوں سے زکوٰۃ وصول کروں اور تمہارے غربا میں تقسیم کر دوں۔''

زکوٰۃ کی مقدار کا بھی تعین کیا گیا ہے جو اڑھائی فیصد ہے۔ قرآن پاک میں نماز کے ساتھ ہی زکوٰۃ کا حکم آیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔'' (البقرہ)

جس طرح حقوق اللہ میں سب سے پہلا حق نماز ہے اس طرح حقوق العباد میں پہلا حق زکوٰۃ ہے۔ صحابہ کرام نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا عہد صدیقی میں جب کچھ قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو ان کے خلاف تلوار اٹھائی گئی اور فرمایا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ''خدا کی قسم جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس سے لڑوں گا خدا کی قسم جو شخص رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک بھیڑ کا بچہ بھی دیتا تھا وہ اس کو دینا پڑے گا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں' نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ ان کا اجر بلاشبہ ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

قرآن پاک میں 70 سے زائد مقامات پر اقامت صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا ذکر اس طرح ساتھ ساتھ کیا گیا ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ان دونوں کا مقام اور درجہ قریب قریب ایک ہی ہے۔ زکوٰۃ کی اس غیر معمولی اہمیت اور افادیت کی وجہ سے اس کا حکم سابقہ انبیاء کی شریعتوں میں بھی نماز کے ساتھ برابر رہا ہے۔ سورۃ انبیاء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور پھر ان کے صاحبزادے حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور ہم نے ان کو حکم بھیجا نیکیوں کے کرنا کا (خاص کر) نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اور وہ ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔''
(النبیاء73)

سورۃ مریم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا:

''اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور بے شک وہ اپنے رب کے نزدیک بڑے پسندیدہ تھے۔'' (المریم:55)

اسرائیلی سلسلے کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے کہ آپ نے اپنی قوم کے لوگوں سے فرمایا۔

''میں اللہ کا ایک بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور نبی بنایا ہے اور جہاں کہیں میں ہوں اس نے مجھے بابرکت بنایا ہے اور جب تک میں زندہ ہوں مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت فرمائی ہے۔''
(المریم:30:31)

پھر سورۃ البقرہ میں جہاں بنی اسرائیل کے ایمانی میثاق اوران بنیادی احکام کا ذکر کیا گیا ہے جن کی ادائیگی کا ان سے عہد لیا گیا تھا۔ان میں ایک حکم یہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

''اور نماز قائم کرتے رہنا اور زکوٰۃ ادا کیا کرنا۔'' (البقرہ:43)

مندرجہ بالا آیات سے صاف ظاہر ہے کہ نماز اور زکوٰۃ ہمیشہ سے آسمانی شریعتوں کے خاص ارکان اور شعائر رہے ہیں۔زکوٰۃ کی فرضیت یکم رمضان 2 ہجری میں ہوئی مگر مکمل نظام فتح مکہ کے بعد 8 ہجری میں قائم ہوا جب یہ حکم آیا۔

''خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا'' (التوبۃ:103)

''اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے جس کے ذریعے ان کے قلوب کی تطہیر اور نفوس کا تزکیہ ہو۔''

دوسری جگہ فرمایا۔

''اور اس آتش جہنم سے وہ نہایت متقی بندہ دور رکھا جائے گا جو اپنا مال و متاع راہ خدا میں اس لیے دیتا ہو کہ اس کی روح اور اس کے دل کو پاکیزگی حاصل ہو۔'' (الیل 17:18)

اگرچہ اس کی فرضیت ہجرت کے بعد ہوئی مگر مکہ کے زمانہ قیام میں بھی زکوٰۃ کا حکم تھا کیونکہ سورۃ المومنون' النحل اور سورۃ لقمان تینوں مکہ میں نازل ہونے والی سورتوں کی ابتدائی آیتوں میں اہل ایمان کی لازمی صفات کے طور پر اقامت الصلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا ذکر موجود ہے۔مگر اس دور میں زکوٰۃ کا مطلب صرف یہ تھا کہ اللہ پاک کے ضرورت مندوں پر اور خیر کی دوسری راہوں میں اپنی کمائی صرف کی جائے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اے ایمان والو! جو مال و متاع ہم نے تم کو بخشا ہے تم اس میں

سے ہماری راہ میں ہمارے حکم کے مطابق خرچ کرو قبل اس کے کہ (قیامت) وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہو سکے گی نہ کسی کی دینوی دوستی کام آئے گی اور نہ کوئی سفارش (کسی قابل سزا مجرم کو بچا سکے گی) اور نہ ماننے والے اصلی ظالم ہیں (جن کو قیامت میں اپنے ظلم کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔'' (البقرہ:254)

نبی پاک ﷺ نے زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کو اللہ کی طرف سے عذاب کی وعید سنائی۔

''اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس مال و دولت میں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو عطا فرمایا ہے (اور وہ اس کی زکوٰۃ نہیں دیتے) کہ وہ مال و دولت ان کے حق میں بہتر ہے بلکہ انجام کے لحاظ سے وہ ان کے لیے بدترین ہے اور شر ہے۔قیامت کے دن ان کے گلوں میں طوق بنا کر ڈالی جائے گی وہ دولت جس میں انہوں نے بخل کیا۔(اور جس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی) (العمران:180)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے فرمایا۔

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ مال زکوٰۃ جب دوسرے مال میں مخلوط ہوگا تو ضرور اس کو تباہ کر دے گا۔''

(مسند شافعی' تاریخ کبیر بخاری' مسند حمیدی)

پس زکوٰۃ وہ فریضہ ہے جس کی عدم ادائیگی سے ابدی زندگی ناکام اور ہولناک ہو سکتی ہے۔زکوٰۃ ایمان کی نشانی اور قومی زندگی کا ذریعہ ہے۔یہ سلطنت کے استحکام' انسانی فلاح' اسلامی تہذیب و تمدن کی بقا اور ترقی کا سب سے بڑا سبب ہے۔اس سے روح میں پاکیزگی' بالیدگی اور طہارت کے جذبات نشوونما پاتے ہیں۔مالی قربانی دینے کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔نادار اور محتاج افراد کی کفالت ہو جاتی ہے۔اس کے ذریعے اسلامی معاشرے میں افلاس کا خاتمہ ہو جاتا ہے کیونکہ جس معاشرے میں غربت' افلاس

اور بھوک ہو۔ محتاجوں' غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ وہاں اخلاق تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ لوٹ مار اور چوری کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ اسلام نے زکوٰۃ کا نظام جاری کر کے پوری نوع انسانی پر یہ احسان کیا کہ لوگوں کو اخلاقی پستی سے نکال دیا اور زکوٰۃ ادا کرنے والوں سے اجر عظیم کا وعدہ کیا آخرت میں اور دنیا میں ان کے مال کو کئی گنا بڑھا دینے کا وعدہ کر کے معاشرے میں خوشحالی پیدا کر دی اور دولت کو گردش میں لا کر افرادی قوت کو مضبوط اور مستحکم بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح طور پر نظام زکوٰۃ کو سمجھنے اور اس کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے ملک میں نظام زکوٰۃ کو کامیاب بنائے نیز ہمیں اپنے مال میں سے زکوٰۃ دینے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

4- روزہ

روزہ اسلام کا چوتھا اہم رکن ہے۔ یہ گناہوں سے نجات کا ذریعہ ہے۔ مومن بندہ صرف اللہ کی رضا کے لیے صبح طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور بعض دیگر بشری تقاضوں سے اجتناب کرتا ہے۔ روزہ سے ضبط نفس پیدا ہوتا ہے یہ ایک ایسی عبادت ہے جو صرف بندے اور خدا کے درمیان ہوتی ہے۔ اس لیے فرمایا گیا۔

''روزہ میرے لیے ہے اور میں خود اس کی جزا دوں گا۔''

روزے سے دل میں اللہ کی شکر گزاری اور تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ یہ انسان کو گناہوں سے باز رکھتا ہے اس لیے نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

''روزہ گناہوں سے ڈھال ہے۔''

اس لیے کہ روزہ دار نہ جھوٹ بولتا ہے' نہ کسی کو بدنظر سے دیکھتا ہے' نہ چوری کرتا ہے' نہ چغلی کھاتا ہے اور نہ کوئی دیگر برائی کرتا ہے اور اگر کوئی روزہ رکھ کر بھی ایسا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ایسے روزہ دار کی بھوک اور پیاس سے مجھے کوئی غرض نہیں ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کی طرح روزہ بھی زمانہ قدیم کے انبیاء کی شریعتوں کا جزو

لاینفک رہا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" (البقرہ)

''اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تا کہ تم پرہیزگار ہو۔''

جو شخص اللہ کی خوشنودی کی خاطر روزہ رکھتا ہے وہ اجر عظیم کا مستحق ہے۔ ایک حدیث ہے۔

''جس شخص نے رمضان کے روزے صرف اللہ کی رضا کے لیے رکھے اس کے پہلے سب گناہ بخش دیئے گئے۔''

ایک اور حدیث ہے۔

''ابن آدم کا ہر عمل اس کا ہوتا ہے مگر روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔''

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

''پس تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے وہ ضرور پورے مہینے کے روزے رکھے۔''

فرمان نبوی ﷺ ہے:

''روزہ شہوت کو توڑنے اور کم کرنے کے لیے بہترین علاج ہے۔''

رمضان کا پہلا عشرہ رحمت' دوسرا باعث مغفرت اور تیسرا باعث نجات ہے۔ یہ مہینہ مسلمانوں کے لیے تحفہ ہے اس میں ایک عزت والی رات ہے جس میں قرآن پاک

نازل ہوا۔اس رات کو رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرنے کے لیے کہا گیا اور لوگ لاکھوں کی تعداد میں اس عشرے میں اعتکاف میں بیٹھتے ہیں اور اللہ کی رحمت اور مغفرت کے طلب گار ہوتے ہیں۔یہ وہ مہینہ ہے جس میں کی گئی ہر نیکی کا ثواب دگنا ملتا ہے۔مسلمان یہ پورا مہینہ اللہ کے ذکر میں' قرآن کی تلاوت میں گزارتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔اس مہینے میں کی گئی دعائیں قبول ہوتی ہیں روزہ سال بھر میں ایک ماہ کا غیر معمولی نظام تربیت ہے۔اس سے انسان کی روحانی قوت تیز ہوجاتی ہے کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔نفس کو ضبط کرنے کا موقع میسر آتا ہے۔دل میں تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔اللہ کی رضا کی خاطر ہر چیز سے اجتناب دل میں اللہ کی اطاعت کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔اللہ کی خاطر بھوکے پیاسے رہنے سے دل میں انسانی ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور ان لوگوں کے لیے محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔جنہیں کسی وجہ سے دن میں ایک دو وقت کھانا میسر نہیں آتا۔انسان ان کی مدد کے لیے آمادہ ہوجاتا ہے۔پس یہ عمل آپس میں اتحاد پیدا کرتا ہے اور مساوات کا درس دیتا ہے۔عالمگیر برادری کا احساس دل میں اجاگر ہوتا ہے۔اجر کے طور پر اللہ مسلمانوں کے لیے اس ماہ میں جنت کے دروازے کھول دیتا ہے اور جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں۔یہ ماہ ہمارے اوپر [illegible] یہ فضل ہے۔الغرض روزہ' اسلامی تعلیمات کا بنیادی رکن ہے۔جدید سائنسی تحقیق کی روشنی میں بھی یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ روزہ بہت سی بیماریوں کا علاج بھی ہے۔تناؤ اور ذہنی دباؤ' بلڈ پریشر اور مرگی' وزن بڑھنا اور انسومیا کی بیماریوں کے لیے روزہ ایک اکسیر کی حیثیت رکھتا ہے۔جبکہ دیگر کئی بیماریوں سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔روزہ سے نہ صرف انسانی جسم کی تطہیر ہوتی ہے بلکہ ذہنی انہماک کی وجہ سے روحانی تصورات بھی فروغ پاتے ہیں کچھ غیر مسلم ڈاکٹرز کی رائے اسلامی روزہ کے فیوض ومحاسن کے بارے میں۔

1-ڈاکٹر مائیں:

روزہ رکھنے سے خیالات پریشان نہیں ہوتے برائیاں اور بدیاں دور ہوجاتی ہیں۔

2-ڈاکٹر جوزف:

روزہ سے ظاہر و باطن کی غلاظتیں دور ہوتی ہیں یہ روحانی وجسمانی استقام کا دافع ہے۔

3-ڈاکٹر ایم کلائیو:

روزہ سے کئی جسمانی بیماریاں زائل ہوجاتی ہیں۔خصوصاً مرطوب اور بلغمی بیماریاں۔

4-ڈاکٹر ڈی جیکب:

مہینہ میں ایک دو بار روزہ رکھنا امراض کے حفظ ماتقدم اور قیام صحت کے لیے نفع بخش ہے۔

5-ڈاکٹر فرینکسن:

کبھی کبھی روزہ مفید ہوتا ہے اس سے گوناگوں فوائد حاصل ہوتے ہیں لیکن روزہ رکھتے اور کھولتے وقت بسیار خوری سے پرہیز کرنا چاہیے۔

6-ڈاکٹر ایڈورڈ نکلسن:

ہفتہ میں روزہ رکھنا صحت کے لیے مفید ہے۔اس سے بدن کئی امراض سے محفوظ رہتا ہے اور خراب ومفاسد مادے زہریلے اثرات پیدا نہیں کرتے۔

7-ڈاکٹر خان لیمرٹ:

سکون واطمینان پیدا کرنے کے لیے روزہ بہترین چیز ہے۔

8-ڈاکٹر سنگر:

شدائد ومصائب وتشنگی برداشت کرنے کے لیے روزہ سے بہتر کوئی شے نہیں۔

9-ڈاکٹر ہنری ایڈورڈ:

روزہ دل میں سکون اور اطمینان پیدا کرتا ہے۔اس سے قوت برداشت بڑھتی ہے اور سختیاں سہنے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔

10-ڈاکٹر ایمرسن:

فاقے کی بہترین صورت وہ روزہ ہے جو اہل اسلام کے طریق سے رکھا جائے ڈاکٹر جس طریق سے فاقہ کراتے ہیں وہ غلط ہے۔

پس مندرجہ بالا آراء بھی یہی ظاہر کرتی ہیں کہ روزہ روح کی غذا ہے۔ اس سے خیالات درست رہتے ہیں اور شیطانی وسوسے قریب نہیں آتے یہ صرف گناہوں سے نہیں بلکہ بیماریوں سے بھی بچاتا ہے۔ روزہ سے جہاں لاکھوں برکات حاصل ہوتی ہیں ہماری اخروی زندگی بہتر ہوتی ہے وہاں اس دنیا میں بھی سینکڑوں طبی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ جن کا اعتراف غیر مسلم بھی کرتے ہیں۔

5- حج

اسلام کا پانچواں اور آخری رکن حج ہے گویا یہ ارکان اسلام کا تکملہ ہے۔ حج کے لغوی معنی زیارت کا ارادہ کرنے کے ہیں اس میں انسان کعبہ کی زیارت کا ارادہ کرتا ہے اور مکہ مکرمہ کے آس پاس شعائر اللہ میں ان مخصوص مناسک کو بجالاتا ہے۔ جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ مناسک حج 9 ذالحجہ سے شروع ہو کر 12 تاریخ تک جاری رہتے ہیں اس میں سب سے اہم میدان عرفات میں قیام ہے۔ اسے وقوف کہتے ہیں اس کے بغیر حج مکمل نہیں ہوتا۔ حج ہر بالغ اور صاحبِ استطاعت مسلمان پر زندگی میں ایک بار فرض ہے۔ جو شخص قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتا وہ اپنے مسلمان ہونے کو جھٹلاتا ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے۔

''اور تم پر اللہ کی خوشنودی کے لیے اس کے گھر کی زیارت کرنا (حج) فرض ہے مگر وہ لوگ جو اس کے گھر تک پہنچنے کا خرچہ برداشت کرسکتے ہیں یعنی استطاعت رکھتے ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اور لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے اس شخص کے ذمہ جس نے

اس کی طرف استطاعت پائی اور جس نے انکار کیا تو اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔''

نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے۔

''جس شخص کو کسی بیماری یا واقعی ضرورت یا کسی ظالم حکمران نے نہ روکا اور اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو خواہ وہ یہودی مرے یا نصرانی (ہمارے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں)

ایک اور حدیث ہے۔

''جس نے اللہ کے گھر کا حج کیا اور گناہ و نافرمانی کا مرتکب نہ ہوا تو وہ گناہ سے اس طرح پاک ہو گیا جیسے اس کی ماں نے اُسے جنا تھا۔ مقبول حج کا بدلہ جنت کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔''

حج کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا۔

''جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتے میرا جی چاہتا ہے کہ ان پر جزیہ لگا دوں گا کیونکہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔''

حج کا مقصد دراصل ملت اسلامیہ کو متحد کرنا ان کی مرکزیت کو قائم رکھنا ہے بقول اقبال:

بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تو رانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی

حج انسان کو درس توحید عطا کرتا ہے۔ تبلیغ اسلام کا موقع فراہم کرتا ہے اور ان سب کو متحد کرتا ہے۔ جب انسان اس ارضِ مقدس پر پہنچتا ہے تو اس کی آنکھیں عقیدت اور ادب سے جھک جاتی ہیں دل ایمان سے پرنور ہو جاتا ہے۔

حج کی اہمیت اس لحاظ سے بھی زیادہ ہے کہ اس میں اہل اسلام کی عالمگیر اخوت

اور اتحاد کا روح پرور نظارہ دیکھنے میں آتا ہے۔ جب مختلف رنگ ونسل‘ زبان وقوم‘ وطن و ملت کے لوگ ایک ہی خدائی یونیفارم میں‘ ایک ہی طریق پر ذکر الٰہی میں مصروف نظر آتے ہیں تو یہ منظر یقین دلاتا ہے کہ جس طرح اس کے دین پر ایمان رکھنے والے بھی تمام ظاہری اختلافات کے باوجود ایک ہیں۔ ان کا محور ایک ہے اور ان کی وفاداریاں ایک ہی ذاتِ حق کے لیے ہیں اور جس طرح حج مسلمان عوام کو ایک دوسرے کے قریب لاتا ہے۔ اسی طرح مسلمان ممالک کے حکمرانوں کو موقع مہیا کرتا ہے کہ وہ اس اجتماع سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو اسلامی سیاست کے ایک ہی رشتے میں پُرو سکیں اور اسلام کی بنیاد پر اتحاد کی عمارت کو استوار کرسکیں۔ یہ ایک بین الاقوامی اجتماع ہے جس سے اہل اسلام کو ایک دوسرے کے حالات جاننے کا موقع ملتا ہے۔ حج محبت و اخلاص کی دلیل ہے۔ اس سے بغض ختم ہوجاتا ہے دل میں نفرتیں ختم ہو کر محبت ان کی جگہ لے لیتی ہے۔ دلوں میں اتحاد پیدا ہوتا ہے اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ نبی پاک ﷺ کے روضہ کی زیارت کا موقع میسر آتا ہے۔ یہ سنت ابراہیمی کی پیروی ہے۔ مسلمانوں کا یہ عظیم اجتماع مسلمانوں کی شان کو دوبالا کرتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ آخرت میں فلاح اور نجات کا ذریعہ ہے۔ انسان کو آئندہ زندگی میں گناہوں سے بچاتا ہے۔

پوری زندگی کو اطاعتِ خداوندی کے تحت بسر کرنے کے لیے شریعت نے نماز‘ روزہ‘ زکوٰۃ اور حج چار عبادتیں ایسی مقرر کیں جن کی مدد سے انسانی اعمال کے تمام شعبے منضبط ہو کر خدا کی اطاعت کے تحت آجاتے ہیں۔ نماز سے ان اعمال کی تربیت ہوتی ہے۔ جن کا تعلق بندے اور اللہ کے درمیان ہے۔ اس کے علاوہ یہ بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے۔ زکوٰۃ سے ان اعمال کی مشق ہوتی ہے جن کا تعلق دوسروں کے فائدے اور آرام سے ہوتا ہے۔ روزے سے اللہ کی راہ میں جسمانی اور جانی قربانی دینے اور نفس کو مادی خواہشات سے پاک رکھنے کا سبق ملتا ہے اور حج کے ذریعے دنیائے اسلام کا آپس میں اخوت کا رشتہ استوار کرنے میں مدد ملتی ہے۔

اگر ہم ارکان ایمان کا مشاہدہ کریں تو معلوم ہوگا کہ یہی تمام اجزائے ایمانی دیگر الہامی مذاہب کے بھی ہیں ہر نبی نے اللہ پر ایمان‘ رسولوں پر ایمان‘ آسمانی کتابوں

پر ایمان‘ ملائکہ کو برحق ماننے اور آخرت کے عقیدے کو صحیح طریقے سے سمجھنے کی دعوت دی مگر ان قوموں نے ان سیدھے سادے عقائد میں اپنی مرضی کو شامل کر کے اپنی خواہشات کے مطابق ردّ و بدل کر کے حقیقت پر پردہ ڈال دیا اور اللہ کی ذات کے ساتھ شرک کرنا شروع کردیا اس طرح ارکان اسلام پر نظر دوڑائیں تو اِن تمام رکنوں کی فرضیت اُن قوموں پر بھی ویسے ہی ہوئی جیسی ہم پر اُن کے بار بار انکار اور ہٹ دھرمی نے انہیں گمراہ کردیا پس گمراہی کے راستے پر چلنے والے کے لیے جہنم کی وعید سنا دی گئی چاہے وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اور ایمان کے راستے پر چلنے والے کے لیے جنت کی خوشخبری دے دی گئی اس کے ساتھ ساتھ زمین میں فساد پھیلانے والوں اور دین میں فتنہ پھیلانے والوں کے خلاف جہاد کا حکم آگیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ“
(المائدہ)

اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہوجاؤ۔

جہاد اگرچہ اسلام کے پانچ ارکان میں شامل نہیں مگر تمام ارکان دین کا ستون ہیں اور یہ ان کی چھت ہے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے۔

”دین کا سر اسلام ہے۔ اس کا عمود اور اس کے کوہان کی چوٹی ”جہاد“ ہے۔“

آپ ﷺ کا فرمان ہے۔

”جنت کے دروازے تلواروں کے سائے میں کھلتے ہیں۔“

ایک اور ارشاد ہے۔

”دو آنکھوں کو آگ نہیں جلائے گی ایک وہ جو اللہ کے خوف سے جاگتی ہے دوسری وہ جو اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے بیدار رہے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ جانے والوں پر درجہ میں فضیلت دی ہے۔'' (النساء:95)

نبی پاک ﷺ کے دور میں صحابہ کرامؓ بڑھ چڑھ کر جہاد جیسی عبادت میں حصہ لیا کرتے تھے۔قرآن پاک میں ہے:

''اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کے جان و مال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔'' (الانفال:111)

پھر فرمایا:

''جو لوگ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہوئے مارے جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں مگر تم ان کا شعور نہیں رکھتے۔'' (البقرۃ:154)

اسلام کی طرح دیگر مذاہب میں بھی برائی کے خلاف جہاد کا حکم آیا ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو جہاد کا حکم ملا تھا مگر انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا اور کہا جاؤ موسیٰ تم اور تمہارا خدا لڑو ہم تو جہاد کے لیے نہیں جائیں گے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''پس وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں کبھی مارتے ہیں اور کبھی مارے جاتے ہیں ان کے لیے توریت' انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے' اجر عظیم کا۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

''اپنے مال اور اپنی جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھو۔'' (الانفال)

حدیث نبوی ﷺ ہے:

''جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔''

جہاد کا مقصد مومن کے نزدیک شہادت کا رتبہ پانا ہے۔اقبال نے اسی خیال کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

جہاد کی پہلی صورت یہ ہے کہ دین کے دشمنوں کے خلاف لڑا جائے۔تاکہ انہیں اسلام کو مٹانے کا موقع نہ ملے۔انسانی نفس انسان کو برائیوں پر آمادہ کرتا ہے' ضبط نفس بھی جہاد کی ایک صورت ہے۔شیطانی خیالات کو آنے سے روکنا بھی جہاد ہے۔

جہاد کی فرضیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہوئی اس سے پہلے عذاب کا سلسلہ تھا۔جب کوئی قوم گمراہ ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ ایک عذاب بھیجتا اور وہ قوم غرق ہو جاتی صرف نیک لوگ رہ جاتے پھر دنیا ان سے آباد ہوتی مگر موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یہ سلسلہ بند ہو گیا اور جہاد کا حکم آیا کہ جو لوگ گمراہ ہیں دین سے ہٹ گئے ہیں نیک لوگ ان کے خلاف جہاد کریں۔یہ ہے سیدھا سادھا مفہوم جہاد کا مگر غیر مسلم اس کے خلاف غلط پروپیگنڈا کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنے پر تلے ہیں حالانکہ مسلمان تو صرف نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے والے ہیں جو کسی بے گناہ کو قتل کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔

غیر مسلم اسلام کے تصور جہاد کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کے بقول اسلام ایک جنگی جنون رکھنے والا مذہب ہے' یہ پروپیگنڈا دراصل تعصب اور اسلام کے خلاف نفرت کا نتیجہ ہے' کیونکہ اسلام کے نزدیک جہاد کسی بغض وعناد' نفرت و دشمنی اور ہوس مال و زر نہیں بلکہ ہر اس کوشش کا نام ہے' جو اللہ کے دین کو پھیلانے اور اس کی رضا کے لیے ہو اس میں ذاتیات کو عمل دخل نہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ'' (الانفال:39)

اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔

کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کو تیار رہنے کا حکم دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ (الانفال:60)

''اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو۔''

میدان جنگ میں کثرت سے ذکرِ الٰہی اور صبر کا حکم دیا گیا۔

''اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلے میں ثابت قدم رہو اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کرو۔'' (العمران:200)

پھر فرمایا:

''وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (الحج:78)

''اور اللہ کی رضا کے لیے پوری کوشش سے جہاد کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا مگر اس کی اجازت صرف اسی صورت میں ہے۔

1- جب دشمن اسلامی ملک پر حملہ آور ہو۔ (البقرۃ:190)
2- دشمن اہل اسلام کو ظلم کا نشانہ بنائے۔ (البقرۃ:191)
3- دشمن اللہ کی راہ پر چلنے سے روکے۔ (الحج:39)
4- دشمن فتنہ و فساد برپا کرے، مسلمانوں کی عبادت گاہیں مسمار کی جا رہی ہوں۔ (توبہ:191)
5- دشمن کی منافقت ظاہر ہو جائے یعنی وہ معاہدہ توڑ کر حملے کی تیاری کر رہا ہو۔ (توبہ:12)

جہاد بالسیف وہ جہاد ہے جس کی ضرورت مسلمانوں کو زندگی میں ایک یا دو بار ہی پیش آ سکتی ہے۔ لیکن دائمی جہاد وہ ہے جس کے لیے ہر مسلمان کو ہر وقت تیار رہنا چاہیے اس لیے کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ دین کی حمایت، حق کی اشاعت، غریبوں کی مدد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اقامت عدل اور ردِ ظلم کے لیے ہر وقت اور ہر جگہ تیار رہے۔ یہاں تک کہ اس کی پوری زندگی جہاد کا ایک سیل رواں نظر آئے۔

مندرجہ بالا آیات سے یہ بات ظاہر ہے کہ اگر دین کی حفاظت کی خاطر تلوار نہ اٹھائی جائے اور فتنہ کی جڑ نہ کاٹ دی جائے تو خود دین کی جڑ کٹ جائے گی۔ فتنہ پسند عناصر اللہ کی زمین کو فساد سے بھر دیں گے اور خود اللہ کا نام لینا دوبھر کر دیں گے۔ اگر ہم دین کی حفاظت کرنے میں کوتاہی سے کام لیں گے تو ہم سے باز پرس ہوگی۔ آرام پسندی اور سستی جذبہ جہاد کے سراسر خلاف ہے۔ یہ بندہ مومن کی میراث ہے۔ اس سے پوری دنیا کی رونق اور خوبصورتی وابستہ ہے۔ جہاد ہر اُس کوشش کا نام ہے، جس کا مقصد اللہ کی رضا کا حصول ہو، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا، حق اور باطل کو واضح کرنا پس جہاد قتال نہیں ہے۔ حق و باطل کی کشمش ہے۔ جو ازل سے ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔

اسلام نے جو جنگی اصلاحات نافذ کی ہیں وہ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ اسلام جنگ نہیں چاہتا بلکہ حق کا پرچار اور مظلوم کی مدد، دین کی حفاظت، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کا نفاذ اس کا مقصد ہے۔ اسلام کہتا ہے۔

جب جہاد کے لیے روانہ ہو تو اللہ کا نام لے کر نکلو، امانت میں خیانت نہ کرو، مال غنیمت کو مت چھپاؤ، بدعہدی سے بچو، دشمنوں کے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضا مت کاٹو، ثابت قدم رہو، اللہ کو کثرت سے یاد کرو، آپس میں جھگڑے سے بچو، صبر کرو، فخر و تکبر سے گریز کرو، امیر لشکر کی اطاعت کرو، اللہ پر بھروسا رکھو، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل مت کرو، سرسبز اور پھل دار درختوں کو مت کاٹو، ضرورت کے بغیر جانوروں کو ذبح مت کرو۔ زخمیوں، بیماروں، اندھوں، معذوروں، سیاحوں، راہبوں اور مذہبی سربراہوں سے چھیڑ چھاڑ مت کرو، دوسری اقوام کے مذہبی شعائر اور عبادت گاہوں کو برباد مت کرو، جو لوگ جنگ میں حصہ نہ لیں انہیں قتل مت کرو، کسی کو باندھ کر قتل مت کرو، قیدیوں کو قتل مت کرو، عام

لوٹ مار مت کرو، سفیروں کی حفاظت کرو اور وحشت اور بربریت سے پرہیز کرو۔

یہ سب احکامات اسلام کے خلاف اعتراضات اور بے جا الزامات کا مسکت جواب پیش کرتے ہیں۔ اسلام نے بیرونی دباؤ کے بجائے انسانی ضمیر کو بیدار کیا اور بہت سے جرائم کا خاتمہ کر دیا۔ مثلاً

ممتاز پادری اسحٰق ٹیلر نے لکھا:

"دنیا میں انسداد مے نوشی کی سب سے بڑی انجمن خود اسلام ہے، برخلاف اس کے ہماری یورپی تجارت کے قدم جہاں جہاں پہنچتے جاتے ہیں مے نوشی و بدکاری اور لوگوں کی اخلاقی پستی بڑھتی ہی جاتی ہے۔ یورپ میں شراب نوشی کو روکنے کے لیے مختلف انجمنیں بنی مگر اسلام کے ایک حکم پر شراب کے پیالے ٹوٹ گئے۔"

پس اسلام جنگ کا مذہب نہیں ہے۔ یہ صرف اصلاح چاہتا ہے، فتح مکہ ہی کو لے لیجیے جب آپ ﷺ فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔ آج چاہتے تو اپنے اوپر کیے گئے تمام مظالم کا بدلہ لے سکتے تھے کیونکہ آپ ﷺ فاتح اور دشمن مفتوح تھا مگر آپ ﷺ نے فرمایا:

"لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء"

"آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

اور مکہ بغیر لڑائی کے فتح ہو گیا فتح مکہ کے بعد لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے آپ ﷺ نے لوگوں کو زبردستی اسلام میں داخل نہیں کیا بلکہ اپنے اخلاق حمیدہ کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنائی۔

اسلام میں تلوار اٹھانے کی اجازت صرف اس وقت دی گئی جب اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو ورنہ صلح رحمی ہی بہترین ہتھیار ہے دلوں کو فتح کرنے کا۔ اگر ظلم کا خاتمہ اور جرائم کا سد باب رویوں سے کیا جا سکے تو سزاؤں کی ضرورت نہیں رہتی مگر ظالم کی مدد

کی کسی بھی صورت میں اجازت نہیں ہے۔" فرمان نبوی ﷺ ہے۔

"اگر تم میں سے کوئی برائی کو ہوتا دیکھے تو اسے زبان سے روکنے کی کوشش کرے، اگر وہ باز نہ آئے تو طاقت سے روکے اگر اس کی بھی ہمت نہ رکھتا ہو تو اسے اپنے دل میں بُرا تصور کرے یہ ایمان کی کمزور ترین علامت ہے۔"

نبی پاک ﷺ کے اس فرمان سے بھی یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ پہلے برائی کو نرمی سے ہی روکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر اگر نرمی کام نہ کرے تو پھر سختی استعمال کرنا پڑتی ہے۔ اپنے دین کی حفاظت اور نبی پاک ﷺ کی ناموس کی حفاظت ہماری اولین ذمہ داری ہے۔ ظلم کی بیخ کنی ضروری ہے۔ زبان سے ہو یا تلوار سے اس کا انحصار وقت اور حالات پر ہے مگر قوت کا استعمال جبھی کیا جائے جب ناگزیر ہو اور اتنا جتنی اس کی ضرورت ہو، قرآن پاک نے اسلامی ریاست کی ضرورت اور اس کی تشکیل کا مقصد یہ بتایا ہے کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اس کے نازل کردہ احکام کو عملاً نافذ کیا جائے۔ اس کی عبادت کا نظام قائم ہو اور نیکی کی اشاعت اور برائی کی روک تھام کے لیے حکومت کے وسیلے اور قوت کو استعمال میں لایا جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"خبردار لوگوں کا خوف کسی آدمی کو حق بات کہنے سے باز نہ رکھے جبکہ وہ اسے جانتا ہو۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور دیکھو ان لوگوں کی طرف ذرا بھی نہ جھکنا جو ظالم ہیں اور اللہ کے قوانین سے سرکشی برت رہے ہیں ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آ جاؤ گے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز کیا انہیں پہلا حکم یہی دیا۔

"مصر جا کر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام سناؤ۔ بنی اسرائیل کو فرعون

کے ظلم و جبر سے آزاد کراؤ' فرعون کو راہِ ہدایت دکھاؤ۔"

شیخ مدین کی بکریاں چرانے والا دنیا کی بڑی سلطنت میں فرعون جیسے متکبر بادشاہ کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝

(النزعت: 17 تا 19)

"اور حکم دیا فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو رہا ہے اور اس سے کہو کیا تو چاہتا ہے کہ پاک ہو جائے اور میں تجھے تیرے پروردگار کا راستہ بتاؤں تا کہ تجھ کو خوف پیدا ہو۔"

انبیاء کرام علیہ السلام انسانوں کو صرف روحانیت' آخرت اور عبادت ہی کے بارے میں بتانے کے لیے دنیا میں نہیں آئے بلکہ ان کی دنیا سدھارنے انہیں انسانوں کی غلامی اور ظلم سے آزاد کرانے اور انصاف دلانے کے لیے بھی کام کرتے رہے۔اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی' ظلم و جبر اور قید سے آزاد کرنے اور فرعونیت کا احتساب کرنے کی کوشش کی۔مگر جب فرعون نے ظلم کی انتہا کر دی اور دنیا کی کوئی طاقت اسے برائی سے نہ روک سکی تو قانون قدرت نے اس کا بے لاگ احتساب کیا اور اس کے قصے کو آنے والی قوموں کے لیے عبرت اور نصیحت بنا دیا۔

حدیث نبوی ﷺ ہے۔

"ظالم حکمران کے سامنے حق و عدل کی بات کہنا افضل ترین جہاد ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں مظلوم کی مدد کرنے اور حق بات کہنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

10- اسلام عدل و انصاف کا تقاضا کرتا ہے

اسلام نے عدل و انصاف کا ایسا اعلیٰ معیار قائم کیا ہے کہ اس میں شاہ و گدا'

امیر و غریب یا حسب نسب کی کوئی قید نہیں قانون کی نظر میں سب یکساں ہیں کسی کا بڑا ہونا یا اعلیٰ خاندان سے ہونا اس کو سزا سے نہیں بچا سکتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اے ایمان والو انصاف پر قائم رہو۔ اللہ کے لیے گواہی دو اگرچہ اپنی ذات کے خلاف ہو یا ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف اگر کوئی مالدار ہے یا فقیر اللہ تعالیٰ ان کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے سو تم انصاف کرنے میں دل کی خواہش کی پیروی نہ کرو۔اگر تم دبی زبان سے گواہی دو گے یا منہ موڑو گے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔ (النساء: 135)

گویا اپنی ذات کے خلاف بھی حق بات کہنا' کسی کی امارت کی وجہ سے حق سے نہ ہٹنا کسی غریب پر ترس کھا کر حق کو نہ چھوڑنا' غیر مسلموں اور دشمنوں سے بھی عدل کرنا یہ سب اسلام کے خاصے ہیں یہ قندیل کی وہ کرنیں ہیں جو ہمیں نہ صرف ظلم کے اندھیروں سے روشنی تک لاتی ہیں بلکہ شریعت کے اُس بے لاگ احتساب کی دعوت دیتی ہیں جس کی موجودگی ظلم اور برائی کی جڑ کو کاٹ دیتی ہے۔

اسلامی معاشرے میں عدل کی حیثیت عمارت کے اس ستون کی طرح ہے۔ جس کے بغیر عمارت کا اپنی جگہ پر ایک لمحہ کے لیے بھی قائم رہنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے۔عدل انسانی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔اصل میں یہ وہ محور ہے جس کے گرد زندگی گھومتی ہے۔اس سے زندگی میں مسرت و کامرانی پیدا ہوتی ہے۔اس کے بغیر زندگی میں خوف و ہراس پھیل جاتا ہے۔کیونکہ جہاں عدل نہ ہو وہاں ظلم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ظلم اور ظالم دونوں کو پسند نہیں کرتا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اے ایمان والو انصاف پر قائم رہو!" (النساء)

پھر فرمایا:

"اللہ کے لیے سچی گواہی دینے والے بنو اور کوئی قرابت داری
تمہیں اس بات سے باز نہ رکھے کہ تم حق کو چھپاؤ۔"

انصاف کے لیے سچی گواہی دینا مسلمان کا فرض ہے جو اسلام اس پر عائد کرتا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے اپنی پوری زندگی انسانی معاشرے سے ظلم و ستم کو ختم کرنے اور معاشرے میں انصاف قائم کرنے میں گزار دی۔ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلفائے راشدین نے بھی عدل کے اعلیٰ معیار کو قائم رکھا۔

آج اگر مسلمانانِ عالم عدل و انصاف کا قیام اور معاشرتی بگاڑ کی اصلاح کو چاہتے ہیں تو انہیں اپنے سیاسی' اقتصادی' معاشرتی اور عدالتی مسائل کو حضور ﷺ کے عطا کردہ منشور کی روشنی میں حل کرنا ہوگا۔

عدل و انصاف میں نبی پاک ﷺ کا کوئی ثانی نہیں جیسے نازک حالات سے آپ ﷺ کو دوچار ہونا پڑا اور جن حالات میں آپ ﷺ نے عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اگر آپ ﷺ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ اپنے قلب کی صدہا مضبوطیوں کے باوجود پریشان اور سراسیمہ ہو کر رہ جاتا۔

سرکارِ مدینہ ﷺ کو صدہا قبائل سے واسطہ پڑتا تھا جو باہم دشمن ہوتے تھے۔ ایک کی بجا حمایت پر بھی دوسرے کی ناراضگی کا اندیشہ ہوتا تھا لیکن آپ ﷺ نے ان پیچیدہ حالات و مشکلات میں بھی انصاف کا دامن کبھی اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ ذرا غور کیجئے کتنی نازک صورتِ حال ہے کہ دربارِ رسالت میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ استغاثہ دائر کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ صخرؓ نے میری پھوپھی پر قبضہ جما رکھا ہے۔ حضور ﷺ حضرت صخرؓ کو بلا کر حکم فرماتے ہیں کہ ان کی پھوپھی ان کے حوالے کر دو۔

کچھ دیر کے بعد بنی سلیم بھی آتے ہیں اور وہ بھی حضرت صخرؓ کے خلاف استغاثہ دائر کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ انہوں نے زمانہ کفر میں ہمارے چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب چونکہ ہم اسلام لے آئے ہیں اس لیے ہمارا چشمہ ہمیں واپس ملنا چاہیے آپ ﷺ پھر حضرت صخرؓ کے خلاف حکم صادر فرماتے ہیں کہ چشمہ واپس کر دو۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ حضرت صخرؓ کون تھے؟ یہ وہ بزرگ ہیں جو ایک بڑے قبیلے کے رئیس تھے کہ جنہوں نے یہ سن کر کہ حضور ﷺ طائف کے پندرہ روز کے محاصرہ کو چھوڑ کر واپس تشریف لے گئے ہیں۔ خود جا کر ان کا محاصرہ کیا اور اتنا دبایا کہ اہل طائف بالآخر مصالحت پر مجبور ہو گئے۔ بھلا ایسے حامی اسلام کے خلاف فیصلہ کرنا معمولی بات نہ تھی۔ یہ وہ مواقع ہیں کہ ان میں بڑے بڑے حوصلہ مندوں کے قدم متزلزل ہو جاتے ہیں اور معدلت و حق پرستی کے پہاڑ جنبش میں آ جاتے ہیں مگر یہ آپ ﷺ کا انصاف تھا کہ جنبش میں نہ آ سکا۔

انصاف کرنے والوں کا معاوضہ حب الٰہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ o" (الحجرات:9)

"یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔"

اور تمہیں کسی قوم کی عداوت اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو' انصاف کرنا ہی پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو' گواہی کو اللہ کی امانت قرار دیا گیا ہے۔

اسلامی عدالت کے نزدیک گواہ کا عادل ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ حاکم کا منصف ہونا۔ کیونکہ گواہ عادلانہ فیصلے تک پہنچنے میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور تم گواہی کو مت چھپاؤ جو اس کو چھپائے گا اس کا دل یقیناً گناہ گار ہوگا۔" (البقرۃ:283)

عدل و انصاف کی ترازو ایسی صحیح اور برابر ہونی چاہیے کہ بڑی سے بڑی محبت اور شدید سے شدید عداوت اس کے دونوں پلڑوں میں سے کسی کو جھکا نہ سکے۔ ہمارے سامنے آنحضرت ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہونا چاہیے۔ آپ ﷺ نے کافروں اور دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف کیا اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی کے کفر و شرک یا مخالفانہ رویے کی وجہ سے ناانصافی کی ہو۔ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں یہودی اور نصرانی بھی اپنے مقدمات

کا فیصلہ کرانے کے لیے آپ ﷺ کے ہاں آیا کرتے تھے اور انہیں آپ ﷺ کے عدل پر پورا پورا اعتماد تھا۔ ایک بار ایک یہودی اور ایک انصاری مسلمان کا تنازعہ حضور ﷺ کے ہاں پیش ہوا۔ آپ ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق میں دیا اور یہ نہ دیکھا کہ دوسری طرف ایک مسلمان ہے۔ حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔

کسی بڑے سے بڑے صحابیؓ کو آپ ﷺ کے ہاں سفارش یا کسی فریق کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنے آپ ﷺ کو بھی کبھی قانون سے بالاتر نہیں سمجھا۔ اسلامی قانون کی نگاہ میں سب افراد مساوی ہیں قانون الٰہی کو سب پر بالادستی حاصل ہے۔ خلفائے راشدین نے بھی اپنے دور میں عدل و انصاف کی مثالیں قائم کی ہیں اور آپ ﷺ کے نقش قدم پر چل کر انصاف کا حق ادا کیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے منصب خلافت سنبھالنے کے بعد فرمایا:

''تمہارے طاقت ور اور بااثر لوگ میرے نزدیک اس وقت تک کمزور ہیں جب تک میں ان پر واجب شدہ حق نہ لے لوں اور تمہارے کمزور لوگ میرے نزدیک اس وقت تک طاقتور اور بااثر ہیں جب تک میں ان کا غصب شدہ حق واپس نہ دلا دوں۔''

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں ذمیوں کو غیر مسلموں کو مساوی درجہ دیا۔ کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کرتا تو اس کے قصاص کے بدلے میں اس کی گردن تہ تیغ کر دی جاتی تھی۔

قبیلہ بکر بن سہیل کے ایک مسلمان نے ایک غیر مسلم کو قتل کر ڈالا تو اسے مقتول کے ورثا کے حوالے کر دیا گیا جنہوں نے اسے قتل کر دیا۔

شام کے ایک ذمی نے شکایت کی کہ عساکر اسلامی کے گزرنے سے اس کی فصل تباہ ہو گئی ہے تو اسے بیت المال سے فوراً معاوضہ دیا گیا۔ اسلام کا قانونِ عدل تمام لوگوں کے لیے مساوی ہے۔ اس قانون میں کسی کو رعایت نہیں۔ آپ (حضرت عمرؓ) کے عہد میں بڑے سے بڑا گورنر اور بااثر انسان بھی قانون کی اس زد سے نہیں بچ سکتا تھا۔

حضرت علیؓ ایک مقدمے کے سلسلے میں قاضی کی عدالت میں بطور فریق پیش ہوئے تو اپنی کنیت سے پکارے جانے کو پسند نہ فرمایا۔

ولید بن عقبہ نے کوفہ میں نبیذ پی لی تو نشہ آ گیا قے کی تو پکڑے گئے خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ نے مقدمے کی تحقیقات کے بعد حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ولید پر حد شرعی لگائیں یہ سزا 40 کوڑوں کی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (النساء:58)

''اور لوگوں کے درمیان تصفیہ کیا کرو تو عدل سے تصفیہ کیا کرو۔''

عدل کا سب سے بڑا دشمن ''تحیز'' اور جانبداری ہے اور یہ انسان کے اس رجحان کا نام ہے جو دو برابر کی چیزوں میں سے کسی ایک کی جانب اس لیے ہو جاتا ہے کہ اس کے ذریعے سے وہ اپنے حق سے زیادہ حاصل کرتا اور دوسرے کو اس کے حق سے کم دیتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابی بن کعب میں اختلاف و نزاع پیدا ہو گیا۔ ابی کعب نے قاضی سے رجوع کیا تو قاضی نے حضرت عمر فاروقؓ کو طلب کیا آپ قاضی کی عدالت میں پہنچے تو قاضی (زید بن ثابتؓ) نے آپ کی تعظیم کی۔ آپ نے اسے ٹوکا اور کہا یہ پہلی ناانصافی ہے جس کے تم مرتکب ہوئے ہو' آپ مقدمہ فیصلہ ہونے تک فریق مخالف کے ساتھ بیٹھے رہے۔

پس اگر اسلام دین فطرت ہے تو عدل تقاضائے فطرت ہے کائنات کا پورا نظام عدل اور توازن پر قائم ہے۔ عدل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس کے ناموں میں سے ایک نام عادل بھی ہے۔ جب اللہ خود انصاف کرتا ہے تو اپنے بندوں کو بھی انصاف اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ" (النحل:90)

"بے شک اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے۔"

یہ صرف انتظام سلطنت ہی کے لیے ضروری نہیں بلکہ ہر شعبہ زندگی میں اس کی اشد ضرورت ہے۔ اسلام ہم سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہم زندگی کے ہر معاملے میں عدل کی راہ اختیار کریں' گویا عدل ہماری پوری زندگی پر محیط ہے اور اسلام دین اعتدال ہے۔ دین اور دنیا میں مکمل توازن وتناسب قائم رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ" (الشوریٰ:15)

"(اے نبی کہہ دیجئے) کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔"

ایک مرتبہ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی ایک عورت نے چوری کی۔ مقدمہ آنحضرت ﷺ کے پاس لایا گیا۔ قریش اپنی عزت کے پیش نظر چاہتے تھے کہ اس عورت کو سزا نہ ہو چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ کے پاس اسامہ بن زیدؓ کو سفارش کے لیے بھیجا۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہو گیا اور فرمایا۔

"تم سے پہلی قومیں صرف اس لیے برباد ہوئیں کہ وہ بارسوخ آدمیوں کے معاملے میں نرمی برتتے تھے اور غربا کے معاملے میں سختی کر کے انہیں سزا دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو اسے بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا ہی ملتی چنانچہ آپ ﷺ کے حکم کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ (بخاری)

آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص مسلمانوں کا حاکم بنا اس نے ان کے ساتھ خیانت کی یعنی عدل وانصاف نہ کیا اور ایسی ہی حالت میں مرگیا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کردے گا اور عادل بادشاہ کے لیے جنت کی خوشخبری ہے۔ اور اللہ روز قیامت تک اس کو اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔"

نبی پاک ﷺ نے حضرت علیؓ کو یمن بھیجتے ہوئے فرمایا:

"جب تمہارے پاس دو فریق مقدمے کے سلسلے میں پیش ہوں تو اس وقت تک فیصلہ مت دینا جب تک دونوں فریق کی بات نہ سن لینا۔"

ایک اور جگہ فرمایا۔

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ظاہر کے مطابق فیصلہ کروں اور اللہ دلوں کے بھیدوں کا مالک ہے۔"

کیونکہ بعض اوقات انسان اپنی چرب زبانی سے اپنے آپ کو سچا ثابت کر کے اپنے حق میں فیصلہ کروالیتا ہے مگر اس طرح وہ اپنے لیے جہنم کی آگ خریدتا ہے۔

بے شک امام یا قاضی کا کسی کو معاف کرنے میں غلطی کرنا بہتر ہے۔ اس سے کہ وہ کسی کو سزا دینے میں غلطی کرے۔

اگر ہم کائنات کی تسخیر کرنا چاہتے ہیں تو انصاف کے ذریعے ہی کر سکتے ہیں۔ رعب ودبدبے سے کسی کو اپنے حکم کے آگے جھکنے کے لیے مجبور تو کیا جا سکتا ہے مگر دلوں کو فتح نہیں کیا جا سکتا۔ دل انصاف کی بنا پر ہی فتح کیے جا سکتے ہیں اور ملک بھی۔ ہماری تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے اسی انصاف کی بنا پر ملکوں کو نہ صرف فتح کیا بلکہ وہاں کے لوگوں کو بھی وہ جہاں بھی گئے اپنی انہی روایات سے لوگوں کے دلوں میں گھر کرتے چلے گئے غیر مسلموں نے مسلمانوں کے انہی رویوں سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا کہ جن کی نظر میں شاہ وگدا سب برابر تھے پس امامت کا کام انہی سے لیا جاتا ہے۔ جو اس کے لائق ہوں ہمارا زوال اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ ہم نے انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے۔

بقول اقبالؒ:

سبق پھر پڑھ صداقت کا' عدالت کا' شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی کے ہر معاملے میں انصاف سے کام لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

11- اسلام تحمل اور رواداری کا مذہب ہے

اسلام رواداری کا مذہب ہے۔ برداشت اور صبر کا مذہب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''صبر کرنے والوں کو ان کا بدل بلا حساب دیا جائے گا۔''

صبر کیا ہے؟ اپنے جذبات اور خواہشات کو قابو میں رکھنا۔ کسی کی اشتعال انگیزی کے موقعوں پر غلط کام نہ کرنا اور کسی کی غلط بات کو برداشت کرنا ہی تو صبر ہے ہمارے نبی ﷺ صبر و تحمل کی روشن مثال ہیں۔ ہم اس نبی ﷺ کی امت ہیں جنہوں نے زخم کھا کر بھی پھول برسائے۔ صرف انسانوں ہی سے نہیں جانوروں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے کفار مشرکین کے مقابلے میں رواداری کا مظاہرہ کیا۔ فتح مکہ کے وقت اپنے بدترین دشمنوں کو مغلوب کرنے کے بعد انہیں معاف کر دینا رحم دلی اور رواداری کی وہ مثال ہے۔ جس کی نظیر آج تک دنیا پیش نہیں کر سکی۔ آپ ﷺ کی اس صفت کا اقرار غیر مسلم بھی کرتے ہیں مشہور ہندو دانش اور پنڈت سندر لال اپنی کتاب ''حضرت محمد ﷺ اور اسلام'' میں لین پول کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ ''جن لوگوں نے حضرت محمد ﷺ کو اتنی تکلیفیں پہنچائیں تھیں وہ ان کے قدموں میں تھے ایسے ہی وقت میں آدمی اپنے اصل رنگ میں دکھائی دیتا ہے۔ یہی بات بہت ٹھوس ہوتی ہے اور یہ ایک سچی بات ہے کہ اپنی زندگی بھر کے دشمنوں کے اوپر حضرت محمد ﷺ کی سب سے بڑی فتح کا دن ہی اپنی آتما (نفس) کے اوپر بھی ان کی سب سے بڑی فتح کا دن تھا۔ قریش نے برسوں جو انہیں دکھ پہنچائے تھے اور ظلم کیے تھے۔ حضرت محمد ﷺ نے سب کو کھلے دل سے معاف کر دیا۔ جس وقت انہوں نے اپنے سب سے کٹر دشمنوں کے شہر میں قدم رکھا سب کو معاف فرما دیا۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد صحابہ کرام نے بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے امن کو فروغ دیا۔ نہ ایک مکان لوٹا گیا اور نہ کسی عورت کی بے عزتی ہوئی۔''

بلاشبہ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کی رواداری حسن سلوک کا تاریخ ساز واقعہ ہے۔

ایک مغربی مصنف آرتھر لکھتا ہے۔

''کسی قوم کی تاریخ میں حضور اکرم ﷺ کی ایسی زبردست نظیر تلاش سے بھی دستیاب نہیں ہو سکتی۔''

ایک اور مغرب مصنف کا بیان ہے۔

''فتح مکہ کے موقع پر حضور اکرم ﷺ نے غیر معمولی نرمی سے کام لیا۔ مال غنیمت کی ممانعت کر دی گئی اور قدیم مالکانہ حقوق برقرار رکھے گئے۔''

پس انفرادیت ہو یا اجتماعیت' امن ہو یا جنگ' معاشرتی زندگی ہو یا سیاسی سرگرمی ہر جگہ آپ ﷺ کا عفو و درگزر اور شفقت کا جذبہ بحر بیکراں کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ درگزر کرنا انسانی زندگی کا ایک ایسا پہلو ہے جس کے بغیر ہماری زندگیوں میں استحکام پیدا نہیں ہو سکتا۔ دوسروں کو معاف کر دینا ہماری شخصیت کی وسعت کی دلیل ہے۔ اگر یہ جذبہ ہم میں نہ ہو تو ہر طرف انتشار نظر آئے اور انسانیت کا فقدان ہو جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کے قصور معاف کرتا ہے اور جو تم کرتے ہو وہ سب جانتا ہے۔'' (الشوریٰ: 25)

ایسی ہی رواداری کا درس ہمیں اسلام دیتا ہے پھر ہم جس نبی ﷺ کی امت ہیں وہ عفو و درگزر کی روشن مثال ہیں۔ آپ ﷺ رحمت و شفقت کے ابر گہر بار تھے۔ اگر سیرت طیبہ کے اس روشن پہلو (عفو و درگزر) پر ہم عمل پیرا ہو جائیں تو ہمارا معاشرہ امن و آشتی کا گہوارہ بن جائے۔ یہ وہ جذبہ ہے جو نسل در نسل دشمنی کو ختم کر کے دلوں میں الفت پیدا کر دیتا ہے اور معاشرے میں پرامن اور پرسکون فضا پیدا کر دیتا ہے۔ یہ رب کریم کی صفت ہے۔ وہ ذات غفار بھی اور غفور الرحیم بھی۔ بندوں کی توبہ اور ان کے اظہار ندامت پر انہیں اپنی بخشش اور رحمت سے ڈھانپ لیتی ہے اور ہر لمحہ اس انتظار میں رہتی

ہے کہ کوئی معافی مانگے اور اسے معاف کر دیا جائے۔ رحمان اللہ کی ایک ایسی صفت ہے جو اسے اپنے بندوں میں بہت پسند ہے۔ بقول شاعر!

کرو مہربانی تم اہل زمین پر
خدا مہربان ہوگا عرش بریں پر

پھر جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

اسلام اپنے اندر اتنی وسیع القلبی کا مظاہرہ کرتا ہے کہ کوئی بھی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ اسلام یہ رواداری تمام نوع انسانی کے لیے پیش کرتا ہے۔ اس سلسلے میں کسی دین' مذہب یا قوم میں تخصیص پیدا نہیں کرتا حضور اکرم ﷺ ایک غیر مسلم بڑھیا کے روزانہ کوڑا کرکٹ پھینکنے کے باوجود اس کے بیمار پڑنے پر تیمارداری کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور وہ بڑھیا آپ ﷺ کی محبت اور رحم دلی کو دیکھ کر اسلام لے آئی۔ ایک بار اہل طائف کا ایک وفد مدینہ میں آیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے آپ ﷺ کو طائف میں اسلام کی تبلیغ کرنے پر لہولہان کر دیا تھا مگر آپ ﷺ نے نہایت ہی خندہ پیشانی اور کشادہ دلی کا مظاہرہ کیا ان کا استقبال کیا اور کئی دنوں تک ان کی مہمانداری کی۔

حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں انہیں شام میں ایک محاذ سے دوسرے محاذ پر منتقل ہونا پڑا تو جن شہروں کو خالی کیا' وہاں کے غیر مسلم باشندوں کو ان سے وصول کیا ہوا جزیہ واپس کر دیا کہ اب ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے۔ وہ لوگ رو رو کر دعائیں مانگتے تھے کہ اللہ حضرت عمرؓ کو پھر واپس لائے یہ تھا مسلمان حکمرانوں کا حسن سلوک غیر مسلموں کے ساتھ کہ وہ ان پر اعتماد کرتے تھے غزوہ احد کے بعد مکہ میں قحط پڑا' وہاں کے لوگ سخت پریشان تھے۔ رحمتہ للعالمین حضرت محمد ﷺ کو جب اس قحط اور مکہ والوں کی پریشانی کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے مہاجرینؓ اور انصارؓ سے مکہ والوں کی مدد کرنے کی اپیل کی۔ آپ ﷺ کی اپیل پر چندہ جمع کیا گیا اور جب ایک خاصی رقم جمع ہو گئی تو اہل مکہ کے پاس بھجوا دی گئی۔ یہ چندے کی اپیل اُن لوگوں کے لیے تھی جن کے مظالم سے تنگ آ کر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے پیروکار اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔

اسلام نے کبھی غیر مسلموں کو مسلمان ہونے کے لیے مجبور نہیں کیا یہ احترام انسانیت اور رواداری پر مبنی واضح قرآنی ہدایات ہیں۔ جنہیں اسلام نے اپنے اندر جذب کیا ہوا ہے اور اس خصوصیت کا اعتراف خود غیر مسلموں کے بعض دانشوروں اور محققین نے بے باکی کے ساتھ کیا پھر کیا وجہ ہے کہ اسلام کو بدنام کیا جا رہا ہے اور اس دین کے خلاف منفی پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ شاید معترضین اسلام کے تصور احترام انسانیت اور رواداری کی تعلیمات سے ناآشنا ہیں ورنہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اسلام امن اور انسان دوستی کا علمبردار ہے۔ اسلامی تعلیمات میں رواداری اور غیر مسلموں کے حقوق کے تحفظ کی یقینی ضمانت فراہم کی گئی ہے۔ اسلام سے زیادہ روادار اور انسان دوست مذہب کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ اسلام دین رحمت اور رسول اللہ ﷺ رحمتہ اللعالمین ہیں' اسلام نے ہر موقع پر رواداری اور احترام انسانیت کا درس دیا اور یہی درحقیقت اسلام کی اساس ہے۔

12- اسلام سادگی اور تقویٰ کی طرف بلاتا ہے

اسلام سمجھ میں آنے والا سیدھا سادہ دین ہے اس میں تو نیکی اور گناہ کے درمیان اتنی آسان پہچان بتائی گئی کہ اس کے ذریعے ایک عام انسان بھی اپنا محاسبہ کر سکتا پھر جس کے پاس قرآن' حدیث اور فقہ کے علوم کی دسترس ہو وہ لوگ ملکوں پر نہیں دلوں پر حکمرانی کیا کرتے ہیں مگر نیت کا خالص ہونا شرط ہے۔ نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے۔

''نیکی وہ ہے جس پر تمہارا دل مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جس پر تمہارا دل کھٹکے اور تمہیں اس بات کا ڈر ہو کہ کہیں یہ لوگوں کو نہ معلوم ہو جائے۔''

پس غور کریں کتنی سادہ بات ہے اپنے آپ کو گناہ سے باز رکھنے کی اگر کوئی ایسا کام جس کے دوسروں کو علم ہو جانے کا آپ کو کوئی ڈر نہ ہو' اسے کریں اور جس کام کے دوسروں کو علم ہو جانے کا ڈر ہو وہ مت کریں ظاہر ہے' جس چیز کو آپ لوگوں سے چھپانا چاہتے ہیں اس میں اللہ کی بھی تو ناراضگی ہوگی پھر کیوں ہمیں لوگوں کا تو ڈر ہے مگر اللہ کا نہیں اپنے آپ کو اللہ کی رضا کے لیے وقف کر کے دیکھیں سارے راستے خود بخود آسان ہوتے

چلے جائیں گے یہ اسلام کے سیدھے سادے اصول ہی تو تھے جو لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے لگے اور لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔ مصعب بن عمیرؓ کو جب نبی پاک ﷺ نے مدینہ اس مقصد کے لیے روانہ کیا کہ انہیں جا کر دین کی تعلیم دیں تو وہاں صرف چند مسلمان تھے مگر اسلام کی تبلیغ نے ان چند کو گروہ کی شکل دے دی دین اسلام نے جتنی تیزی سے لوگوں کے دلوں میں گھر کیا کسی اور مذہب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

حضور ﷺ نے معاذ بن جبلؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو یمن میں دین کی تعلیم دینے کے لیے روانہ کیا تو فرمایا:

''دین الٰہی کو آسان کر کے پیش کرنا، سخت بنا کر نفرت نہ دلانا'' ہمیں بھی دوسروں کے سامنے اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے اسے سہولت کے ساتھ پیش کرنا چاہیے۔ اسے سخت اور مشکل بنا کر نہیں۔ اللہ کے رحم وکرم اور اس کی شفقت ومحبت کے بیان سے لوگوں کے دلوں میں امید پیدا کرنی چاہیے۔ یہ اسلام کی دعوت کا پہلا اصول ہے۔ پس کسی بھی قوم کو دین کی دعوت دیتے وقت تمام احکام کا بوجھ ایک ہی دفعہ ان پر نہ ڈالا جائے بلکہ آہستہ آہستہ تمام عقائد اور احکام سادہ طریقے سے ان کے سامنے پیش کیے جائیں۔ اسلام کی تعلیمات سادہ، عام فہم اور قابل عمل ہیں۔ توحید، رسالت اور آخرت جیسے بنیادی عقائد ہی کو لے لیجیے۔ اللہ کو ایک مانو کتنی آسان بات ہے کہ تمام کائنات کا مالک صرف ایک اللہ ہے۔ اگر یہ دو ہوتے تو ساری کائنات کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں پس وہ اسی بات کا حکم دیتے ہیں جو اللہ فرشتوں کے ذریعے ان تک پہنچاتا ہے۔ پس ان کی اطاعت واجب ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:80)

''جس کسی نے رسول کی اطاعت کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

کتنی آسان بات ہے اس میں نہ سمجھ آنے والی کوئی بات نہیں صرف انسان کے دل کی کجی اسے مشکل میں ڈالتی ہے۔ حیلے بہانے تراشنا تو شیطان کا کام ہے۔ رحمان کا کام تو صرف بھلائی ہے جس میں ہماری فلاح ہے۔ اسی طرح آخرت کا تصور کہ ہمیں ایک دن اپنے ہر عمل کا جواب اللہ کے روبرو دینا ہے۔ سادہ سی بات ہے اگر یہ عقیدہ نہ ہوتا تو ہمیں سرکشی میں کتنی ڈھیل مل جاتی دنیا کی مثال لے لیجیے نتائج کی فکر ہی ہمیں عمل کے لیے آمادہ کرتی ہے۔ آخرت کا دن بھی ہماری ساری زندگی کے اعمال کے نتیجے کا دن ہے۔ اعمال میں نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوا تو دل پسند زندگی ''جنت'' اگر اللہ نہ کرے اعمال میں برائیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا تو جہنم کی وعید قرآن پاک میں کئی جگہوں پر انتہائی آسانی سے یہ بات بتائی گئی ہے۔ اب فیصلہ ہمارے ہاتھوں میں ہے کہ ہم کس راستے کا انتخاب کرتے ہیں پھر ہمارے رب نے ہمیں خود ہی اچھے راستے کی ہدایت کے لیے وہ دعا بھی بتا دی جس کی دن میں پانچ مرتبہ نماز کی ہر رکعت میں ہم بار بار دل سے التجا کرتے ہیں کہ کب بارگاہ الٰہی میں اسے قبولیت کا شرف مل جائے اور ہماری دنیا وآخرت دونوں سنور جائیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے وہ بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ آخرت کے دن کا مالک ہے۔ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا دے یا ہمیں سیدھے راستے پر چلا ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا انعام نازل ہوا اور ان لوگوں کا راستہ نہیں جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ گمراہوں کا۔'' آمین (الفاتحہ 1 تا 7)

پھر نماز کے بعد دعا مانگنے کے لیے کہا:

''رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ''

اے رب ہمارے! ہمیں دنیا کی بھلائی اور آخرت کی بھلائی عطا
کر اور ہم کو دوزخ کی آگ سے بچا۔ آمین۔

یہ سب سیدھی سادی آسانی سے سمجھ میں آنے والی باتیں ہیں اس طرح اس کی رسوم وعبادات اس قدر آسان اور سادہ ہیں کہ انہیں ہر شخص انجام دے سکتا ہے۔ اللہ اور بندے کے درمیان کسی واسطے کی ضرورت نہیں اس کی کتاب (قرآن) سے ہر شخص خود استفادہ کر سکتا ہے۔ پس ہمارے پاس دو ہی چیزیں ہیں ''اللہ کی کتاب'' اور اس کے رسول ﷺ کی سنت اور یہی ہماری نجات کا ذریعہ ہیں آخرت کے روز۔ اللہ ہمیں انہیں تھامے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اسلام ہمیں انتہائی آسان پیرائے میں بتاتا ہے کہ تخلیق کائنات انسانی زندگی اور موت وحیات کی اس تمام کشمکش کا واحد مقصد انسان کے اعمال اور اخلاق کا امتحان ہے۔ یہ ثانوی نہیں بلکہ بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اگر یہ نہ رہیں تو ساری زندگی بے کار ہو جاتی ہے۔ اسلام ہمیں ہر شعبہ زندگی میں سادگی کی تلقین کرتا ہے۔ سادگی اسلام کی روح ہے۔ فضول خرچی، عیش وعشرت اور نمود ونمائش کی اسلام میں ممانعت ہے۔ دین اسلام غذا اور لباس میں بھی سادگی کا درس دیتا ہے۔

سرور کائنات ﷺ نے خود کبھی پُر تکلف اور عیش وعشرت کی زندگی کی خواہش نہیں کی بلکہ مال ودولت کو امت کے زوال کا سبب بتایا ہے کیونکہ تعیش اور بلند معیارِ زندگی کی طلب بہت سی معاشرتی برائیوں کا سبب ہو سکتی ہے اور سادگی اس کا سدِ باب۔ اللہ ہمیں اسے اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اسلام سادگی کے ساتھ تقویٰ کی طرف بھی بلاتا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ بنیادی طور پر سادگی ہی تقویٰ کے راستے پر چلانے میں مدد دیتی ہے تو غلط نہ ہوگا۔ اسلام نے انسانی فضیلت کا معیار تقویٰ کو قرار دیا ہے اور کہا گیا کہ تقویٰ کو اپنی پوری ہمت واستطاعت سے اختیار کرو پھر یہاں تک فرما دیا گیا کہ زندگی کے آخری سانس تک تقویٰ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے اور تقویٰ کو اس طرح اختیار کرو جیسے اسے اختیار کرنے کا حق ہے۔

تقویٰ سے مراد ڈرنا، بچنا یا پرہیزگاری ہے۔ شریعت میں اس کا مفہوم کچھ یوں

ہے۔ انسان کے دل میں اس بات کا احساس اور خوف کا پیدا ہو جانا کہ اللہ میری ہر بات کو دیکھ رہا ہے اور اس کے مطابق حساب کتاب کے بعد مجھے سزا یا انعام ملے گا۔ اس خوف اور احساس کے تحت وہ نیکی و پرہیزگاری کی روش اختیار کرے اور اپنے آپ کو آخرت کے برے انجام سے بچائے۔ گویا یہ ایک دلی کیفیت ہے۔ ایک رویہ ہے اور ایک طرزِ حیات ہے۔ جب انسان میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو وہ کسی کام میں بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہیں کرتا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔''

حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت کعبؓ سے پوچھا ''تقویٰ کسے کہتے ہیں؟''
حضرت کعبؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا ''کیا آپ نے کبھی خاردار جھاڑیوں والے راستے سے سفر کیا ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا ''ہاں'' آپ نے پوچھا ''آپ جھاڑیوں میں سے کیسے گزرتے ہیں۔'' حضرت عمرؓ نے جواب دیا ''میں اپنے کپڑے سمیٹ کر اور جسم بچا کر گزرتا ہوں تاکہ مجھے کوئی کانٹا نہ لگ جائے'' حضرت کعبؓ نے کہا ''اِسی کا نام تقویٰ ہے۔'' تقویٰ کی حقیقت کو مولانا سید مودودیؒ نے یوں بیان کیا ہے۔

''تقویٰ نفس کی اس کیفیت کا نام ہے جو خدا ترسی اور احساسِ ذمہ داری سے پیدا ہوتی ہے۔ تقویٰ یہ ہے کہ انسان کے دل میں خدا کا خوف ہو، بندہ ہونے کا شعور ہو، خدا کے سامنے اپنی جوابدہی کا احساس ہو اور اس بات کا زندہ ادراک ہو کہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ جہاں خدا نے کچھ عمر دے کر بھیجا ہے۔ آخرت میں میری نجات کا فیصلہ اس چیز پر منحصر ہے کہ میں اس امتحان گاہ میں اپنی قوتوں اور قابلیتوں کو کس طرح استعمال کرتا ہوں اور انسانوں کے ساتھ کیسا معاملہ کرتا ہوں جن سے میری زندگی متعلق ہے۔ یہ احساس وشعور جس شخص میں پیدا ہو جائے اس کا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے۔ اس کی دینی حس تیز ہو جاتی ہے۔ اس کو ہر وہ چیز کھٹکنے لگتی ہے جو خدا کی رضا کے خلاف ہو۔ اس کا احساسِ فرض اسے مجبور کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام حکموں کو پوری فرمانبرداری کے ساتھ بجا

لائے۔اس کی خدا ترسی اس موقع پر اس کے قدموں میں لغزش پیدا کر دیتی ہے۔ جہاں حدود اللہ سے تجاوز کا اندیشہ ہو۔اس خیال سے بھی اس کا ضمیر کانپ اٹھتا ہے کہ کہیں اس سے کوئی بات حق کے خلاف سرزد نہ ہو جائے۔''

اتنی زیادہ احتیاط! تبھی تو یہ عمل فضیلت کی معیار بن گیا کہ اللہ کی نظر میں سب لوگ برابر ہیں مگر زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ پس تقویٰ صالحین کی مایۂ ناز فضیلت ہے۔

فرمان نبوی ﷺ ہے۔

''جن چیزوں کا حلال یا حرام ہونا شریعت سے معلوم نہیں صاحب تقویٰ ایسی مشکوک اشیا سے بھی کنارہ کش رہتا ہے۔'' (متفق علیہ)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف:26)

''اور تقویٰ کا لباس ہی سب سے اچھا ہے۔''

پھر فرمایا سفر کے لیے:

''زاد راہ لے کر چلو اور بے شک بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔''

(البقرہ:197)

عدل وانصاف ہو صبر و توکل یا عفو و درگزر ان سب کی بنیاد تقویٰ پر ہی ہے۔

عدل وانصاف کے بارے میں ہے:

''عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔'' (المائدہ:8)

اس طرح صبر کے بارے میں ہے:

''اور صبر اور تقویٰ اختیار کرو تو یہ بڑی ہمت کی بات ہے۔''

(العمران:186)

عفو و درگزر کے بارے میں حکم ہے۔

''وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (البقرہ:237)

''اگر معاف کر دو تو یہ بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے انسان کے تمام اعمال وعبادات کا مقصد اسی تقویٰ کو قرار دیا ہے۔جس طرح نماز برائی اور بے حیائی سے روک کر تقویٰ کی راہ پر گامزن کرتی ہے اس طرح روزے کی فرضیت بھی اس لیے ہوئی کہ انسان متقی بن جائے پھر قربانی کے معاملے کو لے لیجیے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اللہ کو قربانیوں کے خون اور گوشت ہرگز نہیں پہنچتے بلکہ اسے تو تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے۔'' (الحج:37)

یعنی وہ جذبہ اور خلوص جس کے تحت تم قربانی دیتے ہو یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ تقویٰ کی راہ اختیار کرنے میں بھی نیت کا عمل دخل ہے کیونکہ ہمارے ہر عمل کا دارومدار نیت پر ہے۔گویا تقویٰ کے ساتھ اخلاص کا ہونا اشد ضروری ہے اس طرح کی راہ اختیار کرنے والے کو اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔ارشاد ہے:

''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ''

یعنی اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں سے محبت رکھتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ متقی لوگوں سے دنیا میں ہی جنت کا وعدہ کر لیتا ہے۔

فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (الاعراف:35)

''جو لوگ پرہیز گار اور نیک بنے ان کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم''

تقویٰ گناہوں کو دھو ڈالتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

"وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُکَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ (الطلاق:5)

"اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے۔ اللہ اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔"

گناہ ڈھل جائیں تو اعمال کی قبولیت کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

"اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (المائدہ:27)

"اللہ تعالیٰ تو صرف تقویٰ والوں سے ہی قبول کرتا ہے۔"

قرآن پاک ہدایت کا منبع ہے مگر دیکھیں کن لوگوں کے لیے صرف متقی لوگوں کے لیے سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ البقرہ کے آغاز ہی میں گویا قرآن کے آغاز ہی میں یہ بات بتا دی گئی۔

"الم یہ وہ کتاب ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں یہ ہدایت ہے مگر تقویٰ رکھنے والوں کے لیے۔" (البقرہ:1,2)

دنیا اور آخرت کی کامیابی متقی لوگوں ہی کے لیے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"انجام کار کامیابی پرہیزگاروں کے لیے ہی ہے۔" (الاعراف 128)

جب انسان تقویٰ اختیار کر لیتا ہے تو اللہ اسے اچھے اور برے میں تمیز کرنے کی صلاحیت دے دیتا ہے۔

"اگر تم پرہیزگار بن جاؤ تو اللہ تمہیں اچھے اور برے میں تمیز کرنے کی صلاحیت دے گا۔" (الانفال:29)

دشمن چاہے جتنا بھی طاقت ور ہو اللہ کی ذات اس سے کہیں زیادہ طاقت ور ہے۔ جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں اللہ انہیں دشمنوں کے مکر وفریب سے بچا لیتا ہے فرمان الٰہی ہے۔

"اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کا مکر وفریب تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"

نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

"راس الحکمۃ مخافۃ اللہ"

دانائی کی بنیاد خوف خدا پر ہے۔"

تقویٰ کی راہ اختیار کرنے والوں کے لیے برکتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔"

(الاعراف:96)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا اور اسے ایسے ایسے طریقے سے رزق دے گا۔ جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو۔" (اطلاق:3)

پس مومن کا اوڑھنا بچھونا تقویٰ ہے۔ جو اس کے اعمال اور عبادت میں خشوع وخضوع اور خلوص پیدا کر دیتا ہے۔ دنیاوی معاملات میں اُس میں فرض شناسی کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔ اس کی غرض صرف اور صرف اللہ کی رضا کو حاصل کرنا اور اس کی ناراضگی سے بچنا ہے۔ ان خصوصیات کا حامل انسان کیا کسی انسان کو ذرا سی بھی تکلیف پہنچا سکتا ہے؟ نہیں جی ہاں دین اسلام اسی طرح کے رویوں کو پیدا کرتا ہے۔ دین اسلام جس سادگی اور تقویٰ کی طرف بلاتا ہے وہاں پہنچ کر ایک انسان خلافت ارض کے تمام تقاضوں پر پورا اتر آتا ہے اور آخرت میں وہ درجہ پالیتا ہے جہاں اس کے لیے نہ کوئی غم ہوتا ہے اور نہ کوئی ڈر کیا اس طرح کی کوئی مثال کسی دیگر مذہب نے پیش کی ہے۔ دین اسلام میں تو ایک مسلمان کو اپنی زبان سے بھی دوسرے مسلمان کو محفوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا ہی مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

13- اسلام اخوت کا درس دیتا ہے

اسلام ذات پات اور اونچ نیچ کے فرق کو ختم کرتا ہے اور مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی بننے کا حکم دیتا ہے۔

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" (الحجرات:10)

"بے شک تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

نبی پاک ﷺ نے فرمایا

"کُوْنُوْ عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا"

اللہ کے بندو تم سب آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ

پھر فرمایا:

"مسلمان باہمی مروت' شفقت اور ہمدردی میں ایک جسم کی مانند ہیں اگر ایک عضو بیمار ہو تو کل جسم بے خواب اور بخار آلود ہو جاتا ہے۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے دوست اور ہمدرد ہیں۔"

(التوبۃ: 71)

اہل اسلام اخوت کے جس رشتے میں بندھے ہیں اس کی اساس کلمہ طیبہ ہے۔ جو شخص اسے پڑھ کر مسلمانوں میں شمولیت اختیار کر لیتا ہے اس کے جان' مال اور آبرو کی حفاظت دوسرے مسلمان کی ذمہ داری بن جاتی ہے اور جب انسان اس ذمہ داری کو پورا نہیں کرتا تو وہ اسلام سے لاتعلق ہو جاتا ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس سے نہ تو خیانت کرتا ہے اور نہ جھوٹ بولتا ہے' نہ آڑے وقت میں اس سے کنارہ کشی کرتا ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے مصیبتوں کے حوالے کرتا ہے۔ ہر مسلمان کی

عزت و مال اور خون حرام ہے (دوسرے مسلمان کے لیے' سوائے اُس مال کے جو وہ دوسرے کو اپنی مرضی سے دے۔"

آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

"اے لوگو! میری بات غور سے سنو اور جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ کسی شخص پر اپنے بھائی کا مال جائز نہیں جب تک کہ وہ اپنی مرضی سے نہ دے۔ ایک دوسرے سے حسن سلوک کرو تم میں سے کوئی مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ مومن ایک عمارت کی طرح ہیں۔ جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔ پس اخوت کا تقاضا ہے کہ جس قدر ممکن ہو مسلمان آپس میں متحد رہیں اور ایسی کوئی راہ اختیار نہ کریں جس سے آپس میں نفاق پیدا ہو بلکہ اگر کہیں مسلمانوں میں باہم کوئی جھگڑا ہو جائے تو ان میں صلح کرا دیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ (الحجرات:10)

"بے شک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں پس ان کے درمیان صلح کرا دو۔"

اس طرح آپس میں محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ دلوں کی کدورت ختم ہو جاتی ہے۔ کینہ اور حسد کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں اور وہ آپس میں رحیم و شفیق نظر آنے لگتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" (الفتح:29)

وہ آپس میں بڑے رحم دل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بار بار اس بات کی تاکید کی ہے کہ وہ آپس میں جھگڑا مت کریں ورنہ ان کی ہمت ختم ہو جائے گی اور آپس کا اتحاد انہیں دنیا میں بلند مقام دے گا۔ فرمایا:

''اور آپس میں مت جھگڑو ورنہ تم ہمت ہار جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا۔'' (الانفال:46)

ایک اور جگہ یوں فرمایا۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

(العمران:103)

''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور آپس میں تفرقے میں مت پڑو۔''

زمانہ جاہلیت میں لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ان کے درمیان ہونے والی لڑائیاں عرصہ دراز تک جاری رہتی تھیں اسلام نے ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت پیدا کر دی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور تم اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر کی کہ تم دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں کو محبت سے جوڑ دیا۔ تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے۔''

اخوت اور بھائی چارہ قائم کرنا امت مسلمہ کی اولین ذمہ داری ہے۔ یہ ایک مقدس رشتہ ہے۔ ہجرت مدینہ کے بعد نبی پاک ﷺ نے جو مواخات کرائی تاریخ عالم آج تک اس قسم کی اخوت اور بھائی چارے کی مثال پیش نہیں کر سکی انصار نے جس طرح اپنے مال، اپنی جائیداد اور اپنے کاروبار میں مہاجرین کو شریک کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ محبت کا وہ جذبہ تھا جس نے پہلے کی تمام دشمنیاں بھلا کر معاشرے میں امن وسکون کی فضا قائم کر دی اور لوگ ایک دوسرے کی بے لوث مدد کرنے کو ہمہ وقت تیار رہنے لگے کسی بھی مشکل وقت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے سے اخوت کا رشتہ زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ نبی

پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

''مجھے رمضان بھر کے روزے رکھنے اور اس مبارک مہینے میں مسجد حرام میں بیٹھ کر اعتکاف کرنے سے یہ زیادہ عزیز ہے کہ مسلمان کی بوقت ضرورت مدد کروں۔

نیز فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ضعیف لوگوں کی مدد کے عوض رزق دیتا ہے اور مدد کرتا ہے۔''

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی تکلیف کو دور کرے گا۔ قیامت کے روز اللہ اس کی تکلیف کو دور کرے گا جو کوئی کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی کرے گا۔'' (متفق علیہ)

اگر ہم ان تمام آیات واحادیث کے آئینے میں اپنے کردار کا جائزہ لیں اور اپنی زندگیوں کو ان اصولوں کے تحت گزاریں جو اسلام نے ہمیں دیئے ہیں تو معاشرے میں انتشار باقی نہ رہے گا ہر طرف محبت کی فضا قائم ہو جائے گی اور ہمارے تمام مسائل کا حل اسی اتحاد میں ہے مگر ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم میں یہ ناپید ہے۔ ایک مسلمان کا دل اور زبان دوسرے مسلمان کا خیر خواہ ہونا چاہیے اور ضرورت پڑنے پر ہمیں ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ وہ جانی ہو یا مالی۔ اگر ہم جنت کے طلب گار ہیں کیونکہ اللہ نے ہم سے ہمارے جان اور مال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔

نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

''میں نے ایک شخص کو محض اتنی سی بات پر جنت میں دیکھا کہ اس نے مسلمانوں کے راستے سے ایک تکلیف دہ درخت کو کاٹ دیا تھا۔''

اس طرح ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کی عزت و تکریم کرنا ضروری ہے۔ دوسروں کو حقیر نہ سمجھا جائے اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند کی جائے جو اپنے لیے کی جاتی ہے۔ غیبت اور تجسس کی اسلام میں سختی سے ممانعت ہے کیونکہ یہ وہ بڑے اخلاقی مرض ہیں جو معاشرے سے سکون کی فضا کو ختم کر دیتے ہیں آپس کے تعلقات کو خراب کر دیتے ہیں کسی کی غیبت کرنا مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔ چغل خوری کی سزا جہنم ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

اسلام میں بدگمانی کی بھی اجازت نہیں اسے گناہ کے مترادف قرار دیا گیا۔ مندرجہ بالا برائیاں دیکھنے میں معمولی محسوس ہوتی ہیں مگر معاشرے میں ایسا بگاڑ پیدا کرتی ہیں کہ سب کچھ بکھر کر رہ جاتا ہے۔ اسلام میں ان سب کی سزا اتنی سخت اس لیے ہے کہ ان کی بیخ کنی کی جا سکے اگر ہم اپنے گرد و نواح میں نظر دوڑائیں تو اندازہ ہو جائے گا کہ بڑے بڑے گھرانے ان معمولی باتوں کی وجہ سے تباہ ہو جاتے ہیں دلوں سے محبت ختم ہو جاتی ہے اور نفرت محبت کی جگہ لے لیتی ہے اور اسلام کسی ایسی بات کی اجازت نہیں دیتا جو محبت کے جذبات کو نفرت میں بدل دے اللہ تعالیٰ نے حقوق العباد کو بڑی اہمیت دی ہے۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ جب دوسرے سے ملے تو خندہ پیشانی سے ملے اسے سلام کرے اگر وہ اسے دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کرے اگر وہ بیمار ہو تو اس کی مزاج پرسی کرے اگر وہ مر جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرے اس کے لیے دعائے مغفرت کرے نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

1- ''جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے دعا کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ تیرے لیے بھی ایسا ہی ہو۔''

2- جب کوئی آدمی کسی مریض کی عیادت کرتا ہے یا اپنے کسی بھائی کے پاس اللہ کی رضا کے لیے جاتا ہے تو ایک آواز دینے والا اسے آواز دیتا ہے تو

بھی محبوب ہے اور تیرا چلنا بھی محبوب ہے تو نے جنت میں اپنا گھر بنا لیا۔''

مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہو۔ دوسروں کو تحائف دے کیونکہ اس سے آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ اگر کوئی تحفہ دے تو اسے خوشی کے ساتھ قبول کرے کیونکہ انکار کی صورت میں آپس میں رنجش پیدا ہوتی ہے۔

نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے۔

''ایک دوسرے کو تحفے دو محبت بڑھے گی۔''

پھر فرمایا:

''جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز ہو اور اس کی روزی میں برکت ہو اسے چاہیے کہ وہ رشتہ داروں کو تحائف دے۔''

اخوت کے رشتے میں مسلمان کی عزت افزائی بھی ضروری ہے۔ دوسروں کو حقیر سمجھنا غلط ہے۔ آپ ﷺ نے مسلمان کی تحقیر سے منع فرمایا کہا:

''آدمی کے لیے یہی برائی کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔''

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے۔''

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔

مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ گالی گلوچ کرنا' دوسروں کو حقیر سمجھنا ان کے باہمی اتحاد کی نفی کرتا ہے اور ان کے درمیان اختلافات کی خلیج کو نہایت وسیع بنا کر دکھاتا ہے اس کا نتیجہ مسلمانوں میں نفاق' بے اعتمادی اور باہمی ناقدری کے سوا اور کچھ نہیں۔ نبی پاک ﷺ نے اسلامی اخوت کے ذریعے معاشرے میں پھیلی ہوئی

برائیوں کا خاتمہ کیا اور اخلاق کی بنیاد پر ایک عظیم معاشرہ قائم کیا۔ آپ ﷺ کی سیرت ظاہری و باطنی وسعتوں کے لحاظ سے ایک عالمگیر اور بین الاقوامی سیرت ہے۔ یہ ایک ذات اقدس کی زندگی کا دستور نہیں بلکہ نسل انسانی کے لیے ایک مکمل دستورِ حیات ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی نے صلح و امن کا پیغام دیا اور بلا جواز جنگ و جدل اور لڑائی جھگڑے سے منع فرمایا۔ یہ آپ ﷺ کا فیض اور اخلاق عالیہ کا اثر تھا کہ ایک ایسا معاشرہ معرض وجود میں آیا جس نے انسانیت کو اخوت اور محبت کا درس دیا۔ آپ ﷺ کی اتباع اور پیروی میں ہماری نجات ہے ہمیں چاہیے کہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کریں۔ اتفاق پیدا کریں، صلح اور امن کی فضا پیدا کریں تا کہ ہمارا معاشرہ امن کا گہوارہ بن جائے اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ مسلمانوں کے تمام طبقات کے زندگی گزارنے کا پروگرام ایک ہے۔ آج دنیا میں اسلام کے ماننے والے منتشر ہیں تو اس لیے کہ وہ اس ایک ازلی نظام حیات کو چھوڑ کر متفرق پروگراموں کو اپنائے ہوئے ہیں۔ ہم دور حاضر کے مسلمان ”افسوس اور معذرت کے ساتھ نام نہاد مسلمانوں کا روپ دھار گئے اور اسی لیے دنیا میں ذلت و رسوائی سے دوچار ہیں۔ کفار و مشرکین غالب ہیں تو مسلمان مغلوب، استثنا اس میں اگر ہے تو ان مسلمانوں کی کہ جو نظام خلافت کو پھر لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ (اللہ ان کی مدد کرے) آمین کیونکہ بقول اقبالؒ:

ایک جھنڈے کے تلے جس روز ملت آئے گی
ساری دنیا اُس کے آگے خود بخود جھک جائے گی

(انشاءاللہ)

آئیں آپس کے جھگڑوں کو مٹا کر باہم متحد ہو جائیں اور دشمن کے لیے ایک سیسہ پلائی دیوار بن جائیں۔ اسلام کا جھنڈا لے کر چلیں فتح ہمارا مقدر ہوگی۔ انشاءاللہ

14- اسلام علم و حکمت کا مذہب ہے

اسلام ہمیں علم و حکمت کی دعوت دیتا ہے۔ کائنات میں غور و فکر کے لیے کہا گیا

ہے اور پھر کہا گیا ہے کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔ حکمت کو مومن کا گمشدہ مال کہا گیا نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے۔

”حکمت مومن کا گمشدہ مال ہے جہاں کہیں سے وہ اسے ملے لے لے کہ وہ اس کی میراث ہے۔“

نبی پاک ﷺ کو دنیا کی تعلیم و تربیت کے لیے معلم بنا کر بھیجا گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ:151)

اور وہ (نبی ﷺ) تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

پھر آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا سکھائی۔

”وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا“ (طٰہٰ:114)

”اور کہہ دیجئے اے رب میرے علم میں اضافہ فرما“

اس دعا سے ہم علم کی اہمیت کا اندازہ کر سکتے ہیں علم کے حصول کے لیے ماں کی گود سے لے کر قبر کی گود تک کہا گیا کیونکہ اسی کی بدولت ہم شعور حاصل کرتے ہیں اور یہ شعور ہمیں نیکی اور گناہ کے درمیان فرق بتاتا ہے۔ اس لیے تو کہا گیا کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے۔ علم ایک ایسا معاشرتی عمل ہے جس کے ذریعے ہم اپنی معاشرتی رسوم تہذیبی روایات، تمدنی اقدار، علوم وفنون، اعتقادات و افکار سے آگاہی حاصل کرتے ہیں اور یہ شرف صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے انسان کو علم کی قدر و قیمت سے آگاہ کیا اور علم کے دروازے عورت اور مرد، چھوٹے اور بڑے اور ہر امیر و غریب کے لیے برابر کھول دیئے۔

اور فرمایا:

يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

(البقرہ:257)

"اللہ انہیں جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر علم وحکمت کی نور کی طرف لاتا ہے۔"

پھر جسے حکمت دی جاتی ہے اسے ہر بھلائی مل جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"جسے علم وحکمت دیا گیا اسے ہی ہر بھلائی دی گئی۔" (البقرہ:269)

اسلام میں علم کا نتیجہ تھا کہ جب نبی پاک ﷺ پر نبوت نازل ہوئی تو اس وقت مکہ میں صرف سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے مگر 23 سال بعد جب آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے تو کوئی گھرانہ ایسا نہ تھا جہاں علم کا چراغ روشن نہ ہو اللہ نے آپ کو دنیا کے لیے "سراج منیر" روشن چراغ بنا کر بھیجا جس کی روشنی سے آبی نہ خاکی کوئی محروم نہ رہا۔ تفکر، تدبر، مشاہدہ اور تجربہ سے مسلمانوں نے تمام علوم میں حیرت انگیز ترقی کی اور پوری دنیا کو علوم وفنون سے آشنا کیا۔ آج کی تمام یورپین ترقی اسلام ہی کی مرہون منت ہے۔ مگر جب مسلمانوں نے علم سے کنارہ کشی کرنا شروع کردی وہ آہستہ آہستہ ترقی کی منازل سے دور ہوتے چلے گئے انسان کے لیے علم کا حصول اتنا ضروری ہے کہ آپ ﷺ پر پہلی وحی اسی کے بارے میں نازل ہوئی ارشادہ باری تعالیٰ ہے:

"پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا پڑھ تیرا رب بڑا کرم والا ہے۔ اس نے قلم کے ذریعے انسان کو علم سکھایا اور وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔" (العلق:5-1)

اسی علم کی بنا پر فرشتوں نے انسان کو سجدہ کیا اللہ کے حکم سے اور جس نے انکار کیا وہ اللہ کے دربار سے نکال دیا گیا جو انسان علم کی تلاش میں نکلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ فرشتے اس کے قدموں تلے اپنے پر بچھاتے ہیں زمین و آسمان کی تمام چیزیں اس کی مغفرت کے لیے دعا کرتی ہیں اور اگر کوئی اس راہ میں وفات پا جائے تو وہ شہید کہلائے گا اس کی مزید اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ غزوہ بدر کے موقع پر جو قیدی گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے سرور کائنات حضرت محمد ﷺ نے ان کی رہائی کے لیے مناسب جنگی تاوان کی ادائیگی ضروری قرار دی مگر جو

پڑھے لکھے قیدی تھے ان کو تاوان کی بجائے دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کے لیے کہا گیا اپنی رہائی کے لیے۔

پس آپ ﷺ نے فرمایا:

"اشاعتِ دین کرو خواہ ایک آیت ہی سہی" اور کہا "حصول علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔"

اسلام چونکہ ایک ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس لیے یہ تعلیم کے ذریعے اپنی تہذیب وثقافت کی اشاعت کا اہتمام کرتا ہے۔ یہ افراد کی مادی اور روحانی زندگی دونوں پر محیط ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ انسان علم حاصل کر کے اپنے اور دوسروں کے لیے مفید ثابت ہو اور جس علم سے صرف خواہشات نفسانی وابستہ ہوں اس سے دوسروں کو فائدہ کم پہنچتا ہو اس کی اسلام کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں آپ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے۔

"اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ"

"اے اللہ! میں اس علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع بخش نہیں۔"

اسلام سطحی علم کا قائل نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بار بار تدبر، تفکر اور تحقیق و تفتیش کی دعوت دی ہے۔ آج دنیائے اسلام کی سائنس اور ٹیکنالوجی میں پسماندگی کی ایک وجہ یہی ہے کہ وہ تحقیق کے میدان میں پیچھے رہ گئے ہیں قرآن پاک میں بہت سی چیزیں بتا بتا کر یہی بات کہی گئی ہے کہ یہ نشانیاں ہیں مگر عقل والوں کے لیے غور کرنے والوں کے لیے اسلام تو کہیں بھی سائنس سے متصادم نہیں ہے وہ تو خود انسان کو اس کی دعوت دیتا ہے فرمان الٰہی ہے:

"آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسے انسان کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے۔"

پس ہمیں چاہیے کہ ان پر غور کریں تحقیق وتفتیش کریں اور نئی نئی ایجادات سے انسانوں کی بھلائی کا سامان مہیا کریں اور علم کے ساتھ ساتھ اپنے عمل کو بھی درست رکھیں

کیونکہ عمل کے بغیر علم بے کار ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے

"عمل کے بغیر علم وبال ہے اور علم کے بغیر عمل گمراہی ہے۔"

اللہ تعالیٰ اگر انسان کو علم عطا کرے لیکن انسان اس کو استعمال میں لا کر غور و فکر نہ کرے تو ایسا علم ایسے ہی ہے جو فائدہ نہ دے احادیث نبوی ﷺ ہیں۔

1- "کوئی عبادت تفکر کی مثل نہیں ہے۔"

2- ایک گھڑی کا تفکر تمام رات کی عبادت سے بہتر ہے۔"

3- ایک لمحے کی سوچ و بچار اور غور و فکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

اس لیے مدبر عالم کو عابد پر فضیلت حاصل ہے۔

ایک مرتبہ نبی پاک ﷺ ایک مجلس میں گئے وہاں دو جماعتیں بیٹھیں تھیں ایک زاہدوں و عابدوں کی دوسری عالموں کی آپ نے عالموں کی جماعت میں بیٹھنا پسند فرمایا۔

علم کی بدولت انسان معرفت الٰہی تک پہنچتا ہے اس لیے علم حاصل کرنے کی بار بار تاکید کی گئی ہے اور عالموں کے درجات بلند کیے گئے کیونکہ جب انسان کسی چیز کے بارے میں علم حاصل کر لیتا ہے تو اس کا صحیح استعمال سیکھ لیتا ہے غلط اور صحیح کی پہچان کر سکتا ہے یہ انسان کو انسانیت سے روشناس کراتا ہے۔ الغرض علم انسان کو فرش سے عرش تک پہنچا دیتا ہے تاریخ شاہد ہے جو قومیں علم سے روگردانی کرتی ہیں دوسری قوموں کی دستِ نگر بن جاتی ہیں۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

"میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ۔"

بہترین قول ہے۔

"علم کی شمع جہاں بھی جلتی ہوئی نظر آئے اس سے روشنی لے لو یہ نہ دیکھو کہ مشعل بردار کون ہے۔"

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں ہر بات کا اور ہر مسئلے کا واضح حل موجود ہے اور امر اور نہی کے بارے میں واضح احکامات دئیے گئے ہیں۔ قرآن میں ہر مسئلے کا

حل موجود ہے مگر ضرورت اسے سمجھنے کی ہے۔ اس علم کی ہے جس کی بنا پر ہم اس دین میں سمجھ بوجھ حاصل کر سکتے ہیں اور یہ سمجھ بوجھ دنیا کے ساتھ ساتھ ہماری آخرت بھی سنوار دے گی اللہ تعالیٰ ہمیں علم کی دولت سے مالا مال کر دے آمین۔ کیونکہ:

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

15- اسلام فیاضی اور سخاوت کا مذہب ہے

اسلام کے اخلاقی نظام میں سخاوت کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس کا مفہوم ہے کہ انسان اللہ کی رضا کی خاطر ضرورت مندوں کی مدد کرے۔ اس میں اس کا مقصد نہ دکھاوا ہو اور نہ اسے بدلے کی امید ہو پس جن کے پاس رزق کی فراوانی ہے۔ ان کا فرض ہے کہ وہ مفلس اور محتاج لوگوں کی مدد کریں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَفِيٓ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُومِ"

(الذاریات:19)

"اور ان کے مال میں ضرورت مند سائل اور محروم کا حق ہے۔"

ایک اور جگہ یوں فرمایا:

"ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ کی راہ مین خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک دانہ کہ اس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو سو دانے ہوں' اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اور بھی بڑھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا ہے اور جاننے والا ہے جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کر کے احسان نہیں جتاتے اور نہ ہی دل آزاری کرتے ہیں ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے۔ انہیں نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

(البقرہ:262-261)

نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے:

جس بستی میں کسی شخص نے اس حالت میں صبح کی کہ وہ رات بھر بھوکا رہا۔اس بستی سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا ذمہ ختم ہو جاتا ہے۔

اسلام دولت جمع کرنے کے مقابلے میں اچھے کاموں پر دولت خرچ کرنے کو پسند کرتا ہے۔انفاق فی سبیل اللہ کی بڑی اہمیت ہے۔زکوٰۃ کی ادائیگی تو ہم پر فرض ہے۔اس کے علاوہ ضرورت سے زیادہ مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ

(البقرۃ:219)

"وہ تم سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں کہہ دیجئے کہ جو کچھ ضرورت سے زائد ہو۔"

پھر فرمایا:

"کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے تو وہ اسے اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے۔"

(الحدید:11)

مزید تاکید اس طرح کی:

"اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جو اس کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور ان سے کہتے ہیں) کہ ہم اللہ کی خاطر تمہیں کھلا رہے ہیں تم سے کسی بدلے یا شکریے کے طلب گار نہیں۔"

(الدھر:8-9)

احادیث مبارکہ میں بھی سخاوت کی بہت اہمیت بیان ہوئی ہے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"ابن آدم کہتا ہے میرا مال! میرا مال! میرا مال! حالانکہ اس کے

مال کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ جو کچھ کھا لیا، ختم ہو گیا جو پہن لیا پرانا کر دیا، البتہ جو صدقہ کیا وہ بچا لیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ اَنْ تُشْبِعَ كَبِدًا جَائِعًا

"سب سے بہترین صدقہ بھوکے کو کھانا کھلانا ہے۔"

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے فرمایا۔

"اے ابوذر مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور تیسرے دن تک اس میں سے ایک اشرفی بھی میرے پاس رہ جائے۔ میں چاہوں گا کہ اس کو اللہ کے بندوں میں دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے بانٹ دوں۔"

تاریخ اسلام ہمارے اسلاف کی سخاوت وفیاضی کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔صحابہ کرامؓ کی زندگیاں بھی اس کی روشن مثال ہیں مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلام کی راہ میں بے دریغ اپنا مال خرچ کیا غزوہ تبوک کے موقع پر آپ نے اپنے گھر کا سارا مال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے جب حضرت محمد ﷺ نے پوچھا اے ابوبکرؓ اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو فرمانے لگے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نام اس موقع پر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا میں ابوبکرؓ سے کبھی سبقت نہیں لے جا سکتا کیونکہ اس موقع پر وہ اپنے گھر کا آدھا مال لے آئے تھے اور آدھا گھر والوں کے لیے چھوڑ آئے وہ یہ سوچ رہے تھے کہ آج میں ابوبکرؓ سے بازی لے جاؤں گا یہاں آ کر معلوم ہوا کہ ابوبکرؓ تو گھر والوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نام کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑ کر آئے۔سبحان اللہ اتنی فیاضی اسی موقع پر حضرت عثمانؓ کی سخاوت نقد رقم کے علاوہ نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی۔حضرت عثمان غنیؓ جود وسخا میں اپنی مثال آپ تھے۔مدینہ منورہ میں ایک کنواں یہودی کی ملکیت تھا۔وہ مسلمانوں کو اس کے پانی کو

استعمال نہیں کرنے دیتا تھا یا ان سے بھاری رقم لے کر انہیں پانی بیچتا تھا آپ کو علم ہوا تو آپ نے اس سے وہ کنواں منہ مانگی قیمت دے کر خرید لیا اور مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ حضرت علیؓ فقر و فاقہ کی زندگی گزارنے کے باوجود جو کچھ ان کے پاس آتا اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے آپ اپنی محنت مزدوری کی کمائی کا بڑا حصہ غریبوں محتاجوں' بیواؤں اور یتیموں کی مدد میں خرچ کرتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ عرب کی سب سے مالدار خاتون تھیں مگر انہوں نے اپنی ساری دولت اسلام کی راہ میں اسلام کی تبلیغ کے لیے خرچ کی بہت سے مالدار صحابہ کرامؓ نے کافروں سے غلاموں کو خرید خرید کر آزاد کیا۔

بھلائی اور نیکی کمانے کے لیے ضروری ہے کہ اپنا پسندیدہ مال اللہ کی رضا کی خاطر اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے ان صدقات و خیرات کے سب سے زیادہ حق دار اپنے غریب رشتہ دار ہیں قرآن پاک میں انہیں پہلے درجے پر رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد دوسرے درجہ پر یتیم بچے ہیں جو آپ کے مال کے حق دار ہیں۔ نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے:

''جس دستر خوان پر ایک یتیم بچہ کھانا کھاتا ہے شیطان اس سے دور بھاگ جاتا ہے۔'' پھر اس کھانے کا اللہ بندے سے حساب کتاب نہیں لیتا۔ اس کے بعد اس مدد کے مسکین لوگ حق دار ہیں۔''

آپ کی اس مدد کے وہ مسافر بھی حق دار ہیں جنہیں دوران سفر مالی امداد کی ضرورت پیش آ جائے۔ چاہے وہ اپنے ملک یا شہر میں امیر ہی کیوں نہ ہو اس کے علاوہ ضرورت مند سائل بھی اس مدد کا حق دار ہے۔ جسے محتاجی نے سوال کرنے پر مجبور کر دیا ہو ایسے ہر سائل کی مدد کرنا ثواب کا کام ہے اور انہیں سختی سے منع کرنے کی ممانعت ہے۔ اگر آپ کے پاس کچھ نہیں تو بہتر طریقے سے اسے ٹال دیں جیسے اللہ کی ذات غنی اور حلیم ہے۔ اسی طرح انسان کو مستغنی اور متحمل مزاج ہونا چاہیے مدد کرتے وقت ہمیشہ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ایسے لوگوں کی مدد کی جائے جو محتاج ہونے کے باوجود کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے۔ ان کے چہرے احتیاج اور تنگی کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ

غلامی یا قرض کے بوجھ سے اپنے آپ کو آزاد کرانے والے لوگ بھی مالدار لوگوں کی امداد کے مستحق ہیں اسلام جب دنیا میں آیا تو غلامی کا دور دورہ تھا اسلام نے ایسی تدابیر اختیار کیں کہ غلامی آہستہ آہستہ ختم ہوتی گئی۔ اسلام نے غلاموں کی رہائی پر خرچ کرنے کی تاکید فرمائی اس کے علاوہ مختلف گناہوں کا کفارہ غلام آزاد کرنا قرار دیا۔

پس ہمیں چاہیے کہ انسانی برادری کے ہر شخص کی ضرورت کو اپنی ضرورت کی طرح محسوس کریں اور اپنے مال میں سے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کریں۔ اس سے بھی بڑھ کر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ایک جذبہ ایثار ہے۔ یہ سخاوت سے بڑھ کر ہے کیونکہ سخاوت میں انسان اپنی ضرورت سے زائد چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے جبکہ ایثار اس جذبے کا نام ہے کہ انسان اپنی ضرورت کی چیز دوسرے کو دے دے گویا دوسرے کی ضرورت پر اپنی ضرورت کو قربان کرنا یہ عمل قربانی ہے اور اللہ کے ہاں بہت پسندیدہ ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوا وہ بھوکا تھا۔ نبی پاک ﷺ نے صحابہؓ سے کہا کہ کوئی صاحب اس شخص کو گھر لے جا کر کھانا کھلائے۔ ایک صحابی حضرت ابو طلحہؓ اس کو اپنے ساتھ لے گئے گھر میں صرف اتنا کھانا تھا جس سے بمشکل بچوں کا پیٹ بھر سکتا تھا۔ حضرت ابو طلحہؓ نے بیوی سے کہا بچوں کو کھانا کھلائے بغیر سُلا دو اور جب مہمان کے سامنے کھانا رکھو تو چراغ ٹھیک کرنے کے بہانے اسے بجھا دینا اس طرح ہم یہ ظاہر کریں گے کہ گویا ہم مہمان کے ساتھ کھانے میں شریک ہیں۔ یوں وہ مہمان اطمینان سے کھانا کھا لے گا۔ غرض اس طرح سب گھر والوں نے خود بھوکا رہ کر میزبانی کا حق ادا کیا اور اللہ نے اس جذبے کو بہت پسند کیا۔

تاریخ اسلام کا دامن ایسی بے شمار مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔ مدینہ کے انصار نے مہاجر بھائیوں کے لیے ایثار و قربانی کا جو کارنامہ انجام دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس طرح حضرت عقیل انصاریؓ کی مثال قابل رشک ہے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر ان کے پاس جہاد میں دینے کے لیے ایک پیسہ بھی نہ تھا انہوں نے ایک یہودی کے کھیت میں مزدوری کی جس کی اجرت میں کچھ کھجوریں ملیں انہوں نے اپنی مزدوری کی یہ اجرت حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔ حضور ﷺ نے ان کے اخلاص و ایثار کی تحسین

فرماتے ہوئے وہ کھجوریں سارے ڈھیر کے اوپر رکھیں۔

قرآن مجید میں فیاضی' سخاوت اور ایثار و قربانی کا جذبہ رکھنے والوں کے متعلق کہا گیا ہے یہ لوگ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود تنگی میں ہوں۔ اگر ہم سب اللہ کے ان احکامات پر عمل کریں تو دنیا میں کوئی شخص بھی بنیادی ضرورتوں سے محروم نہیں رہے گا۔ الغرض اسلام نے اپنے معاشی نظام کی بنیاد ان اصولوں پر رکھی ہے جن کی موجودگی میں کسی شخص کے ساتھ معاشی ناانصافی نہیں ہو سکتی۔ اللہ ہمیں ان اصولوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

16- اسلام ایفائے عہد کا حکم دیتا ہے

"وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا"

(بنی اسرائیل: 34)

"وعدہ پورا کیا کرو بے شک (قیامت کے دن) وعدے کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"

وعدہ پورا کرنے کی اسلام بڑی تاکید کرتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ کے مومن بندوں کی علامت بھی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ" (الحج: 47)

"اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔"

جس طرح اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اس طرح اپنے بندوں کو بھی وعدہ پورا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا" (النحل: 91)

"اور اللہ کا نام لے کر جب آپس میں ایک دوسرے سے قول و قرار کرو تو اسے پورا کرو اور قسموں کو پکا کر کے توڑا نہ کرو۔"

اس طرح کامل ایمان رکھنے والوں کی صفت بھی ایفائے عہد ہی قرار دی گئی۔

"وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ"

(المومنون: 8)

"اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کی نگہبانی کرتے ہیں۔"

وعدہ خلافی کرنے والے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا کوئی دین نہیں ہوتا فرمان نبوی ﷺ ہے۔

"لَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ"

جو وعدہ پورا نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں ہے۔"

اسلام نے وعدے کی پابندی پر بہت زور دیا ہے اور اس انسان کو دائرہ اسلام ہی سے خارج کر دیا جو وعدہ پورا نہیں کرتا ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ "منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب اسے امانت دی جائے تو اس میں خیانت کرے اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔"

پس مومن کے لیے لازم ہے کہ وعدہ کی پابندی کرے اسے مومن کی پہچان بتایا گیا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔

"مومن کی پہچان ہے کہ جب بات کرتا ہے تو سچ بولتا ہے وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے اور جب اسے امانت دی جاتی ہے تو اس میں دیانت داری سے کام لیتا ہے۔"

آج ہم کتنی آسانی سے وعدہ خلافی کر لیتے ہیں اسلام کی نظر میں یہ کتنی بڑی قباحت ہے آج ہم اگر اس قباحت سے منہ موڑ لیں یعنی وعدہ خلافی کرنا چھوڑ دیں تو معاشرے میں کتنی محبت اور ہمدردی پھیل جائے۔ تعاون کی فضا پیدا ہو جائے مگر ہمیں یاد ہی نہیں رہتا دن بھر میں کتنے لوگوں سے وعدے کرتے ہیں اور بھول جاتے ہیں اگر تاریخ اسلام کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوگا کہ ہمارے رسول ﷺ نے کس طرح عہد نبھائے ہیں مثلاً

صلح حدیبیہ ہی کو لے لیں۔ معاہدے پر ابھی دستخط نہیں ہوئے تھے کہ سہیل کا بیٹا ابو جندل جو ایمان لا چکے تھے بھاگ کر حضور ﷺ کے پاس آئے اور پناہ چاہی حضور ﷺ چاہتے تو انہیں پناہ دے سکتے تھے مگر چونکہ معاہدہ میں یہ شرط شامل تھی کہ مکہ کا کوئی شخص اگر مدینہ میں بھاگ کر آئے گا تو اسے پناہ نہیں دی جائے گی بلکہ اہل مکہ کو واپس کر دیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے ابو جندل کو سہیل کے حوالے کر دیا۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ابھی تو معاہدہ پر دستخط نہیں ہوئے ہیں مگر آپ ﷺ نے فرمایا کفار سے زبانی ہماری بات چیت طے ہو چکی ہے۔ اس لیے اس کی پابندی ضروری ہے۔''

بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ ابو جندلؓ کی واپسی بظاہر تو نقصان دہ معلوم ہو رہی تھی مگر اسلام کے حق میں نقصان دہ نہیں فائدہ مند ثابت ہوئی۔ پس وعدے کی پابندی کرنا مومن کی پہچان اور خلاف ورزی کرنا منافق کی نشانی ہے۔ اللہ ہمیں اپنے وعدوں کی پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

17- اسلام بھلائی کا دین ہے اور احسان کا حکم دیتا ہے

احسان کیا ہے؟ اس کے معنی نیکی کرنا' بھلائی کرنا' اچھا کام کرنا' حسن سلوک سے پیش آنا ہے۔ اصطلاح میں احسان ایک ایسا لفظ ہے جس میں نیکی' خیر خواہی فلاح و بہبود اور مروت و محبت کے تمام کام شامل ہیں بس جس کام میں دوسروں کی بھلائی اور خیر خواہی کے جذبات پائے جائیں وہ احسان ہے۔ اسلام سراسر خیر خواہی کا دین ہے۔ اس کی تمام تعلیمات کا مقصد اس طرح کے انسان پیدا کرنا ہے۔ جو ہر وقت اللہ کے بندوں کی خیر خواہی میں لگے رہیں اور دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے والے ہوں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی اوروں کے ساتھ احسان کر۔'' (القصص:77)

''هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ''

(الرحمان:60)

''نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کچھ نہیں۔''

اسلام جہاں یہ تقاضا کرتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ نیکی کی جائے وہاں یہ بھی کہتا ہے کہ نیکی عمدہ طریقے سے کی جائے یعنی احسان کرو اس طرح کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے گویا احسن طریقے سے اس کا مفہوم عدل سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ انصاف کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کا پورا پورا بدلہ مگر اس میں حق سے زیادہ کرنا احسان ہے۔ ہماری زندگی کا کوئی پہلو اس سے خالی نہیں یہ ہماری بہتر معاشرتی زندگی کا سرچشمہ ہے۔ یہ زندگی میں خوشگواری پیدا کرتا ہے۔ دلوں میں محبت اور الفت کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ باہمی نفاق اور بغض کو ختم کر کے معاشرہ میں امن و سکون کی فضا قائم کرتا ہے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر اس کی تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ''

(البقرۃ:95)

''اور احسان کرو بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔''

ایک اور جگہ فرمایا۔

''اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ''

''بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔''

نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے۔

''ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے کنبے کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے۔''

نبی پاک ﷺ کی ذات مبارکہ احسان کا پیکر تھی۔ آپ ﷺ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی احسان کا سلوک فرماتے تھے۔ طائف کی وادی میں تبلیغ کے نتیجے میں جو

سلوک ان لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ کیا اور بدلے میں آپ ﷺ نے بھلائی کا جو سلوک ان کے ساتھ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ فتح مکہ کے وقت دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک پھر غزوہ بدر اور غزوہ حنین میں قیدیوں کے ساتھ کیا جانے والا آپ ﷺ کا سلوک احسان کی درخشاں مثالیں ہیں۔ آپ ﷺ کو احسان کرنا اس قدر پسند تھا کہ آپ ہمیشہ بارگاہِ ایزدی میں دعا کیا کرتے تھے۔

''اللہ مجھے ان میں شریک رکھ جنہیں احسان کرتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو اپنے قرض دار کو مہلت دے یا اس کا قرض معاف کر کے اس پر احسان کرے گا تو قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوگا۔''

احسان اس بات کا بھی تقاضا کرتا ہے کہ تنگدست اور محتاج انسانوں کی مالی امداد کی جائے اور ان کی تنگدستی دور کرنے کی کوشش کی جائے چنانچہ اسلام کی تعلیمات میں بار بار مالی قربانی کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کو حقیقی نیکی تک پہنچنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

''تم اس وقت تک نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہیں کرو گے۔''

اسی طرح کسی تنگدست مقروض کو کشادگی تک مہلت دینا بھی احسان ہے جس کا بار بار حکم دیا گیا نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔

''جس شخص کو یہ پسند ہو کہ خدا قیامت کے روز اسے تکلیف سے نجات دے وہ تنگدست کو مہلت دے اور مقروض کو معاف کر دے۔''

اسلام نہ صرف ضرورت مندوں کو قرض حسنہ دینے کی تلقین کرتا ہے بلکہ یہ بھی تقاضا کرتا ہے کہ رشتہ داروں' مسافروں اور معاشرے کے دیگر ضرورت مند افراد کی فی

سبیل اللہ مالی امداد کی جائے اور غربت کو دور کیا جائے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

''بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان کرنے اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔'' (النحل: 90)

اسلام نے اس سلسلے میں یہ بھی حکم دیا کہ ان صدقات و خیرات کو جتلا کر ضائع مت کریں اور اللہ تعالیٰ نے غصہ کو پی جانے والے اور معاف کر دینے والے کو محسن کہا۔

''اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے محسنوں کو پسند کرتا ہے۔'' (العمران: 134)

اسلام بھلائی کا دین ہے اور نیکی اور بھلائی کا سلوک کرنے میں مسلم اور غیر مسلم کی تمیز نہیں بتاتا۔ قرآن و حدیث سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ ہمارے ہر قسم کے حسن سلوک کے غیر مسلم بھی مستحق ہیں بشرطیکہ وہ اسلام کی جڑیں اکھاڑنے والے نہ ہوں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جو لوگ تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ان کے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

''برائی کو نیکی سے دور کرو۔'' (حم سجدۃ: 34)

الغرض اسلام نے دوسروں کے ساتھ احسان اور بھلائی کو محدود نہیں کیا بلکہ اسے وسعت دی ہے اور انسانی زندگی میں اس کی بہت اہمیت بتائی ہے۔ اس کے ذریعے معاشرے میں باہمی خلوص و محبت اور اخوت و بھائی چارے کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔ احسان فیاضانہ سلوک کا سرچشمہ ہے یہ ایک ایسی صفت ہے جس سے دشمن دوست بن

جاتے ہیں اور دنیا میں امن و آشتی کا دور دورہ ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''احسان کے نتیجے میں تمہارا دشمن تمہارا مخلص دوست بن جائے گا۔'' (حم سجدۃ:34)

اللہ تعالیٰ نے احسان کرنے والوں کے لیے اجر عظیم کا وعدہ کیا فرمایا:

''ان لوگوں کے لیے جنہوں نے احسان کیا اور تقویٰ اختیار کیا اجر عظیم ہے۔'' (آل عمران:176)

پس اسلام بھلائی کا دین ہے اور بھلائی کا حکم اس لیے دیتا ہے کہ آپس میں اس کے ذریعے ایک دوسرے کے لیے محبت پیدا ہو اور نفرت ختم ہو کیونکہ اسلام یہی چاہتا ہے۔

18- اسلام طہارت و نظافت کا دین ہے

اسلام دین فطرت ہے اور طہارت انسان کی فطرت میں داخل ہے اسلام میں طہارت و پاکیزگی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ نبی پاک ﷺ نے واضح اور صریح الفاظ میں فرمایا:

''اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ'' (مسلم)

پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے۔

یہ کہہ کر طہارت کو جزو ایمان قرار دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے پاک صاف رہنے والوں کو پسند فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ'' (البقرۃ:222)

''بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

پس اسلام ظاہری طہارت پر بھی زور دیتا ہے اور باطنی پر بھی جسم و لباس کی صفائی روح پر خوشگوار اثر ڈالتی ہے اسلام میں اخلاقی طہارت اور روحانی طہارت کا بھی اہتمام پایا جاتا ہے۔ طہارت پر جس قدر اسلام نے زور دیا ہے کسی اور مذہب نے اس کی اتنی تاکید نہیں کی۔

اسلام صرف عبادت کے وقت جسم' جگہ اور لباس کے پاس رکھنے پر زور نہیں دیتا بلکہ ہمیں اپنی سوچ اپنے اخلاق اور اپنی روح کو بھی پاکیزہ رکھتا ہے۔ اگر آپ سوچیں کہ جسم' جگہ اور لباس کی صفائی تو سمجھ میں آتی ہے مگر روح کو کیسے صاف رکھیں اپنی سوچ اور اخلاق کی صفائی سے کیا مراد ہے؟ روح کی طہارت سے مراد یہ ہے کہ اس کو کفر و شرک اور معصیت و ضلالت کی نجاستوں سے پاک رکھا جائے اور صالح عقائد اور پاکیزہ اخلاق سے آراستہ کیا جائے اخلاقی طہارت سے مراد ہے کہ غیبت' جھوٹ' حسد' بہتان' چغل خوری' ریاکاری' خود غرضی' ظلم' خیانت اور بدگمانیوں سے بچا جائے اپنی سوچ کے محور کو ہمیشہ سیدھی سمت میں رکھا جائے اپنے افکار میں گندی سوچ کو شامل نہ ہونے دیا جائے اس طرح جسم کی طہارت و نظافت یہ ہے کہ اس کو ظاہری ناپاکیوں سے پاک رکھ کر نظافت اور سلیقے کے آداب سے آراستہ کیا جائے۔ نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے:

''بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلَى النَّظَافَةِ''

''اسلام کی بنیاد نظافت اور پاکیزگی پر ہے۔''

پاکیزگی کے بغیر انسان کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ الصَّلٰوةَ بِغَيْرِ اطُّهُوْرٍ''

اللہ بغیر پاکیزگی کے نماز قبول نہیں کرتا۔

نماز کی ادائیگی کے لیے جگہ کا پاک ہونا' لباس کا پاک و صاف ہونا' جسم کا پاک ہونا شرائط نماز میں داخل ہے اور نماز سے پہلے وضو ضروری اور لازمی ہے اور ناپاکی کی صورت میں غسل کرنا فرض ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی مسلمان طہارت و پاکیزگی کو

نہیں اپناتا تو گویا نہ اس نے اسلام کو سمجھا نہ وہ اس پر عمل پیرا ہوا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اپنے کپڑے پاک صاف رکھیے اور گندگی سے علیحدہ رہیے۔''
(المدثر:5-4)

نماز کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ نمازی کا جسم پاک اور صاف ستھرا ہے نمازی اپنے لباس اور مکان کی صفائی کا بھی خیال رکھتا ہے۔ اس طرح نماز جمعہ اور عیدین کے موقع پر بھی اسلام نے نہانے' اچھا لباس پہننے اور خوشبو لگانے کی خاص طور پر تاکید کی ہے خصوصاً مسواک کی بہت زیادہ تاکید ہے۔ مسواک کر کے پڑھی گئی نماز کا ثواب کئی گنا زیادہ ہے۔

نبی پاک ﷺ کو صفائی اور پاکیزگی انتہائی پسند تھی۔ مسواک کرنا اور خوشبو لگانا آپ ﷺ کے مقدس معمولات میں سے تھا۔ آپ ﷺ صحابہ کرام کو بھی اس کی تاکید فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ خراب کپڑے پہنے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ' نے ان کا گندا لباس دیکھ کر ان سے پوچھا کیا تمہیں اللہ تعالیٰ نے کچھ مال عطا کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا ہاں! اللہ نے بہت کچھ عطا فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے کہ اپنے بندے پر اپنی دی ہوئی نعمت کا اثر دیکھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تم پر فضل کیا ہے تو اچھے کپڑے پہن لیا کرو تا کہ اللہ کی دی ہوئی نعمت کا اظہار ہو جائے۔

پس ہمیں ہر لمحہ ہر جگہ اور اپنے ہر عمل میں طہارت کا خیال رکھنا چاہیے کہ یہ اسلام کا امتیازی نشان ہے۔

19- اسلام بنیادی حقوق کے تحفظ کا ضامن ہے

اسلام نے ہر شخص اور ہر طبقے کے حقوق و فرائض متعین کیے ہیں ان حقوق اور فرائض کے درمیان ایسا توازن ہے کہ اگر ہر شخص اپنے فرائض ادا کرنے لگے تو دوسرے کو اس کے حقوق خود بخود مل جائیں گے اور ایک کامیاب معاشرہ تشکیل پائے گا۔ ہر انسان پر دوسروں کے کچھ حقوق ہیں ایک انسان کا حق دوسرے کا فرض ہوتا ہے اور ایک کا

فرض دوسرے کا حق ہوتا ہے اور معاشرے میں ہر انسان مختلف حیثیتوں سے اپنا فرض نبھا رہا ہے۔ اسلام تمام انسانوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرتا ہے اور یہی دنیا کا وہ پہلا دین ہے جس نے حقوق انسانی میں برابری اور مساوات کو تسلیم کیا ہے۔ آج دنیا میں جن بنیادی حقوق کے نعرے لگائے جا رہے ہیں اور اقوام متحدہ میں تمام اقوام عالم نے انسانیت کی بھلائی کے لیے جن حقوق کو تسلیم کر لیا ہے وہ نبی پاک ﷺ نے چودہ سو سال قبل حجۃ الوداع کے آخری خطبہ میں دے دیئے تھے۔

درحقیقت اقوام متحدہ کا منشور اور معاہدہ جنیوا' اسلام ہی کی بازگشت ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع محض کسی شخصیت کا ایک بہت بڑے مجمع کو دیا جانے والا خطاب نہیں ہے۔ بلکہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ اور آپ ﷺ کی بعثت کے جو مقاصد تھے ان کا ایک مختصر مگر جامع اظہار ہے۔ یہ خطبہ آپ ﷺ کی تعلیمات کا بہترین خلاصہ ہے اور جو کچھ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس سے واضح ہو گیا تھا کہ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد عظیم تکمیل کو پہنچ چکا ہے کیونکہ اس خطبہ میں آپ ﷺ نے واضح طور پر فرما دیا کہ ''اے لوگو! میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اب قیامت تک راہنمائی تمہیں انہی دو سے حاصل کرنی ہے وہ ہیں۔'' ''اللہ کی کتاب'' اور اس کے ''رسول ﷺ کی سنت'' پس خطبہ الوداع کی شکل میں اسلام نے انسانی حقوق کا عظیم چارٹر پیش کیا ہے اور اس کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام اور اہل اسلام بنیادی انسانی حقوق کے شروع دن سے نہ صرف علمبردار بلکہ محافظ رہے ہیں'' دین اسلام محض عبادات کا نام نہیں بلکہ دنیاوی ضرورتوں پر بھی زور دیتا ہے۔ اس لیے ایسا معاشی نظام پیش کرتا ہے جس میں کسی کا استحصال نہ ہو۔'' اس خطاب سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات کا مقصد ایک بھائی چارے پر مبنی معاشرے کا قیام ہے اور ایسے معاشرے کی تشکیل ہے۔ جس میں اخلاق حمیدہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس خطبہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ تعلیمات نبوی ﷺ کا ایک بہترین گلدستہ ہے۔ جس میں ایمانیات' عبادات اور معاملات تینوں پہلوؤں پر زور دیا گیا ہے۔ میں یہاں پر اس خطبہ کے کچھ اہم نکات قلم بند کروں گی تا کہ اس کی اہمیت واضح ہو جائے۔

1- سب سے پہلے اس خطبہ کے ذریعے جاھلیت کے نسلی امتیاز کو ختم کردیا گیا فرمایا:

''اے لوگو سن لو! تمہارا پروردگار ایک ہے تمہارا باپ ایک ہے (آدم علیہ السلام) کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر' کالے کو گورے پر گورے کو کالے پر کوئی برتری نہیں' سوائے تقویٰ اور پرہیزگاری کی بنا پر۔''

یہ وہ سبق ہے جو ہمارے نبی سرور کائنات حضرت محمد ﷺ نے 1400 سو سال قبل اپنی امت کو دیا اور جب تک امت اس اصول پر کاربند رہی دنیا پر حکومت کرتی رہی اور آج جب دوسروں نے اس معیار کو اپنا لیا اور ہم نے چھوڑ دیا تو وہ ہمارے حکمران بن گئے اور آج وہ انسانی حقوق کے علمبردار بن کر ہمارے بازو مروڑ کر انسانی حقوق پر عملدرآمد کرواتے ہیں۔

2- دوسرے نمبر پر اس کے ذریعے جان و مال کا تحفظ فراہم کیا گیا۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''تمہارا مال اور تمہاری جان تمہارے لیے ایسے ہی متبرک اور قابل احترام ہے جس طرح یہ شہر اور یہ مہینہ۔'' ایک دوسرے کو قتل نہ کرو اور دوسرے بھائی کا مال اس کی اجازت کے بغیر حاصل نہ کرو اس طرح زمانہ جاہلیت میں لڑائیاں نسل در نسل چلتی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان جہاندیدہ رسموں کا خاتمہ کیا اور انسانی معاشرے کی بنیاد نئے انداز میں رکھی۔

3- اس کے ذریعے معاشی استحصال کا خاتمہ کیا گیا۔

آپ ﷺ نے زمانہ جاہلیت کی تمام رسموں کا خاتمہ کر دیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں زمانہ جاہلیت کے تمام خون معاف کرتا ہوں اور سب سے پہلے ربیعہ بن حارثؓ کا خون معاف کرتا ہوں آپ ﷺ نے زمانہ جاہلیت کا سود معاف کر کے معاشی

استحصال سے نجات دلائی اور آپ ﷺ نے سب سے پہلے حضرت عباس بن عبدالمطلب کا سود معاف کر دیا۔ سود بہت سی برائیوں کی جڑ ہے اسلام نے اسے حرام قرار دیا۔ اسلام سے قبل سود کا عام رواج تھا یہودی سود پر رقم ادھار دیتے تھے اور غریب انسان کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے تھے آپ ﷺ نے اس گھٹیا رسم کا خاتمہ کر کے انسانوں کو تذلیل اور مصیبت سے بچایا۔

4- آج ہم عورتوں کے جن حقوق کا ذکر کرتے ہیں ہمارا اسلام ھے جس نے چودہ سو سال قبل یہ حقوق اُسے عطا کیے۔

''آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو اپنی بیویوں سے حسن سلوک کرو کیونکہ ان کا تم پر حق ہے اور تمہارا ان پر حق ہے۔''

اور فرمایا:

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنی بیویوں سے بہتر سلوک کرتا ہے۔''

عورتوں کو مارنا سختی سے منع فرمایا بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی زمانہ جاہلیت کی رسم کا خاتمہ کیا غرض قبل از اسلام وہ اپنی سانسیں بھی اپنی مرضی سے لینے کی مجاز نہ تھی۔ اسلام نے عورت کو ماں' بہن' بیٹی اور بیوی ہر روپ میں ہر درجہ میں وہ مقام دیا جو دوسرے کسی مذہب نے نہیں دیا۔ تخلیق آدم سے لے کر اس وقت تک ہر عہد میں اور ہر نظام میں عورت ظلم اور جبر کا شکار رہی۔ اسلام کے علاوہ تمام ادیان عالم میں عورت کو خواہشوں کی کنیز بنایا گیا۔ نبی پاک ﷺ نے معاشرے میں عورت کی پہچان کروائی عورت کو گواہی کا حق دے کر اسے وراثت میں حصہ دے کر اس کو اس کا صحیح مقام و مرتبہ عطا فرمایا اور اس کو وہ سمجھ عطا فرمائی کہ وہ خود اپنے آپ کو پہچان سکے۔

اسلامی معاشرے میں اگر وہ بیوی ہے تو دنیا کا سب سے بڑا خزانہ، بیٹی ہے تو آتش دوزخ سے بچانے کا وسیلہ اور آنکھوں کی ٹھنڈک ماں ہے تو اس کے قدموں تلے جنت ہے۔ آج دنیا میں جہاں کہیں بھی عورت اور اس کے حقوق کا چرچا ہے یہ اسلام ہی کا فیضان ہے۔ آج حقوق نسواں، تعلیم نسواں اور بیداری اُناث کے جو الفاظ ہم سنتے ہیں یہ سب انقلاب انگیز صداء کی بازگشت ہیں جو آنحضرت ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے بلند ہوئی تھیں۔ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

''عورت پسلی کی مانند ہے اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اسے توڑ دو گے اگر اسے اپنے حال پر چھوڑ دو گے تو اس کی کجی کے باوجود اس سے فائدہ اٹھاؤ گے''

عورتوں کے حقوق اور مقام کو پہلی بار آپ ﷺ نے تسلیم کیا ہے اور یہ حق ادا کرنے کی ترغیب و ہدایت کی ہے یہ سب حضور ﷺ کی تعلیمات کا ثمر ہے کہ آج کی عورت سماج میں نہ مظلوم ہے نہ بے بس اور نہ ہی فقر و فاقہ پر مجبور۔ پس اسلام ہی جس کے طفیل عورت کو معاشرے میں عزت ملی اگرچہ عورتوں کو بہت سے حقوق سے نوازہ گیا مگر اس کے ساتھ ساتھ عورت کا یہ فرض ہے کہ وہ ان حقوق کے بدلے اپنے فرائض کو بھی نبھائے اور اپنی گود میں پروان چڑھنے والی نسلوں کو باحیا اور قناعت پسند بنائے۔

5- اعمال کی جواب دہی

اس خطبہ میں اس بات کو بھی اجاگر کیا گیا کہ انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ باپ کی سزا بیٹے کو یا بیٹے کی سزا باپ کو نہیں دی جاسکتی اور اس دنیا میں ہم جو اعمال بھی کرتے ہیں۔ آخر میں ان کی باز پرس ہوگی اگر اچھے اعمال کریں گے تو جزا اور برے اعمال کی سزا ملے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

دیکھو تم جلد اپنے رب کے سامنے حاضر ہو گے تم سے تمہارے اعمال کی بابت پوچھا جائے گا۔ خبردار میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔''

''اے لوگو! غور سے سنو شیطان اس بات سے تو ناامید ہو گیا کہ اب عرب میں اس کی عبادت کی جائے گی لیکن وہ اس پر بھی خوش ہوگا کہ اس کے علاوہ ان دوسرے گناہوں میں اس کی اطاعت کی جائے گی۔ جن کو تم ہلکا سمجھتے ہو۔''

نبی پاک ﷺ نے بار بار ارشاد فرمایا:

''میں تمہیں پڑوسی سے حسن سلوک کی تاکید کرتا ہوں'' غلاموں سے برابر کا سلوک کرو جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ جو خود پہنو وہی انہیں پہناؤ اگر وہ کوئی غلطی کریں تو انہیں معاف کر دو اور اگر ایسی غلطی کریں جسے تم معاف نہ کر سکتے ہو تو انہیں آزاد کر دو کیونکہ وہ اللہ کے نزدیک ایسے ہی ہیں جیسے کہ تم'' پھر فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، زنا نہ کرو چوری نہ کرو، غیبت نہ کرو، حسد نہ کرو، کسی سے متعلق دل میں بدگمانی پیدا مت کرو وغیرہ وغیرہ۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر تم پر کوئی سیاہ فام ناک کٹا غلام بھی امیر مقرر کر دیا جائے جو کتاب اللہ کے مطابق حکم چلائے تو اس کی اطاعت کرو۔''

اسلام دین فطرت ہے اور یہ انسانی فطرت ہے وہ دوسروں سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا اور آپ ﷺ نے رہبانیت کو ناپسند فرمایا اور دنیا و آخرت دونوں کے تقاضوں کو ایک ساتھ پورا کرنے پر زور دیا۔ آپ ﷺ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل چاہتے تھے جو تمام انسانیت کے لیے امن کی جگہ ہو جس میں بھائی چارہ، محبت اور احترام انسانیت کا رواج ہو۔ اسی لیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''دیکھو ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔'' اگر ہم آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنے باہمی تعلقات کو استوار کرتے تو ہمارا معاشرہ اس دنیا میں جنت کی تصویر پیش کرتا اور کسی کو ہم پر انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملتا۔

آپ ﷺ نے معیشت کو بھی اہم مقام اس لیے دیا کہ کوئی بھی انسانی معاشرہ معیشت کے بغیر نہیں چل سکتا اور جب تک انسانی معیشت بہتر نہ ہو تعلیمات کا اثر پذیر ہونا مشکل ہو جاتا ہے اور آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ ''مفلسی انسان کو کفر تک لے جاتی ہے' اسی لیے اسلام نے زکوٰۃ' عشر' صدقہ و خیرات پر مبنی ایک بہترین معاشی نظام دیا لیکن افسوس کہ ہماری نااہلیوں کی وجہ سے آج دوسرے ہم پر انگلیاں اٹھا رہے ہیں۔ پھر ایک امیر کی اطاعت کا حکم اس لیے دیا گیا کہ کسی بھی معاشرے میں نظم و ضبط اور باہم ہم آہنگی کے لیے ضروری ہے کہ کسی ایک شخص کی اطاعت کی جائے اگر ایسا نہ ہو تو معاشرے میں انتشار برپا ہو جائے لوگ شتر بے مہار بن جائیں اور معاشرہ انسانوں کا ایک ہجوم بن کر رہ جائے اس میں عدل و انصاف کی بجائے طاقت کا راج ہو جائے۔''

نبی پاک ﷺ نے اپنی امت کو الوداع کہنے سے پہلے فرمایا:

''اور جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ پیغام غیر حاضر لوگوں تک پہنچا دیں ہو سکتا ہے کہ بعض سننے والوں کے مقابلے میں بعض غیر حاضر ان باتوں کو زیادہ بہتر طریقے سے یاد رکھیں اور ان کی حفاظت کریں۔''

اس خطبہ کے فوراً بعد تکمیل دین کے بارے میں آخری وحی نازل ہوئی جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ نے ہمارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی رحمت پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔''

پس نبی پاک ﷺ کا خطبہ حجتہ الوداع بنیادی انسانی حقوق کے حوالے سے حرف آخر کا درجہ رکھتا ہے۔ کوئی فلاسفر اور مفکر اس کی تشریح تو کر سکتا ہے اس میں اضافہ نہیں کر سکتا مگر صد ہائے افسوس! ہمیں مغرب کے انسانی حقوق کا ماخذ کنگ جان کا ''میگنا کارٹا'' یاد ہے بھلا دیا تو وہ ماخذ جسے (منشور آزادی) قرار دیا گیا۔ جس کا ''میگنا کارٹا'' عکس تو ہو سکتا ہے ماخذ نہیں۔

اس طرح ہمیں وہ جملہ تو یاد ہے جو ایک مشہور فرانسیسی مفکر نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''سوشل کنٹریکٹ'' یعنی معاہدہ عمرانی میں لکھا یہ جملہ پہلی بار 1750ء میں روسو کی زبان اور قلم سے نکلا اور کئی ارباب دانش کے لیے ایک کلام بن گیا کہ:

''انسان آزاد پیدا ہوا تھا مگر وہ ہر جگہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔''

ہم نے اسے یاد رکھا اور بھلا دیا جو ہمارے پیارے خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا واقعہ کچھ یوں ہے۔ ایک مرتبہ گورنر عمرو بن العاصؓ کے بیٹے کا مقابلہ ایک مصری کے ساتھ ہوا اور جب گورنر کے بیٹے کو اپنی شکست کا احساس ہونے لگا تو اس نے بلاوجہ مصری شخص کو مارا۔ مصری نے حضرت عمر فاروقؓ سے اس بات کی شکایت کی تو آپ نے دونوں فریقین کو بلا کر معاملے کی تحقیق کی معلوم ہوا کہ مصری حق پر ہے۔ آپ نے سب کے سامنے گورنر کے بیٹے کو سزا دی اور پھر عمرو بن العاصؓ کی طرف متوجہ ہو کر کہا ''اے عمرؓ تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنانا شروع کر دیا حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا تھا۔''

یہ ہمارے زوال کی وجہ ہے کہ ہم نے روسو کے جملے کو تو اپنی تحریوں میں نقل کیا مگر جس بیان کا یہ سو فیصد ترجمہ ہے اس کو بھلا دیا۔ شاید اس لیے کہا گیا۔

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا

اپنی بنیاد کو بھلا کر کیا کبھی کسی قوم نے ترقی کی ہے۔ نبی پاک ﷺ کا انتظام سلطنت پھر خلفائے راشدین کا انتظام سلطنت جن کے دور میں ہر وہ ادارہ بن چکا تھا جو آج موجود ہے۔ بنیاد وہی ہے صرف شکل بدلی ہے۔ ''مغرب میں انسانی حقوق کے نام پر یہ ''میگنا کارٹا'' 1215ء میں جاری ہوا (جبکہ اسلام میں انسانی حقوق کا منشور ابتدا ہی میں پیش کر دیا گیا) اس مرحلے کو آگے بڑھاتے ہوئے انقلاب فرانس کے بطن سے انسانی حقوق کے شعور نے جنم لیا اس کے ذریعے انسانی حقوق کا شعور نسبتاً زیادہ واضح شکل میں سامنے آیا۔ ''انسانی حقوق'' کے نام پر یہ سفر جاری رہا اور آخر کار 1948ء میں وہ

چارٹر دنیا کو دیا جسے حقوق انسانی کی مستند، مفصل، جامع اور واضح دستاویز کا درجہ حاصل ہے۔ یہ دستاویز اقوام متحدہ کے ذریعے سامنے آئی۔ مغرب نے انسانی حقوق کے حوالے سے جتنا بھی سفر کیا وہ رائیگاں اس لیے جا رہا ہے کہ اس نے انسان کے حقوق تو واضح کر دیئے مگر انہیں دوسروں پر نافذ اور عائد کون کرے۔ حالانکہ یہ بہت اہم اور دور رس دستاویز ہے اور عصر حاضر میں بنیادی انسانی حقوق اجاگر کرنے میں اس کا مثبت کردار ہے۔ مگر جب ہم بات کرتے ہیں اس کے نفاذ کی تو پھر ضرورت ہے کسی ایسے ضابطہ حیات کی جو ان بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت فراہم کرے اور یہ ضمانت مذہب اسلام مہیا کرتا ہے۔ جو اپنے پیروکاروں کی جماعت ان خطوط پر استوار کرتا ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی ہے۔ آنے والی زندگی میں موجودہ زندگی کے ہر عمل کا حساب لیا جائے گا۔ انسان کی زندگی اور موت ایک برتر ہستی یعنی اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اللہ نے انسان کو ایک ہی قالب میں ڈھالا، رنگ، نسل، زبان اور وطن جیسے اعتبارات بے معنی ہیں۔ سب انسان برابر ہیں سب اللہ کے بندے اور اس کے نائب ہیں۔ اسلام نے یہی تصور حیات اپنے ماننے والوں کو عطا کیا چنانچہ جب اس نے بنیادی انسانی حقوق کا چارٹر مرتب کیا تو یہ چارٹر فرد کا فرد کے درمیان یا قوموں کا قوموں کے درمیان معاہدہ نہیں بلکہ یہ حکم الٰہی تھا۔ جسے ماننا ہر انسان کے لیے ضروری ہے۔ اس میں کسی شاہ و گدا کی یا پیغمبر و امتی کی تخصیص نہیں ہے۔ اسلام نے انسانی حقوق کا جو تصور دیا اسے پورا کرنا گویا ایسے ہے جیسے اللہ کے وہ حقوق پورے کرنا جو اس نے اپنے بندوں پر عائد کیے ہیں۔ اسلام نہ صرف نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کو عبادت قرار دیتا ہے بلکہ حقوق العباد کی ادائیگی بھی اسلام کی نظر میں ایک اعلیٰ عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ حقوق العباد، حقوق اللہ سے اس بنا پر اہم تر ہیں کہ اللہ رب العزت اپنے حقوق کے معاملے میں کی گئی غفلت کو تو قیامت کے روز معاف فرما بھی سکتا ہے (اگر وہ چاہے) مگر کسی انسان کے ساتھ کی گئی زیادتی و ناانصافی پر اللہ ضرور مواخذہ فرمائے گا۔ یعنی حقوق العباد صحیح طور پر ادا نہ کرنے پر معافی نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ جس کی حق تلفی ہوئی ہو وہ خود معاف کر دے مگر ایسا تو زندگی میں ہوسکتا ہے مرنے کے بعد نہیں اس لیے ایسی زندگی گزاریں کہ آپ کی ذات دوسروں

کے لیے باعث اذیت نہیں بلکہ باعث رحمت ہو، نفسانفسی کے اس دور میں ایسا کم ہی ہوتا ہے، مگر دنیا میں ایسے لوگ ابھی موجود ہیں جو جذبہ ایثار سے سرشار ہو کر دوسروں کے دکھ درد بانٹنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ان کی سوچ کا محور اجتماعیت اور معاشرتی مفادات ہوتے ہیں۔ ان کے ایک ایک عمل سے نفع بخش اور فیض رسانی کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ ان کی زندگی کا ہر عمل صرف دوسروں کے لیے وقف ہوتا ہے۔ اگر کچھ بھی نہ کرسکیں تو وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے خلوص کے ساتھ خیر خواہی کی دعا ہی کرتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ کسی کے پاس بہت سا پیسہ ہو تبھی وہ دوسروں کے کام آسکتا ہے چھوٹے چھوٹے سے ایسے کئی امور ہیں جنہیں انجام دے کر ہم دوسروں کی مدد کرسکتے ہیں اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرسکتے ہیں مثلاً دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرا دینا، کسی بیمار کی مزاج پرسی کرنا، کسی کو سیدھے راستے کی نشاندہی کر دینا، کسی کو علم و ہنر سکھانا، کبھی سفر کے دوران کسی بزرگ کو اپنی نشست پیش کر دینا، کسی راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا۔ یہ سب وہ کام ہیں جن پر کوئی لاگت نہیں آتی۔ اپنے بھائی کی پردہ پوشی کرنا، اسے مسکرا کر ملنا اس کی غیر موجودگی میں اس کی خیر چاہنا کیا کوئی قیمت لگتی ہے اس عمل میں نہیں تو پھر شروع کریں آج ہی سے یہ سب کچھ نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ اللہ ہمارا مددگار ہوگا، نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے:

> ”اگر کوئی شخص کسی مسلمان بھائی کی حاجت روائی کے لیے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک قدم پر ستر نیکیاں لکھتا ہے اور ستر برائیاں ختم کرتا ہے۔ یہاں تک کہ حاجت پوری ہو جانے کے بعد وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے کہ جیسے اسے آج ماں نے جنا ہو اور اگر وہ اس دوران فوت ہو جائے تو وہ جنت میں بلاحساب داخل ہوگا۔“
>
> (روایت حضرت انسؓ)

اسلام مسلمانوں سے ایسے ہی جذبات کی توقع رکھتا ہے کہ وہ ہر لمحہ دوسروں کی حاجت روائی میں گزارے۔

حدیث مبارکہ ہے کہ:

''عمرو بن مرہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جو ضرورت مندوں' فقرا اور مساکین پر اپنے دروازے بند کر لیتا ہے اللہ اس کی ضروریات' فقر اور مسکینی پر آسمان کے دروازے بند کر لیتا ہے۔'' (ترمذی)

ایک اور جگہ یوں فرمایا:

''جب کوئی بندہ ایک لقمہ اور روٹی کا ایک ٹکڑا صدقہ کرتا ہے تو اللہ بزرگ و برتر کے ہاں پہاڑ کی مانند بڑھ جاتا ہے پھر کہا' آگ سے بچو چاہے کھجور کا کچھ حصہ ہی دے کر۔''

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

''کہ پانی پلانے سے بڑھ کر کوئی صدقہ نہیں ہے۔''

اسلام نے صدقہ وخیرات کا اجر اس لیے زیادہ رکھا کہ اس طرح ناداروں کی کفالت ہو جاتی ہے۔ یہ سب کچھ اغنیاء کے فرائض میں شامل ہے اور مفلس لوگوں کا یہ حق ہے۔ پس جب ہم اپنے فرائض احسن طریقے سے ادا کرتے جائیں گے تو دوسروں کی حق تلفی نہیں ہوگی اور ان کے حقوق پورے ہوں گے جس پر اسلام نے بار بار زور دیا ہے۔ عوام کے ساتھ ساتھ اسلام حکومت کو بھی ان تمام لوگوں کی بنیادی ضروریات کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ جن کا معاشرے میں کوئی ذمہ دار اور کفیل نہ ہو۔ ایک اسلامی ریاست کے حکمران کی یہ اہم ذمہ داری ہے کہ وہ مفلس اور تنگ دست اشخاص کی بنیادی ضروریات کا اپنے حکومتی وسائل سے بندوبست کرے۔ حنفی فقیہہ سید علی زادہ حکمرانوں کے فرائض بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''وہ اپنی مملکت میں کوئی ایسا فقیہہ نہ چھوڑے جس کو عطا نہ کرے اور کوئی ایسا مقروض نہ چھوڑے جس کی طرف سے قرض کو ادا نہ کرے اور کوئی کمزور نہ چھوڑے مگر یہ کہ اس کی مدد کرے اور کوئی مظلوم نہ چھوڑے مگر یہ کہ اس کی مدد کرے اور نہ کسی ظالم کو ظلم کرنے دے اور کوئی ایسا بے لباس نہ ہو جس کو پہنا نہ دے۔''

امام غزالی لکھتے ہیں کہ:

''سلطان پر واجب ہے کہ جب اس کی رعایا تنگی میں مبتلا ہو اور فاقہ و مصیبت سے دوچار ہو تو ان کی مدد کرے۔ بالخصوص قحط اور گرانی کے زمانے میں کیونکہ ایسے حالات میں لوگ کسب معاش میں ناکام رہتے ہیں اور گزر اوقات کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں سلطان کو چاہیے کہ ان کو کھانا فراہم کرے اور خزانے سے انہیں مال دے کر ان کی حالت کو بہتر بنائے۔''

کتاب الاموال میں درج ہے کہ:

''حضرت سلمانؓ سے روایت ہے خلیفہ وہ ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرے اور رعایا پر اس طرح شفقت کرے جس طرح آدمی اپنے اہل و عیال پر شفقت کرتا ہے۔ یہ سن کر' کعبؓ بن احبار نے کہا ''سلمانؓ نے سچ کہا' اگر کوئی اسلامی حکومت اس کا خیال نہیں رکھے گی تو وہ اخروی باز پرس میں ماخوذ ہوگی' غالباً یہی احساس ذمہ داری تھا جس کے پیش نظر امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا کہ اگر ساحل فرات پر کوئی اونٹ بے سہارا مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے اس کے بارے میں باز پرس کرے گا۔''

(طبقات ابن سعد' بنیادی ضروریات زندگی اور اسلام)

پس اسلام میں خلافت ایک امانت ہے بہت بھاری ذمہ داری ہے اگر مسلمان حکمران اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے اسلام کے اصولوں کے مطابق پورا کریں تو معاشرے سے بہت سی برائیوں اور جرائم کو ختم کیا جا سکتا ہے کیونکہ جس معاشرے میں ظلم و زیادتی نہ ہو وہاں انصاف ہوتا ہے اور جہاں سب کی بنیادی ضروریات پوری ہو رہی ہوں وہاں جرائم اور برائیوں کو پنپنے کا موقع کم ملتا ہے۔ تبھی تو اللہ تعالیٰ نے انسان سے اس کی رعیت کے بارے میں جواب طلبی کا حکم دیا ہے کہ اس احساس سے انسان اپنے

فرائض کو نبھانے کی کوشش کرے گا اور فرائض کی ادائیگی دوسروں کی حق تلفی کو کم کرتی جائے گی اور اس کی ملکی معاشرے کو خوشحال بنائے گی۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

”تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔“

اللہ تعالیٰ نے ہر گروہ کے اوپر ایک نگہبان مقرر کیا اور پورے گروہ کی ذمہ داری اس شخص پر ڈال دی اور پھر ہر رعیت کے بارے میں اس کے نگہبان ہی سے سوال کیا جائے گا۔ مثلاً اولاد کی صحیح تربیت اس کے صحیح چال چلن کی ذمہ داری اس کے والدین پر فرض ہے۔ پورے گھر کی ذمہ داری کنبے کے سربراہ پر ہے۔ شاگردوں کی ذمہ داری استاد پر ہے۔ اس طرح پوری عوام کی ذمہ داری حکومت کے سربراہ پر ہے ان میں سے ہر نگہبان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی رعیت کے بارے میں فکر مند ہو اس کے آرام اور آسائش کا خیال رکھے اگر وہ اپنی حکومت میں ایسا نہ کر سکا تو اللہ کے سامنے اسے جواب دہ ہونا پڑے گا شاید اسی خوف سے جب حضرت عمر ثانیؒ کو خلافت کی ذمہ داری سونپی جانے لگی تو آپؒ نے فرمایا ”مجھ پر اتنی بڑی ذمہ داری نہ ڈالیں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور چاروں خلفائے راشدین کے بعد خلافت کا سنہری دور مشہور ہے۔ آپ کو عمر ثانیؒ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

امام یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مجھے شام سے تعلق رکھنے والے ایک بزرگ (استاد) نے یہ بات بتائی کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ بنائے گئے تو دو مہینے تک اس غم و فکر میں پڑے رہے کہ انہیں تمام رعایا کی عظیم ذمہ داری میں ڈال دیا گیا ہے پھر لوگوں کے معاملات کا جائزہ لینے اور ان سے مظالم کو دور کرنے میں لگ گئے۔ انہیں اپنے ذاتی معاملات سے کہیں زیادہ لوگوں کی فکر تھی وہ اس غم و فکر سے خلافت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ داعی اجل کو لبیک کہا اور جب ان کا انتقال ہوا تو فقیہا کی ایک جماعت ان کی اہلیہ (حضرت فاطمہؒ) کے پاس تعزیت کے لیے آئی انہوں نے کہا

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی موت صرف ان کے اہل خانہ کے لیے نہیں بلکہ تمام اہل اسلام کے لیے بہت بڑا سانحہ اور نقصانِ عظیم ہے۔ ان فقیہا نے آپؒ کی بیوی سے کہا کہ آپ ہمیں ان کے حالات سے مطلع فرمائیے تو انہوں نے بیان کیا کہ قسم بخدا! وہ تم میں سے کسی سے بھی زیادہ نمازیں پڑھنے والے اور زیادہ روزے رکھنے والے نہ تھے لیکن اللہ کی قسم میں نے کسی بندہ خدا کو عمر بن عبدالعزیزؒ سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا نہیں دیکھا۔ انہوں نے اپنی ذات کو لوگوں کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ وہ دن بھر لوگوں کی حاجات کے لیے بیٹھے رہتے اگر دن گزر جاتا اور ابھی لوگوں کے کام باقی رہ جاتے تو وہ رات میں بھی لگے رہتے۔ ایک دن یوں ہوا کہ لوگوں کی حاجات سے دن ہی دن میں فارغ ہو گئے تو شام کو ایک چراغ منگوایا جسے وہ اپنے ذاتی تیل سے جلایا کرتے تھے پھر انہوں نے دو رکعت نماز نفل ادا کی اور اپنا ہاتھ اپنی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر اس حال میں سیدھے بیٹھے رہے کہ آنسوؤں کی لڑیاں رخساروں پر بہتی رہیں اور ساری رات یوں ہی بیٹھے رہے حتیٰ کہ سفیدہ سحر نمودار ہوا تو انہوں نے روزے کی نیت کر لی۔ میں (بیوی فاطمہ) نے ان سے پوچھا ”امیرالمومنین رات کس وجہ سے آپ یوں بیٹھے روتے رہے؟ انہوں نے کہا ہاں میرا حال یہ ہے کہ میں اسود و احمر تمام امت مسلمہ کا والی بنایا گیا ہوں مجھے ملک کے دور دراز علاقوں میں پڑے ہوئے غربا و مساکین، فقراء و محتاج قیدیوں اور ان جیسے مظلوم و مقہور لوگوں کی یاد آئی تو مجھے خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے بارے میں مجھ سے ضرور سوال کرے گا اور نبی پاک ﷺ اس معاملے میں مجھ سے باز پرس کرنے والے ہوں گے تو میں اس بات سے ڈر گیا کہ اس وقت اللہ کے سامنے کوئی عذر نہیں چل سکے گا اور نہ حضور ﷺ کے سامنے کوئی حجت پیش کر سکوں گا۔ یہ سوچ کر میں ڈر گیا اور رونے لگ گیا“ اس کے بعد ان کی اہلیہ نے کہا ”حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ“ بعض اوقات اپنے گھر میں ہوتے جس طرح عام آدمی اپنے اہل خانہ کے ساتھ خوشی محسوس کرتا ہے اور اس دوران انہیں اللہ کی پیشی یاد آ جاتی تو وہ مضطرب ہو جاتے جس طرح وہ چڑیا مضطرب ہو جاتی ہے جسے پانی میں گرا دیا گیا ہو پھر اتنی آواز سے آہ و بکا کرتے کہ میں ان پر رحم کرتے ہوئے ان سے لحاف کو ہٹا دیتی پھر فاطمہ نے کہا اللہ کی قسم میں اس وقت چاہتی کہ کاش ہمارے درمیان

اوراس خلافت وامارت کے درمیان زمین وآسمان کی سی دوری ہوتی۔

حضرت عمرؓ کا یہی احساس ذمہ داری تھا کہ وہ مشرق ومغرب میں رہنے والے ہرفرد کے بارے میں اپنے آپ کو اللہ کے ہاں جوابدہ سمجھتے تھے اور غربا ومساکین' یتیموں اور بیوگان کو ان کا حق پہنچانا اپنا فرض سمجھتے تھے خواہ اپنے حق کا مطالبہ نہ بھی کریں۔

ان واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں حکمران طبقہ بھاری ذمہ داریوں کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہے۔ اسلام میں بادشاہت تخت وتاج کی بہار نہیں بلکہ ذمہ داریوں کا خارزار ہے۔ جسے کامیابی سے عبور کرنا آخرت کی سعادت ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ راتوں کو گلیوں کا گشت کیا کرتے تھے یہ دیکھنے کے لیے کہ ان کے دور حکومت میں کوئی بھوکا تو نہیں سویا۔ ایک بڑھیا کے لیے سامان خوردونوش اپنی پیٹھ پر لاد کر اس کے گھر چھوڑ کر آتے آپ کے غلام نے کہا مجھے حکم دیجئے میں چھوڑ آتا ہوں۔ فرمایا یہ میری رعیت میں ہیں ان کی بابت سوال بھی مجھ سے ہوگا تم سے نہیں۔

پس ہرشخص یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو عہدہ دنیا میں دیا اس کے ماتحت جتنے افراد آتے ہیں ان کی ضرورت کا خیال رکھنا اس کی ذمہ داری ہے۔ اس طرح ان کے حقوق خود بخود ادا ہوجاتے ہیں۔

پس اسلام یہ چاہتا ہے کہ معاشرے میں تمام لوگوں کو انفرادی واجتماعی طور پر ان کے جائز حقوق ملتے رہیں کیونکہ یہی بات معاشرے میں امن کی ضامن ہے اور معاشرے میں پرامن ماحول ہو تو ہرشخص اپنی صلاحیتوں کو زیادہ بہتر طریقے سے معاشرے کی ترقی کے لیے استعمال کرسکتا ہے۔ اس لیے اسلام نے بندوں کے حقوق کی ادائیگی پر بہت زور دیا ہے۔ ان حقوق میں والدین' اساتذہ کرام' رشتے دار' پڑوسی' مہمان' مسافر' خادم' میاں بیوی' عورتوں' بیماریوں' معذوروں' بیواؤں محتاجوں' ہمسایوں اور مسکینوں' یتیموں وغیرہ کے حقوق شامل ہیں۔ یہاں میں مختصراً حوالہ فرداً فرداً سب کے حقوق کا بیان کروں گی تاکہ ہمیں اپنے فرائض ذہن نشین ہوجائیں کیونکہ دوسروں کے حقوق ہی تو ہمارے فرائض ہیں اور ہمارے فرائض کی ادائیگی دراصل ان کے حقوق کی ادائیگی ہے۔

1- والدین کے حقوق وفرائض

دنیا میں سب سے قریب ترین خونی رشتہ والدین اور اولاد کا ہے۔ اسلام نے اسے دیگر تمام رشتوں پر فوقیت دی ہے۔ اس لیے بندوں کے حقوق میں سب سے پہلا درجہ والدین کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کے لیے احسان کا لفظ استعمال کیا ہے۔ فرمایا:

"وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا" (بنی اسرائیل 23)

"اور تمہارے پروردگار نے حکم دیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔"

دنیا کے ہر مذہب نے والدین کی خدمت اور اطاعت گزاری کی تاکید کی ہے۔ مگر اسلام کو دیگر مذاہب پر فوقیت اس طرح حاصل ہے کہ اس نے اپنی تعلیمات میں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کی تاکید کی ہے اور احسان کا درجہ خدمت سے بڑھ کر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"تمہارے والدین میں سے اگر ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو اور ان سے شائستگی سے بات کرو اور نرمی اور تواضع کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کرتے رہو۔ اے ہمارے رب ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں ہمیں محبت سے پالا۔ (بنی اسرائیل:24)

پس ہمیں ان کے حقوق کی ادائیگی سے بڑھ کر ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے کیونکہ بچپن میں وہ ہمارے ساتھ انتہائی محبت اور شفقت سے پیش آتے ہیں ہر قسم کی تکلیف اور مصیبت برداشت کرتے ہیں ہمارے آرام کے لیے ہمارے لیے اچھی

تعلیم وتربیت کا بندوبست کرتے ہیں تو جس طرح انہوں نے ہمیں بچپن میں پالا اس طرح بڑھاپے میں ان کا خیال رکھنا ہماری ذمہ داری ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا" (البقرہ:83)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کی شکرگزاری کا حکم دیا۔ فرمایا:

"اَنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْکَ (لقمان:14)

"میرا بھی شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی۔"

اطاعت الٰہی کے ساتھ ہی اطاعت والدین کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق کی انتہائی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ پس ہمارے والدین انتہائی محبت اور احترام کے مستحق ہیں۔ ہمیں ہر لمحے ان کی ناراضگی سے بچنا چاہیے اور ان کی فرمانبرداری کر کے انہیں خوش رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے:

"اللہ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں اور اللہ کی خوشنودی والد کی خوشنودی میں پنہاں ہے۔"

ایک مرتبہ ایک شخص نے نبی پاک ﷺ سے دریافت کیا کہ "میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا "تمہاری ماں" سائل نے پوچھا "پھر کون" آپ ﷺ نے فرمایا "تمہاری ماں" سوال کرنے والے نے عرض کیا "پھر کون" آپ ﷺ نے فرمایا "تمہاری ماں" چوتھی مرتبہ سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: "تمہارا باپ"

والدین کے ساتھ ہمیشہ محبت اور احترام کا رویہ اختیار کرنا چاہیے ان سے ہمیشہ نرمی، عاجزی اور انکساری سے پیش آنا چاہیے اور ایسی کوئی بات منہ سے نہیں نکالنی چاہیے جس سے نفرت یا غصے کا اظہار ہو، ان کے حق میں دعائے خیر کرنی چاہیے اگر کبھی والدین کے حق میں کوئی گستاخی یا بے ادبی ہو جائے تو فوراً توبہ کرنی چاہیے اور ان سے معافی

مانگ لینی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ سچے دل سے توبہ کرنے والوں کو معاف کر دیا کرتا ہے۔"

والدین کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگالیں کہ مشرک ہونے کی صورت میں بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ البتہ اگر وہ شرک کے لیے مجبور کریں تو یہ بات نہ ماننے کا حکم ہے۔ مگر دنیاوی معاملات میں ان سے نرمی برتنے کا ہی حکم ہے۔

نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے:

"ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والا فرزند جب اپنے والدین کو محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر مرتبہ دیکھنے کے عوض اس کے نامہ اعمال میں ایک مقبول حج کا ثواب لکھتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اگر وہ دن میں سو مرتبہ انہیں دیکھے فرمایا۔ "ہاں" (صحیح مسلم)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وہ خرچ کرنے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں آپ ﷺ کہہ دیں کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اس کے اولین حقدار والدین ہیں۔"

(البقرۃ215)

ایک مرتبہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے باپ کے متعلق شکایت کی کہ وہ جب چاہتا ہے میرا مال لے لیتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کے والد کو بلایا جس نے آ کر کہا اے اللہ کے رسول ﷺ ایک وقت تھا کہ جب یہ کمزور و بے بس تھا اور میں توانا تھا مالدار تھا اور یہ خالی ہاتھ تھا۔ میں نے کبھی اپنی چیز لینے سے منع نہیں کیا تھا۔ آج میں کمزور ہوں اور یہ توانا میں خالی ہاتھ ہوں اور یہ مالدار ہے۔ اب یہ اپنا مال مجھ سے بچا بچا کر رکھتا ہے۔" بوڑھے کی یہ باتیں سن کر آپ ﷺ اشکبار ہو گئے اور بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔"

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"وہ شخص ہلاک ہوا جس کے بوڑھے والدین موجود ہوں دونوں یا

ان میں سے ایک گروہ ان کی خدمت کر کے جنت میں نہ جائے۔"

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا "یا رسول اللہ ﷺ کیا والدین کے مرنے کے بعد بھی کوئی نیکی میں ان سے کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"ہاں' ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو ان کے کیے ہوئے وعدے پورے کرو۔ ان کے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو اور ان کے دوستوں کی عزت کرو۔"

پس والدین کے حقوق ان کی زندگی تک ہی محدود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان کی وفات کے بعد بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کا حکم دیتا ہے' فرماتا ہے۔

"رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ" (ابراہیم:41)

"اے رب ہمارے! قیامت کے روز ہمیں بخش دینا ہمارے والدین کو نیز تمام اہل ایمان کو۔" آمین

پس اگر اولاد والدین کے حقوق پورے کرتی ہے تو اولاد کے فرائض ادا ہو جاتے ہیں مگر جہاں اولاد کے فرائض اور والدین کے حقوق پر زور دیا گیا وہاں اولاد کے حقوق اور والدین کے فرائض کی بھی تاکید کی ہے۔ اسلام پہلا دین ہے جس نے حقوق اولاد کی بھی وضاحت کی ہے اور والدین پر اسلام نے جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں اگر وہ انہیں پورا نہیں کرتے تو معاشرہ بدامنی اور انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ بچے کی پہلی درسگاہ ماں کی گود ہے جنہیں اس درسگاہ میں غفلت کی نیند سلا دیا جاتا ہے وہ معاشرے میں فعال کردار کبھی ادا نہیں کر سکتے تاریخ گواہ ہے کہ عظیم لوگوں کی مائیں عظیم ہوا کرتی ہیں۔

اولاد کے نگہبان والدین ہیں اور بے شک ان سے ان کی رعیت (اولاد) کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔ والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی تمام اولاد کے ساتھ

یکساں سلوک کریں اور ان سے رحمت و شفقت سے پیش آئیں۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا "کوئی باپ اپنے بچے کو اس سے بہتر عطیہ نہیں دے سکتا کہ وہ اسے اچھی تعلیم دے۔" یہ بھی فرمایا:

"باپ کا اپنے بچے کو ادب سکھانا' اچھا صدقہ دینے سے بہتر ہے۔" مفلسی کے ڈر سے اولاد کے قتل کی ممانعت کی گئی ہے۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اور افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل مت کرو۔ ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی ان کو قتل کرنا بلاشبہ بڑا جرم ہے۔"
(بنی اسرائیل: 31)

اسلام والدین سے اولاد کی پرورش اور کفالت کا ہی تقاضا نہیں کرتا بلکہ یہ تلقین بھی کرتا ہے کہ والدین کا رویہ ان سے شفیقانہ اور محبت آمیز ہو کیونکہ یہ بات روز قیامت نامہ اعمال میں وزن کا باعث ہوگی۔ جس طرح اولاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے والدین کے حق میں دعائے خیر کرے اس طرح والدین کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کے لیے دعائے خیر کریں۔ ان کی اچھی تربیت کریں انہیں غلط راستے پر چلنے سے روکیں انہیں نیک اور سعادت مند بنائیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔" (التحریم:6)

یعنی خود بھی نیکی کے کام کرو اور اپنی اولاد اور گھر والوں کو بھی نیکی کی تلقین کرتے رہو' گویا والدین کا صرف اپنے طور پر نیک ہونا کافی نہیں بلکہ اولاد کو نیکی کی راہ پر لگانا بھی ان کا فرض ہے تا کہ وہ دینی و اخلاقی لحاظ سے معاشرے کے لیے مفید ثابت ہوں اس سلسلے میں نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے:

''ہر بچہ فطرت سلیم پر پیدا ہوتا ہے بعد میں اس کے والدین اسے یہودی' نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔''

یعنی عموماً بچہ وہی دین اختیار کرتا ہے جس کی تعلیم اس کے والدین نے دی ہو۔ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

''جن والدین نے اپنی زیرِ نگرانی اپنے کسی بچے کو حافظ قرآن بنایا' قیامت کے دن ان کے سر پر تاج رکھے جائیں گے جس کی روشنی آفتاب سے بڑھ کر ہوگی۔'' (بخاری)

اس کے برعکس جو والدین تربیت اولاد میں لاپرواہی کرتے ہیں۔ قیامت کے روز ان کی اولاد ہی ان کے خلاف استغاثہ کرے گی اور اپنے جرائم کی ذمہ داری والدین کے کندھوں پر ڈالے گی۔ پس جو والدین اولاد کی تربیت اسلامی خطوط پر کرتے ہیں وہ اپنے بچوں کی دنیا و آخرت دونوں سنوار دیتے ہیں اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی باز پرس سے بھی اپنے آپ کو محفوظ کر لیتے ہیں۔

اچھی پرورش اور تربیت کے ساتھ ساتھ ان کی شادی کرنا بھی والدین کی ذمہ داری ہے' نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے تین چیزوں میں تاخیر جائز نہیں اول: فرض نماز جب اس کا وقت ہو جائے دوم نماز جنازہ میں جب میت سامنے ہو' سوم اولاد کی شادی میں جب ان کا مناسب رشتہ مل جائے۔''

نیز اسلام جہاں شادی کا فرض والدین کے ذمہ قرار دیتا ہے وہاں اس میں اولاد کی رضامندی کو بھی ضروری قرار دیتا ہے نکاح کے لیے لڑکے کے علاوہ لڑکی کی رضامندی بھی ضروری ہے۔

اسلام والدین کو اپنی تمام اولاد کے ساتھ مساویانہ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہا میرے دو لڑکے ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ ان میں سے ایک کو تحفہ ایک اونٹ دوں آپ ﷺ نے فرمایا:

''یا تو دونوں لڑکوں کو تحفہ دو یا پھر کسی کو نہ دو ورنہ وہ تحفہ اس لڑکے کو جہنم میں لے جائے گا۔''

پس اولاد کی ضروریات کو اپنے جائز وسائل سے پورا کرنے کی کوشش کرنا والدین کی ذمہ داری ہے۔ مگر اس میں سلوک یکساں ہونا چاہیے کسی ایک کی طرف ترجیحی میلان نہیں ہونا چاہیے وہ لڑکی ہو یا لڑکا اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

2- اساتذہ کے حقوق و فرائض

دین اسلام نے والدین کی طرح اساتذہ کے بھی حقوق مقرر کیے ہیں۔ جس طرح والدین بچوں کی پرورش کرتے ہیں اس طرح اساتذہ بچوں کی روحانی تربیت کرتے ہیں اور روحانی ماں باپ کا درجہ رکھتے ہیں اسلامی معاشرے میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ وہ بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرتے ہیں انہیں اخلاقیات کی تعلیم دیتے ہیں اور زندگی کے آداب سکھاتے ہیں۔ اسی لیے اسلام نے ان کے ادب و احترام کا حکم دیا۔ نبی پاک ﷺ اپنے معلم بنا کر بھیجے جانے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے۔

''اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا''

''بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس سے علم حاصل کرتے ہو اس کا احترام کرو۔''

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

''جس نے مجھے ایک لفظ بھی سکھایا اس نے مجھے اپنا غلام بنا لیا۔''

تعلیم دینا ایک پاکیزہ عمل ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''علم سیکھو اور اسے سیکھنے کے لیے سنجیدگی اور وقار اپناؤ۔''

اساتذہ کے حقوق میں نہ صرف اس کا احترام اور ادب کرنا شامل ہے بلکہ

شاگردوں کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جب استاد درس دے رہا ہو تو اسے دل لگا کر دھیان سے سنیں اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ اسے سلام کرنے میں پہل کریں اساتذہ اگر کسی مقام پر آپ کے ساتھ ہوں تو ان سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں' ان کی نشست پر مت بیٹھیں۔ ان کی خدمت کریں' ہمیشہ ان کے کام آنے کی کوشش کریں اور جس طرح اپنے والدین کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں اپنے اساتذہ کے لیے بھی دعائے خیر کریں کیونکہ وہ انہیں علم وحکمت کی دولت سے نوازتا ہے۔ ان کے لیے ترقی کی راہیں ھولتا ہے اور اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ پوری قوم کی ترقی کا دارومدار اساتذہ پر ہوتا ہے کیونکہ یہ قوم کے معمار ہوتے ہیں۔ اگر استاد کا کام راہنمائی کرنا ہے تو اسے حاصل کرنا شاگرد کی ذمہ داری ہے۔ اگر دنیا میں موجود لوگوں میں یہ سوال اٹھایا جائے کہ سب سے زیادہ عزت کس کی ہے تو جواب یہی ہوگا کہ استاد کی نبی پاک ﷺ کو اُمی پیدا کیا گیا کہ کائنات میں وہ سب سے افضل ہیں اگر ان کا کوئی استاد ہوتا تو وہ ان سے زیادہ افضل ہوتا مگر آج معاشرے میں ان کا کیا مقام ہے؟ یہ کیسے ختم ہوگیا؟ یہ سوال اکثر میرے ذہن میں اٹھتے رہے ہیں میں نے اس مسئلے پر کافی سوچ وبچار کے بعد جو نتیجہ نکالا ہو سکتا ہے آپ میری اس بات سے اتفاق کریں یا نہ کریں یا اس سے کسی کی دل شکنی ہو تو میں معذرت خواہ ہوں مگر میں نے ضروری سمجھا کہ میں اسے آپ کے سامنے پیش کروں ہو سکتا ہے اسے اختیار کر کے ہم اپنے تنزل کو عروج میں بدلنے میں کامیاب ہو جائیں جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ درس وتدریس اور تعلیم وتربیت تعمیر انسانی کا ایک پاکیزہ عمل ہے۔ اس کے بغیر کوئی معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا یہ صرف نعرہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ کسی بھی قوم کی ترقی کا انحصار معیار تعلیم پر ہی ہے۔ اگر یہ بلند ہو تو ترقی خود بخود ہو جاتی ہے۔ اگر ہم اپنی تاریخ پر نظر ڈالیں تو اسلاف کے کارہائے نمایاں میں کامیابی کی کنجی تعلیم ہی ہے اور کسی بھی نظام تعلیم میں معلم کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی سی ہوتی ہے۔ یہ ہماری نئی نسل کی کشتیوں کے ناخدا ہوتے ہیں۔ جو اپنے اسلاف کا قیمتی سرمایہ نئی نسل کو منتقل کرتے ہیں یہی وہ ہستیاں ہیں جو روحانی ماں باپ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے بغیر تشنگان علم کا مستقبل مخدوش ہو کررہ جاتا ہے۔ استاد ایک ایسا مشعل بردار ہوتا ہے جو قوم کے سرمایہ کو روشنی کی راہ دکھاتا

ہے اور ایک چھوٹی سی شمع سے مزید شمعیں روشن کرتا ہے۔ ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑتا ہے۔ علوم اور ان کے انتقال کا مؤثر ذریعہ معلم ہی ہے۔ **معلمی ایک ایسا پیشہ ہے**۔ جس کی آبیاری معلم کو اپنے خون سے کرنی ہوتی ہے۔ بچہ جب پہلی مرتبہ معلم کے پاس آتا ہے تو ایک کورے کاغذ کی مانند ہوتا ہے جس پر نقش ونگار خوشنما بنانا اساتذہ کی ذمہ داری ہے بچپن کی تعلیم وتربیت جتنی دلکش اور مضبوط ہوگی۔ اس کی شخصیت اتنی ہی پروقار اور سمجھدار ہوگی۔ کہا جاتا ہے کہ'' بچہ جو بات سات سال کی عمر میں سیکھتا ہے۔ وہ اتنی پختہ ہوتی ہے کہ عمر کے ستر سال گزرنے کے بعد بھی وہ بات نہیں بھولتا' مگر اتنی اہم شخصیت کو معاشرہ کیا ریوارڈ دے رہا ہے؟ یہ سوچیں ان کے گرتے ہوئے مقام کو دیکھتے ہوئے آنے والی نسل میں تعلیم تدریس کے شعبے میں آنے کا رجحان کم ہو گیا ہے۔ وہ آئندہ زندگی میں ڈاکٹر' انجینئر یا پائلٹ تو بننا چاہتے ہیں مگر ان سب کو بنانے والا نہیں بننا چاہتے حالانکہ یہ ایک مقدس پیشہ ہے۔ جسے انبیاء اور اولیا کرام نے اختیار کیا اور آج وہ جس مقام پر ہے یہ ہم نے اسے دیا ہے۔ اس کے لیے ہم خود ذمہ دار ہیں۔ اگر ہم اسے اس کا مقام دینے میں ناکام رہیں گے تو وہ بھی ہماری آنے والی نسلوں کو وہ مقام نہیں دے پائے گا جو ہماری تقدیروں کا رُخ پلٹ دے اور ایسا انقلاب رونما ہو کہ ایک بار پھر مسلمان سپین واندلس جیسی ریاستیں بنانے میں کامیاب ہوں اور عرب جیسی ریاست جس کا بیان حالی نے اپنی مسدس میں اس طرح کیا۔

عرب جس پہ صدیوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

معاشرے کے اس اہم ستون کی بے قدری جتنی ہمارے ملک میں ہے اتنی کہیں اور نہیں اس کی حیثیت ایک مزدور کی سی ہے۔ امریکہ میں استاد اور پروفیسر کو بیوروکریٹ اور کسی بھی کلاس ون افسر کا درجہ دیا جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں معلم کے احترام کے فقدان کا باعث موجودہ نظام تعلیم کی بنیادوں میں کارفرما مادہ پرستانہ سوچ بھی ہے جس کے نزدیک اخلاق واحترام کی قدریں کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔ اس

کے عزت واحترام کا پیمانہ مادی دولت اور ظاہری نمود و نمائش ہے۔ آج کے اس مادہ پرستی کے دور میں عزت علم و دانش دیکھ کر نہیں بلکہ دولت دیکھ کر کی جاتی ہے۔ جبکہ اساتذہ کو کوئی معاشی استحکام حاصل نہیں ہے۔ جس طرح حرکت کو زندگی سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اساتذہ کو کسی ملک کے نظام تعلیم اور قومی تعمیر سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ اساتذہ تعلیمی نظام میں کلیدی اور مثالی کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ بچوں کو اس طرح کا ماحول مہیا کرتے ہیں جس میں طلبا کو اپنی شخصیت نکھارنے کا موقع ملتا ہے۔ اس سلسلے میں کچھ احادیث پیش ہیں:

1- عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے۔ جیسی چاند کی فضیلت باقی ستاروں پر۔
2- میرے بعد سب سے بڑا سخی وہ ہوگا جو علم کو سیکھے اور پھیلائے گا۔
3- علماء نبیوں کے وارث ہیں۔
4- جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے نکلے وہ اپنے گھر میں واپسی تک جہاد میں رہتا ہے۔
5- اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔

قرآن و حدیث میں جس پیشے کی اتنی زیادہ اہمیت ہے۔ معاشرے میں اس کی ناقدری' بدلتے زمانے کے ساتھ ساتھ دنیا کی ہر چیز میں تغیر آیا ہے۔ مگر جس تغیر سے انسانیت' قوم و ملت اور کل عالم کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا ہے وہ ہے۔

استاد کی تبدیلی! شاگردوں کی تبدیلی! اب نہ وہ شاگرد ہیں جن کے دلوں میں اساتذہ کے لیے ادب واحترام ہوا کرتا تھا۔

نہ لوگوں کے پاس اساتذہ کی پذیرائی کا جذبہ اور نہ وہ اساتذہ جن کی تعظیم کے لیے شہنشاہِ وقت اپنا تخت چھوڑ کر تعظیم کے لیے جھک جایا کرتے تھے۔ جن کا رتبہ دین اسلام نے دنیا کے سب سے بڑے رتبے ماں باپ تک بلند کر دیا تھا۔ جن کے سینوں میں دردمند دل ہوتا تھا جو اپنے طلبہ کے لیے دھڑکتا تھا۔ نام و نمود سے بے نیاز' سادگی' انکساری اور عاجزی کی تصویر ان کی محبتیں تربیت کے گہوارے۔ حسب نسب اور ماں باپ

کے عہدوں کی وجہ سے کسی طالب علم کو دوسرے پر فوقیت نہیں۔ علم کا سمندر جو نہایت ایمانداری کے ساتھ طلبا کو فیض یاب کرنے میں مشغول۔ یہی وجہ تھی کہ بڑے بڑے بزرگان دین اور اولیا اللہ اپنے استادوں کو مثالی قدر و منزلت دیتے تھے۔ مگر اب ایسا کیوں نہیں اس کا جواب ہمیں اپنے آپ سے لینا ہے۔ ہم اپنی قوم کو کہاں لے جا رہے ہیں ہر ایک کی زبان پر ایک ہی بات ہے کہ تعلیمی معیار گر رہا ہے۔ تعلیمی معیار کیوں گر رہا ہے؟ یہ کیوں نہ گرے؟ جب استاد کا معیار گر رہا ہے۔ (معذرت کے ساتھ) مگر یہاں ان اساتذہ کی تعریف کرنا بھی ضروری سمجھوں گی جو آج بھی نہایت دیانتداری اور خلوص کے ساتھ اپنے فرائض منصبی انجام دینے میں مصروف ہیں اور آج بھی ان کے شاگرد اور دیگر افراد ان کی ویسے ہی عزت کرتے ہیں جیسے پہلے کی جاتی تھی مگر ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ اگر کسی استاد کی معاشرے میں یا اس کے شاگردوں کی نظر میں عزت نہیں تو وہ ضرور اپنے رویوں پر غور کرے اب بھی موقع ہے۔ ہم اپنی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو بچا سکتے ہیں۔ اچھے اساتذہ کا دیانت داری کے ساتھ چناؤ کرنا اداروں کی یا افسران بالا کی بھی ذمہ داری ہے۔ ان کے چناؤ میں ان کی خاندانی قدریں اور اخلاقیات بھی ضرور دیکھنی چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ نے سارے پیغمبر قوموں کے اچھے خاندانوں سے چنے اور معلمی پیغمبری پیشہ ہے ہمیں اس مقام کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے اپنی تہذیب اور اپنی ثقافت کی طرف لوٹنا ہوگا جو ہماری شناخت ہے۔ اپنی شناخت کو بھلا کر یا کسی دوسری شناخت میں اسے ضم کر کے کبھی کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ شاگردوں کے دلوں میں اساتذہ کا ادب واحترام جب ہی پیدا ہوگا۔ جب ان کے دلوں میں بچوں کے لیے محبت اور شفقت کا جذبہ پیدا ہوگا کیونکہ اگر اساتذہ کے حقوق ہیں تو بچوں کے بھی حقوق ہیں وہ بھی اساتذہ کی محبت کے ایسے ہی مستحق ہیں جیسے اساتذہ ان کی عزت کے اگر اداروں میں ایسا ماحول پیدا ہو جائے تو یہ فاصلے خود بخود ختم ہو جائیں گے اس کے ساتھ ساتھ اساتذہ تدریس کے لیے وہ طریقہ اختیار کریں جو ہمیں سرور کائنات حضرت محمد ﷺ نے دیا آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ ہمارے لیے ہر شعبے میں مشعل راہ ہے۔

نبی پاک ﷺ کا طریقہ تعلیم

نبی پاک ﷺ نے جو طریقہ تدریس اختیار کیا برس ہا برس گزرنے کے بعد بھی اس میں جدت موجود ہے۔ اور اتنا ہی کارفرما ہے جتنا کہ پہلے تھا اور اتنا ہی موثر ہے عمل کر کے تو دیکھیں۔ طریقہ مندرجہ ذیل ہے:

1- متوازن اور موزوں انداز

بات کرتے وقت ہمیشہ موزوں لب ولہجہ' نہ زیادہ بلند نہ ہی دھیمی آواز بلکہ میانہ روی سے کام لیتے تھے۔

2- سوالات کا انداز

اکثر سوالیہ انداز میں گفتگو کرتے مثلاً آپ جانتے ہیں ہمسایوں کے حقوق کیا ہیں؟

3- انفرادی واجتماعی

دونوں طرح مختلف اوقات میں تعلیم وتربیت کا اہتمام فرماتے۔

4- سادہ اور سہل زبان

استعمال کرتے تھے تاکہ لوگوں کو آسانی سے بات سمجھ میں آسکے۔

5- خاکہ کا استعمال

مثلاً جنت اور دوزخ کی وضاحت کرتے ہوئے زمین پر لکیر کھینچ کر فرمایا کہ یہ راستہ جنت کی طرف اور یہ دوزخ کو جاتا ہے۔

6- نفسیاتی طریقہ

لوگوں کی سوچ کے مطابق بات کرتے اپنی گفتگو میں دوسروں کی علمی سطح کا خیال رکھتے۔

7- تجسس اور غور وفکر کی دعوت

سامعین کو دعوت فکر دیتے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "جب کسی نے غلہ یا

اناج چالیس دن تک روک رکھا وہ سمجھ لے کہ اس نے اللہ سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا یعنی تجسس ابھارتے تھے مثالوں کے ذریعے۔

8- عملی مثالوں سے چیزوں کی وضاحت

مثلاً ایک دفعہ موسم خزاں میں ایک درخت کی ٹہنی پکڑ کر ہلائی اس کے پتے جھڑ گئے آپ ﷺ نے فرمایا "پانچ وقت نماز پڑھنے سے اسی طرح انسان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

9- قول وفعل میں ہم آہنگی

مثلاً محنت کی عظمت کا درس دیا اور خود بکریاں چرائیں۔ یعنی جو کہا وہ کر کے دکھایا۔

10- تکرار

حضرت انسؓ سے روایت: جب کلام فرماتے تو تین دفعہ دہراتے تاکہ لوگ اسے خوب سمجھ لیں۔

11- دلنشین اندازِ تعلیم

فرمایا تعلیم دو اور سختی نہ کرو کیونکہ علم سختی سے بہتر چیز ہے۔

12- حضور ﷺ کا نصاب

تعلیم دینے کے لیے آپ ﷺ کا نصاب قرآن ہے۔ بلاشبہ ہم سب کی فلاح اور نجات اسی میں پوشیدہ ہے۔ قیامت تک پیش آنے والے ہر مسئلے کا حل ہمیں اس میں ملے گا غیر مسلموں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے۔

13- وقفہ فرماتے

آہستہ آہستہ بات فرماتے درمیان میں وقفہ کرتے تاکہ اچھی طرح بات سمجھ میں آجائے۔

14- کلام میں فصاحت وبلاغت

یہ عنصر آپ ﷺ کی تدریس کی جان تھا آپ ﷺ کو تمام عرب "افصح العرب" قرار دیتے یعنی عربوں میں فصیح ترین الفاظ کا چناؤ۔ جملے کی ترکیب وغیرہ اس طرح ہوتی

ہے کہ مفہوم کا مکمل ابلاغ ہو جاتا۔

15- مثالوں کا استعمال

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ بنوخزارہ کا ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میری بیوی نے ایک سیاہ فام بچے کو جنم دیا جسے میں تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ماں باپ دونوں سفید رنگ کے ہیں۔ ان کے گھر سیاہ فام بچہ کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تمہارے اونٹ ہیں عرض کیا'' ''ہاں'' آپ ﷺ نے پوچھا ''ان کے رنگ کیا ہیں' عرض کیا'' سرخ'' فرمایا'' ان میں کوئی سیاہی مائل بھی ہے'' عرض کیا ''جی ہاں'' فرمایا'' وہ کہاں سے آ گیا'' عرض کیا'' ہو سکتا ہے کہ اس کی نسل' نسب میں کوئی ایسا ہو'' آپ ﷺ نے فرمایا ہو سکتا ہے کہ اس کی بھی اصل' نسب' نسل میں کوئی ایسا ہو۔

16- بے جا تعظیم کی ممانعت

اپنے لیے تعریفی القاب سے بھی منع فرماتے۔

17- مرد و زن دونوں کو تعلیم دیتے

یعنی امتیاز روا نہ رکھتے فرماتے تعلیم مرد و زن دونوں کے لیے ضروری ہے۔

18- تعلیم کا مقام یا وقت مقرر نہ تھا

جب بھی کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا آپ ﷺ اسے جواب مہیا کرتے۔

19- اخلاقی' سماجی' روحانی اور اقتصادی

تمام شعبوں پر محیط تعلیم دیتے تھے۔

20- اشکال سے وضاحت

مثلاً ایک بار فرمایا' جو لوگ دنیا میں نیکی کے کام نہیں کرتے مرنے پر قبر اس قدر تنگ ہو جائے گی کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں اس طرح پیوست ہو جائیں گی جیسے میرے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں۔ انگلیوں کو آپس میں پیوست کر کے دکھایا یا ایک بار اپنی مٹھی بند کر کے مثال دی کہ پوری دنیا اللہ تعالیٰ کے اس طرح قبضہ قدرت میں ہے۔

21- جسمانی اعضا کا استعمال

کیا کرتے تھے دوسروں کو سمجھانے کے لیے یعنی اشارات ہاتھوں سے آنکھوں سے کیا کرتے تھے اپنی بات کی وضاحت کے لیے اوپر دی گئی مثال کے مطابق۔

22- تحمل اور بردباری

درس و تدریس کے دوران ہمیشہ برداشت کا دامن تھامے رکھتے۔ سامعین کی نکتہ چینی کو بھی بردباری کے ساتھ سنتے اور ان کو تحمل کے ساتھ مطمئن کرتے۔

23- اصول تدریج

اس اصول کو اپناتے تاکہ سامعین بوریت کا شکار نہ ہوں۔ سبق کو اجزا میں تقسیم کر کے پیش کرتے۔

24- عمدہ تشبیہات کا استعمال

آپ ﷺ دورانِ تدریس عمدہ تشبیہات کا استعمال فرماتے آپ ﷺ نے نیکی کے بارے میں فرمایا' نیکی ایک دانہ ہے' زمین میں سے ہر دانہ ایک بال ہو کر اٹھتا ہے اور ہر بالی میں سینکڑوں دانے ہوتے ہیں اس طرح نیکی کا یہ ایک کام سینکڑوں ربانی انعامات کا باعث بنتا ہے۔

25- اخلاقی تعلیمات کا انداز

اخلاقی تعلیمات کا انداز اختیار کیا کرتے تھے۔

26- سزا اور جزا

سزا اور جزا کا تذکرہ فرماتے۔

27- معلوم سے نامعلوم

معلوم سے نامعلوم کی طرف جاتے۔

28- مشاہدہ اور تجربہ

مشاہدہ اور تجربہ کا طریقہ استعمال کرتے۔

29- مقرون اشیاء

مقدون اشیا سے مجرد کا ادراک کرتے۔

30- قصے کہانی کا طریقہ

اختیار کیا کرتے تھے۔

31- مادری زبان

مادری زبان کا استعمال کرتے کیونکہ یہ سننے والے کو بات سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ اگر یہی طریقہ تدریس آج کا معلم اختیار کرے تو میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ اپنا کھویا ہوا مقام ہم دوبارہ پالیں گے۔ (انشاءاللہ)

3۔ رشتہ داروں کے حقوق

والدین اور اولاد کے حقوق کے بعد اسلام سب سے زیادہ اہمیت رشتہ داروں کے حقوق کو دیتا ہے۔ مسلمانوں کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے عزیز و اقارب کی ضرورتوں کا خیال رکھیں۔ اسلام میں رشتہ داری کو بڑی اہمیت حاصل ہے اگرچہ اخوت کا رشتہ تمام مسلمانوں میں مشترک ہے مگر خون کا رشتہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نظر میں خصوصی امتیاز رکھتا ہے۔ اس لیے بار بار صلہ رحمی کی تاکید کی گئی ہے اور قطع رحمی سے منع کیا گیا ہے۔ اسلام رشتہ داروں سے حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی پر زور دیتا ہے۔ ہم جو کچھ خرچ کرتے ہیں ہمیں چاہیے کہ اس میں ترجیح اپنے غریب اور نادار رشتہ داروں کو دیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى"

(البقرۃ:177)

اور وہ اللہ کی محبت میں اقربا کو مال دیتے ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا:

"وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ" (بنی اسرائیل:26)

"رشتہ داروں کو ان کا حق دو۔"

نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے۔

"لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ" (بخاری)

1- "رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا"

نیز فرمایا:

2- "قطع رحمی کرنے والے کا کوئی عمل قابل قبول نہیں ہوتا۔"

3- "قرابت داری عرشِ خداوندی سے لٹکی ہوتی ہے اور کہتی ہے جو مجھے جوڑے گا اللہ اسے جوڑے گا اور جو مجھے توڑے گا اللہ اس سے اپنا تعلق توڑے گا۔"

4- "جس کو یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں برکت ہو اور اس کی عمر میں اضافہ ہو اسے چاہیے کہ رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے۔"

5- "کسی مسکین کو خیرات دینے کا ایک گنا ثواب ہے جبکہ رشتہ دار کی مالی امداد کا دوگنا ثواب ہے۔"

رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کا حکم صرف مسلمانوں کو ہی نہیں دیا گیا بلکہ اہل کتاب کو بھی دیا گیا ہے جو کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔

"اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ سوائے اللہ کے تم کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین اور رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا۔" (البقرہ:83)

سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم دیا گیا۔ قرآن پاک میں نسب اور سسرال کو ہم پلہ قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ابو طلحہؓ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنا باغ صدقہ کرنا چاہتا ہوں۔"

آپ ﷺ اسے فقیروں میں تقسیم کر دیجئے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا
''ابو طلحہؓ! تمہیں اپنی نیت کا ثواب مل گیا۔ اب تم اسے اپنے رشتہ داروں
میں تقسیم کر دو۔''

اسلام نے رشتہ داروں سے تعلقات توڑنے کی سخت ممانعت کی ہے کیونکہ اس
سے معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اور جو ان رشتوں کو توڑتے ہیں جنہیں اللہ جوڑنے کا حکم دیتا ہے
اور زمین میں فساد پیدا کرتے ہیں یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔''
(البقرہ:27)

یہاں تک کہ بد اخلاق اور آپ سے برا سلوک کرنے والے رشتہ داروں سے
بھی حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔

''اور تم میں جو لوگ بزرگ اور وسعت والے ہیں یہ قسم نہ کھائیں
کہ وہ قرابت داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں
کو نہ دیں گے اور چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں
کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے۔'' (النور:22)

یہ حکم جب نازل ہوا جب حضرت ابو بکرؓ جو اپنے ایک غریب رشتہ دار حضرت
مسطح بن اثاثہ کی امداد کیا کرتے تھے ایک موقع پر ان کی طرف سے آپ کو سخت تکلیف
پہنچی آپ نے آئندہ ان کی کبھی امداد نہ کرنے کی قسم کھائی۔ اللہ کو ان کی یہ بات پسند نہ
آئی اور یہ حکم نازل کیا اس پر انہوں نے اس کی امداد دوبارہ جاری کر دی۔ نبی پاک ﷺ
کا ارشاد ہے:

''رشتہ جوڑنے والا وہ نہیں جو احسان کے بدلے احسان کرے بلکہ
وہ ہے جس کا رشتہ کاٹا جائے تو اسے جوڑ دے۔'' (بخاری)

حضرت ابو ذر غفاریؓ فرماتے ہیں۔

''مجھے میرے حبیب ﷺ نے وصیت کی کہ تم رشتہ داروں سے نیک
سلوک ہی کرنا' اگرچہ وہ تم سے بدسلوکی سے پیش آئیں۔''

اس کے علاوہ اُن کی روحانی اور اخلاقی امداد کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ رشتہ
داروں کو نیکی کی ترغیب دینا اور برائی سے روکنا بھی ان کی امداد میں شامل ہے۔ نبی
پاک ﷺ کا فرمان ہے:

''اپنے بھائی کی مدد کرو' چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم' ظالم کی مدد یہ
ہے کہ اسے ظلم کرنے سے روکا جائے یہ اس کی مدد ہوگی۔''

اسلام نے وراثت میں بھی رشتہ داروں کا حق رکھا ہے۔ جب قریب کے رشتہ
دار نہ ہوں تو دور کے رشتہ دار بھی وراثت میں حصہ پاتے ہیں ارشاد ہے:

''مردوں کے لیے حصہ ہے اُس ترکے میں سے جو اُس کے
والدین اور رشتہ دار چھوڑیں اور عورتوں کے لیے حصہ ہے جو اُس کے
والدین اور رشتہ دار چھوڑیں۔'' (النساء:7)

رشتہ داروں کے ساتھ محبت اللہ کو اس قدر پسند ہے کہ نبی ﷺ کی زبان سے
اس کا اعلان یوں کروایا۔

''اے نبی کہہ دیجئے کہ میں تبلیغ اسلام پر تم سے کوئی معاوضہ طلب
نہیں کرتا سوائے اس کے کہ رشتہ داروں میں باہم محبت چاہتا ہوں۔''
(الشوریٰ:23)

رشتہ داروں کے درمیان اگر کسی اختلاف کی وجہ سے جھگڑا پیدا ہو جائے تو اس
موقع پر دوسروں کو یہ تنازعہ ختم کرا دینا چاہیے یہ اُن کے حقوق کی ادائیگی بھی ہے اور نیکی
بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور باہمی معاملات کو درست کرو۔''
(انفال:1)

ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ دین اسلام نے رشتہ داری کی حدود بھی مقرر کی ہیں مثلاً غیر شرعی کاموں میں رشتہ داروں کی کوئی مدد نہیں اور رشتہ داروں کی ناجائز حمایت کو حدیث میں عصبیت کہا گیا ہے جس کی اسلام میں اجازت نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو' خواہ معاملہ رشتہ داری کا ہو۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقوق کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

4- ہمسایوں کے حقوق

اسلام نے پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی پر بھی بہت زور دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''رشتہ دار ہمسائے سے' اجنبی ہمسائے سے اور پاس بیٹھنے والے ساتھی سے احسان کا معاملہ کرو۔''

یہاں مراد اول وہ ہمسایہ جو رشتہ دار بھی ہے' دوم وہ جو صرف پڑوسی ہے۔ رشتہ دار نہیں اور سوم وہ پڑوسی جو نہ رشتہ دار ہے اور نہ ہی ہمسایہ بلکہ قریب بیٹھنے والا دوست' ساتھی اور ہم نشین ہے اور یہ سب لوگ ہمسایہ کے مفہوم میں شامل ہیں۔ ہمسایہ صرف وہی نہیں ہوتا جس کا گھر آپ کے گھر کے ساتھ ہو۔ اردگرد اور پڑوس کے گھر سب ہمسایہ شمار ہوں گے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''ہمسایہ کا حق کا دائرہ دائیں بائیں آگے پیچھے چالیس چالیس گھر تک وسیع ہوتا ہے۔'' ایک اور جگہ فرمایا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ ہمسایہ کا کیا حق ہے؟ وہ تمہاری امداد کا محتاج ہو تو مدد کرو' کچھ قرض طلب کرے تو اسے قرض دو' محتاج ہو تو اس کی طرف توجہ کرو' بیمار ہو تو عیادت کرو' مر جائے تو جنازہ میں شرکت کرو' اسے خوشی نصیب ہو تو مبارک باد ہو۔ اُن کے غم میں شریک ہو' اپنے مکان کی دیوار اتنی بلند نہ کرو کہ اس کے لیے ہوا میں رکاوٹ ہو۔ پھل خریدو تو کچھ اس کے گھر بھی بھیجو اور نہ بھیج سکو تو پوشیدہ رکھو اور بچوں کو پھل لے کر باہر نہ

نکلنے دو کہ ان کے بچے للچائیں۔ ہمسائے کو اپنے باورچی خانے کی خوشبو کی تکلیف نہ دو سوائے اس کہ اسے بھی سالن بھجواؤ۔''

نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

''وہ شخص مومن نہیں جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔'' اور

''جسے یہ پسند ہو کہ وہ اللہ اور رسول ﷺ کا محبوب بنے اسے چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کا حق ادا کرے۔''

ہمسایوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا اللہ کی محبت حاصل کر لیتا ہے۔ ہمسایوں میں باہمی خیر سگالی کو فروغ دینے کے لیے تحفے تحائف کا تبادلہ مستحسن ہے۔ اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''ایک دوسرے کو تحائف دیا کرو اس سے باہمی محبت و الفت بڑھے گی۔''

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''ساتھیوں میں بہتر وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لیے بہتر ہے اور پڑوسیوں میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے بہتر ہے۔''

اسلام میں پڑوسی کو تکلیف اور ایذا دینے سے منع کیا گیا ہے۔ پڑوسی کے جان و مال اور عزت کی حفاظت پڑوسی کا حق ہے۔'' ہاں اگر ایک ہمسایہ دوسرے ہمسائے کو دکھ دے یا تنگ کرے تو دوسرے کو صبر و تحمل سے اسے برداشت کرنا چاہیے بدلہ لینے کی بجائے اس سے حسن سلوک کا مظاہرہ کرنا چاہیے یہ عمل دوسرے کو سیدھے راستے پر لانے میں مددگار ثابت ہوگا۔ اسلام نے ہمسایوں کے حقوق پر اتنا زور دیا کہ نبی پاک ﷺ فرماتے ہیں۔

''جبرائیل علیہ السلام نے مجھے ہمسائے کے حقوق کی اتنی تاکید کی ہے کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کہیں ان کو وراثت میں بھی حصہ دار مقرر نہ کر دیا جائے۔''

پس ہمیں ان کے حقوق ادا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

5- یتیموں کے حقوق

جو بچے کم سنی کی عمر میں باپ کے سایہ شفقت سے محروم ہو جاتے ہیں ہم سب کا فرض بنتا ہے کہ ان کے ساتھ محبت اور نرمی کا سلوک کریں۔ ان میں سے جو غریب ہوں ان کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کریں اور جو یتیم بچے باپ کی طرف سے مالدار ہوں ان کے مال کی حفاظت کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اور یتیم کا مال اُن کو پہنچاتے رہو اور تم اچھی چیز سے بری چیز کو مت بدلو اُن کا مال اپنے مال میں شامل کر کے مت کھاؤ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

(النساء: 2)

اس سے مراد ہے کہ اُن کے مال کے بارے میں انتہائی ذمہ داری اور احتیاط برتو اور ان کے حوالے کر دو اُن کے مال کو جلدی جلدی خرچ کرنے کی نہ کرو کہ وہ بڑے ہو کر تم سے لے لیں گے اور اُن کے اچھے مال کو اپنے کسی برے مال سے بدلنے کی کوشش بھی مت کرو یہ سب کچھ گناہ ہے۔ کسی یتیم کا مال کھانا اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرنے کے مترادف ہے۔ پھر فرمایا:

''اور تم یتیم کو آزمالیا کرو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں پھر اگر ان میں ایک گونہ تمیز دیکھو تو ان کے اموال کو ان کے حوالے کر دو اور ان اموال کو ضرورت سے زائد اٹھا کر اور اس خیال سے کہ یہ بالغ ہو جائیں گے جلدی جلدی اڑا کر مت کھاؤ اور جو شخص امیر ہو تو وہ اپنے آپ کو بالکل بچائے اور جو شخص حاجت مند ہو تو وہ مناسب مقدار سے کھا لے پھر جب ان کے مال ان کے حوالے کرنے لگو تو ان پر گواہ بھی کر لیا کرو اور اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والا کافی ہے۔'' (النساء: 6)

پس اُن کے مال کو انتہائی احتیاط سے استعمال کرنے کا حکم ہے اگر یتیم کی

پرورش کرنے والا شخص مالدار ہے تو اُسے چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو یتیم کے مال سے بالکل بچائے ہاں اگر کوئی مفلس شخص ہے تو وہ اس میں سے کچھ رقم اپنی ضرورت پر خرچ کر سکتا ہے مگر وہ بھی زیادتی کے ساتھ نہیں بلکہ اگر ایسا کرے کہ وہ رقم کسی کاروبار میں نیک نیتی کے ساتھ لگا لے پھر اس پر آنے والے منافع میں سے کچھ اپنی ضرورت پر اور کچھ یتیم کی پرورش پر خرچ کرے اور اُن کی تسلی کرتا رہے کہ یہ مال اُس کا ہے اُس کی خیر خواہی کی وجہ سے ابھی اس کے ہاتھ میں نہیں دیا سمجھدار ہونے پر اُس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اس طرح جس طرح یتیم کا مال خود کھانا حرام ہے اس طرح کسی کو کھلانا یا دینا بطور خیرات ہی کیوں نہ ہو حرام ہے۔ پس یتیم کے حاجت مند کارکن کو بقدر حوائج ضروریہ خرچ کرنا بوجہ اپنے حق الخدمت کے جائز ہے۔ اس کے علاوہ کسی صورت میں یتیم کا مال دوسرے کے لیے جائز نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ'' (النساء:127)

''اور یتیموں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو۔''

یتیم کو حقیر اور بے سہارا سمجھ کر دھکے دینے والوں کو روزِ جزا کا منکر کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے۔ یہ وہی ہے جو یتیموں کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔

(الماعون: 1 تا 3)

اس طرح یتیم کے ساتھ ظلم اور زیادتی کرنے سے روکا گیا ہے۔

''یتیم پر قہر اور ستم نہ کیا جائے۔'' (الضحیٰ: 9)

کسی یتیم بچے کے ساتھ زیادتی کرنے والا کبھی بخشا نہیں جائے گا اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے سختی سے منع کیا اور یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک کو انسان کی نجات کا ذریعہ

بتایا۔حدیث نبویﷺ ہے۔

''جس شخص نے کسی ایک یتیم بچے کی پرورش کی' وہ قیامت کے دن میرے اتنا قریب ہوگا جیسے دو انگلیاں۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

''جس دسترخوان پر یتیم بچہ پرورش پاتا ہے۔ شیطان اس سے کوسوں دور چلا جاتا ہے۔''

پس یتیم بچہ اگر مفلس نہ ہو تب بھی محبت اور شفقت کا طلب گار رہتا ہے۔نماز عید ادا کرنے سے پہلے مسلمانوں پر فطرانہ دینا اس لیے لازم قرار دیا گیا تا کہ یتیم' مسکین اور محتاج لوگ بھی ہمارے ساتھ عید کی خوشیوں میں شریک ہوسکیں۔کسی یتیم کی پرورش کرنا اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ نبی پاکﷺ کا فرمان ہے۔

''مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے۔جس میں کسی یتیم کے ساتھ بھلائی کی جارہی ہو اور سب سے برا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''کسی رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا بہت بڑی نیکی ہے۔'' (البلد:15)

مگر

''یتیم کو یہ کھانا اللہ کی رضا کے حصول کے لیے کھلایا جائے۔''

(الدھر:8)

''ان کے احترام میں کوئی کمی نہ کی جائے۔'' (الفجر:17)

جس طرح قرآن وحدیث سے یتیموں کے حقوق کی حفاظت ثابت ہوتی ہے۔

اس طرح صحابہ کرامؓ کا رویہ بھی اس عمل کی واضح عکاسی کرتا ہے۔ جب بھی کسی یتیم کی پرورش کی بات ہوتی تو بہت سے صحابہ کرامؓ اس فریضہ کو انجام دینے کے لیے پیش کش کیا کرتے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ اکثر کسی یتیم بچے کو ساتھ بٹھائے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔اس طرح حضرت ابوالدحداحؓ نے اپنا باغ ایک یتیم بچے کو ہبہ کر دیا اور یہی نہیں خواتین بھی اس عمل میں مردوں سے پیچھے نہیں رہیں۔ جب غزوہ بدر کے یتیموں کی کفالت کی باری آئی تو حضرت فاطمہؓ اپنے حصے سے ان کے حق میں دستبردار ہوگئیں۔اس طرح عائشہؓ یتیم بچیوں کی پرورش کا بڑا اہتمام کرتی تھیں۔ نبی پاکﷺ یتیم بچوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ایک مرتبہ عید کے روز آپﷺ مسجد کی طرف جارہے تھے کہ راستے میں ایک یتیم بچے کو روتے ہوئے دیکھا۔ آپﷺ نے اُسے گود میں اٹھالیا اسے پیار کیا اور اس سے کہا'' کیا تم پسند کرو گے کہ محمدﷺ تمہارے باپ ہوں اور حضرت عائشہ صدیقہؓ تمہاری ماں۔'' آپﷺ اسے گھر لے گئے۔نہلایا دھلایا اور نئے کپڑے پہنائے۔

مندرجہ بالا تمام آیات واحادیث اور تمام واقعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ یتیم کے جان اور مال دونوں کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔اس کی عزت کا خیال رکھنا اس سے محبت اور شفقت کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔اور ان کی شادی بیاہ کا بندوبست کرنا چاہیے۔

اس کے ساتھ ساتھ اسلام مسلمان حکمرانوں کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے کہ وہ یتیموں کے جان' مال' عزت' مفادات اور معاملات کی دیکھ بھال کرے اور ان کی شادی بیاہ کا بندوبست بھی کرے۔

6- مسافروں کے حقوق

سفر کی حالت میں انسان اپنے گھر سے دور ہوتا ہے اور وقتی طور پر ان آسائشوں سے محروم ہوتا ہے جو اسے اپنے گھر میں مہیا ہوتی ہیں۔اس لیے اُن کا خیال رکھنے پر زور دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف میں سے ایک مصرف انہیں بھی قرار دیا ہے۔ آپ اپنی زکوٰۃ اور صدقات وخیرات سے ان کی ضرورت پوری کر سکتے ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مسافر اور انجانے مہمانوں کی شکل میں آئے ہوئے فرشتوں

کے ساتھ جو سلوک کیا۔ اس سلسلے میں ہم اُس سے بھی راہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

نبی پاک ﷺ بھی مسافروں کی عزت و احترام کرتے اور صحابہ کرامؓ بھی ان کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ مسافر کی خدمت میں خوشی محسوس کریں۔ اگر کوئی سفر سے واپس آیا ہو تو خوشی سے اس کا استقبال کریں اور اگر کوئی سفر پر روانہ ہو رہا ہو تو اسے اچھے طریقے سے دعا کے ساتھ رخصت کریں۔ اُس کی سلامتی کے لیے دعا کریں۔

حضرت لوط علیہ السلام بھی اپنے مہمانوں کا خاص خیال رکھتے تھے پس ہمیں بھی چاہیے کہ مسافر مہمانوں کا خاص خیال رکھیں۔

7- بیماروں اور معذوروں کے حقوق

معذوری بے بسی کا نام ہے اور معذور شخص بے بس ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے معذوری کی بنا پر لوگوں کے حقارت آمیز القابات رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ جیسے کسی کو لنگڑا، بولا یا کانا کہا جانا اسلام میں اس کی ہرگز اجازت نہیں بلکہ اللہ کا شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کو کسی قسم کی معذوری سے محفوظ رکھا ہے اور اس شکر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ہم معذور لوگوں کی مدد کریں۔ ان کی عزت و احترام کا خیال رکھیں۔ انہیں ان کی معذوری کا احساس نہ دلائیں۔ ان کی عزت نفس کو مجروح نہ ہونے دیں۔ ان کی اس طرح خدمت اور تربیت کریں کہ وہ اپنے کام خود کرنے کے قابل ہو جائیں۔ اس خدمت میں کوتاہی کرنے والے کو قیامت کے دن ذلت و ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ نے کسی بیمار یا معذور کی خدمت کو اپنی خدمت قرار دیا ہے۔ مریض کی عیادت کرنا ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا حق ہے اور اللہ سے محبت کا تقاضا بھی ہے جو شخص اللہ سے تعلق رکھتا ہے وہ اس کی مخلوق سے لاتعلق نہیں ہوسکتا نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

> ''قیامت کے روز اللہ فرمائے گا'' اے آدم کے بیٹے میں بیمار پڑا اور تو نے میری عیادت نہیں کی' بندہ کہے گا'' پروردگار! آپ ساری کائنات کے رب ہیں بھلا میں آپ کی عیادت کیسے کرتا!'' اللہ فرمائے گا میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔ اگر تو اس کی عیادت

> کو جاتا تو مجھے وہاں پاتا اس طرح ایک اور جگہ فرمایا کہ ''جس نے اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کی وہ جنت کے بالا خانے میں ہوگا۔''

آپ ﷺ خود بھی مریضوں کی عیادت کرتے تھے ان کی صحت یابی کے لیے دعا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے معذوروں کو اپنے حقوق و عبادات کے لیے سلسلے میں خاص رعایتیں دے رکھی ہیں یہ بات ہمارے لیے ترغیب کا درجہ رکھتی ہے کہ ہم بھی ان کے ساتھ شفقت اور رعایت برتیں۔

سورۃ الفتح میں نابینا، لنگڑے اور مریض کا نام لے کر فرمایا گیا ہے کہ ان پر جہاد میں شمولیت لازم نہیں اس طرح سورۃ التوبۃ میں ضعفاء کے ساتھ بھی جہاد وغیرہ کے سلسلے میں نرمی برتی گئی ہے۔

نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے:

> ''کسی بھولے بھٹکے کو یا کسی نابینا کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے۔''

بیمار کی عیادت لازمی قرار دی گئی ہے۔ اس کی خدمت گزاری اور تیمار داری بھی عیادت میں شامل ہے نہ کہ صرف اس کا پتا لینے جانا۔ اسلامی معاشرے کی تو بنیاد ہی انسانی ہمدردی پر ہے اور اس ہمدردی کے زیادہ حقدار بیمار، معذور اور مجبور انسان ہیں۔

8- بیواؤں کے حقوق

اسلام سے پہلے بیواؤں عورتوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا تھا وہ انتہائی دردناک تھا۔ ان کے ساتھ جانوروں کی طرح کا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ شوہر کی وفات کے بعد وہ شوہر کے وارثوں کی غلام ہوا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ عرب میں سوتیلے بیٹے باپ کی وفات کے بعد ماؤں سے نکاح کرلیا کرتے تھے۔ یہودیوں میں یہ شوہر کے بھائی کی ملکیت قرار پاتی تھیں اور ہندو مذہب نے تو ان سے زندہ رہنے کا حق بھی چھین لیا تھا۔ انہیں شوہر کے ساتھ ہی زندہ جلا دیا جانے لگا یا پھر انہیں ساری عمر نحوست کی علامت بن کر سوگ میں زندگی گزارنی پڑتی۔ اسلام آیا تو اس نے عورتوں کے ساتھ ساتھ بیوہ عورتوں

کے بھی حقوق مقرر کیے خاوند کی وراثت میں اس کا حق مقرر کیا۔ مہر کی ادائیگی پہلے نہ ہونے کی صورت میں شوہر کے مال میں سے تقسیم وراثت سے پہلے اس کی ادائیگی لازمی قرار دی۔ خاوند کی موت کا دائمی سوگ ختم کیا قرآن میں اس سوگ کی مدت چار ماہ دس دن قرار دی گئی اور اگر بیوہ حاملہ ہے تو یہ عدت حمل وضع ہونے تک ہے۔ عدت پوری کرنے کے بعد اسے اپنی مرضی سے دوسری شادی کی اجازت دی گئی۔ لوگوں کو ان کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا اور جو لوگ بیوہ اور مسکین کے لیے دوڑ دھوپ کرتے ہیں انہیں مجاہد فی سبیل اللہ اور دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے والے کے برابر قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''بیوہ عورت کو دوسرا نکاح کرنے سے نہ روکا جائے۔ انہیں بھی معاشرے میں وہی مقام دیا جائے جو عام عورت کو حاصل ہے۔''

9- غلاموں کے حقوق

اسلام نے غلاموں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا حکم دیا۔ آپ ﷺ خود بھی غلاموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اپنے غلاموں اور نوکروں کو وہی خوراک کھانے کے لیے دو جو خود کھاتے ہو۔ انہیں وہی کپڑا پہننے کے لیے دو جو خود پہننا پسند کرتے ہو۔ اگر وہ کسی ایسے جرم کا ارتکاب کریں جسے تم معاف نہ کرسکتے ہو تو انہیں آزاد کردو۔ مگر ان سے سختی سے پیش مت آؤ۔ اللہ کے نزدیک وہ بھی ایسے ہی ہیں جیسے کہ تم۔''

10- محتاجوں اور مسکینوں کے حقوق

محتاجوں اور مفلسوں کی اعانت اور مظلوموں کی حمایت کا اسلام نے حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے بے پناہ محبت ہے۔ پس جو کوئی اس کے بندوں سے محبت کرتا ہے۔ وہ اس سے خوش ہوتا ہے۔ محتاج کی حاجت روائی کریں۔ بھوکے کو کھانا کھلائیں اور کسی ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کریں اس سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ خوش ہوتا ہے آپ ﷺ نے کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹایا۔

فقیروں اور محتاجوں کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بھی زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یہ وہ لوگ ہیں جن کے مالوں میں حاجت مندوں اور ناداروں کے لیے معلوم ومقرر حصہ ہے۔''

مسکین وہ ہوتے ہیں جنہیں اللہ نے اس قابل نہیں بنایا کہ وہ اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کرسکیں ان کے پاس حصول معاش کا ذریعہ تو ہوتا ہے مگر وہ ان کی ضروریات زندگی گزارنے کے لیے کافی نہیں ہوتے ایسے لوگوں کی مدد کرنا بھی ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو مال دے کر اور کچھ کو نہ دے کر آزمایا ہے۔ پس جنہیں مال دیا گیا ہے۔ ان کی آزمائش تبھی پوری ہوتی ہیں جب وہ اپنے پسندیدہ مال میں سے خرچ کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ تم اپنا پسندیدہ مال اللہ کی راہ میں ضرورت مندوں پر خرچ کرو۔

(البقرۃ)

جو لوگ نہ خود مسکین کو کھانا کھلاتے ہیں اور نہ دوسروں کو ایسا کرنے دیتے ہیں دراصل یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی آخرت کو بھول بیٹھے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ مال و دولت ہمیشہ ان کے پاس رہے گا۔ حالانکہ یہ سب عارضی چیزیں ہیں۔ دنیاوی مال و متاع انسان کو سرکش بنا دیتا ہے اور اسلام سے دور لے جاتا ہے۔ ہمیں ہر لحہ اللہ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرنا چاہیے اور اپنے مال میں سے ہمیشہ ضرورت مندوں کو حصہ دینا چاہیے۔

11- مہمانوں کے حقوق

مہمانوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کے گھر میں جب کوئی مہمان آتا تو آپ ﷺ کی اس کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے گھر میں جو کچھ ہوتا سب کچھ سامنے لا کر رکھ دیتے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے دوسرے صحابی کی مہمان نوازی کی۔ گھر میں صرف ایک شخص کا کھانا موجود

تھا۔ چراغ بجھا کر خود بھوکے رہے اور مہمان کا پیٹ بھر دیا صبح جب رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا" رات کو تمہاری مہمان نوازی اللہ کو بہت پسند آئی۔"

تواضع نبی پاک ﷺ کی صفتوں میں سے ایک صفت ہے۔ اس طرح مہمان کو بھی چاہیے کہ زیادہ دیر رک کر میزبان کو تنگ مت کرے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"مہمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ میزبان کے گھر اتنا ٹھہرے کہ اس کو پریشانی میں مبتلا کر دے۔"

پس میزبان ہو یا مہمان دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیے۔

12- جانوروں کے حقوق

اسلام وہ عالمگیر مذہب ہے جس نے صرف انسانوں ہی کے نہیں بلکہ جانوروں کے بھی حقوق مقرر کیے یعنی ان سے حسن سلوک کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے جانوروں سے بھی حسن سلوک سے پیش آنے کا حکم دیا فرمایا۔

"جب جانوروں کو ذبح کرو تو چھری تیز کر لو تاکہ اسے تکلیف محسوس نہ ہو۔"

نبی پاک ﷺ نے جانوروں کے ساتھ ظلم کے خلاف متنبہ کیا۔ انہوں نے اپنی قوم کو ان کے ساتھ رحمدلی کی نصیحت فرمائی۔ حضرت محمد ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو ایک یہودی عورت کی مثال بیان کی کہ اس عورت پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا محض اس بات پر کہ اس نے ایک بلی کو بھوکا رکھ کر مار ڈالا۔ اس طرح آپ ﷺ نے ایک اور عورت کا قصہ بیان فرمایا:

ایک عورت نے راستے میں ایک پیاسا کتا پایا جو پیاس کی شدت سے مرا جا رہا تھا۔ اس نے اپنا جوتا اتارا اور اسے قریب کے کنویں میں ڈالا اور اس سے پانی نکالا۔ اس نے یہ پانی پیاسے کتے کو پینے کے لیے دیا۔ اس نیک کام پر اللہ کی طرف سے اُس کے

گذشتہ تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔ جانور مختلف طریقوں سے ہماری خدمت کرتے ہیں ہمیں اس کے بدلے میں ان کا خیال رکھنا چاہیے۔ وہ بھی اللہ کی مخلوق میں شامل ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں۔"ایک مرتبہ ہم نبی پاک ﷺ کے ساتھ سفر پر تھے راستے میں ہم نے ایک گھونسلے میں دو چھوٹی فاختائیں بیٹھی دیکھیں۔ ہم نے ان ننھے پرندوں کو پکڑ لیا۔ جب اُن کی ماں گھونسلے میں واپس آئی تو اُس نے گھونسلے کے گرد دیوانہ وار اڑنا شروع کر دیا۔ جب حضرت محمد ﷺ اس جگہ پر پہنچے اور واقعہ آپ ﷺ کے علم میں آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا" اگر تم میں سے کسی نے پرندوں کو پکڑا ہے تو اسے چاہیے کہ پرندوں کی ماں کو راحت پہنچانے کے لیے انہیں فوراً چھوڑ دے۔" تاکہ اُس کی ماں کو قرار ملے۔

گویا جانوروں کو بے قرار یا بے سکون کرنے کی بھی اسلام میں جازت نہیں۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

ایک دوسرے موقع پر انہوں نے چیونٹیوں کے ایک ڈھیر پر کچھ تنکے رکھے اور ان کو آگ لگا دی نبی پاک ﷺ اس بات پر ان سے ناراض ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا" جانوروں کو ان کے چہروں سے مت داغیں کیونکہ یہ جسم کا سب سے نازک حصہ ہوتا ہے۔ اگر جانور کو داغنا ضروری ہو تو اس کی پشت پر داغنا چاہیے۔"

کتنی زیادہ احتیاط برتی گئی ہے اسلام میں ہر معاملے میں اگر جانور کو ذبح بھی کرنا ہو تو چھری وغیرہ اس کے سامنے لانے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اس طرح ایک جانور کے سامنے دوسرے جانور کو ذبح کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔ ان کی آزادی کو بھی سلب کرنے سے منع فرمایا گیا پس ہمیں ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے۔

13- عورتوں کے حقوق وفرائض

اسلام نے جہاں سب لوگوں کے حقوق مقرر کیے وہاں عورتوں کو بھی اس نعمت سے محروم نہیں رکھا خطبہ حجتہ الوداع میں عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کے حوالے سے میں پہلے ان کے حقوق بیان کر چکی ہوں۔ اب مختصر حواصہ ان کے فرائض کے حوالے سے۔

عورت اس کائنات کا ایک بہت ہی اہم حصہ ہے۔ عورت گھر کی چھوٹی سی دنیا کو

بیک وقت کئی صورتوں میں سجاتی ہے۔ کبھی ماں بن کر کبھی بیوی، بیٹی، بہن یا کبھی بہو یا ساس بن کر ہر مرد کے پیچھے ایک عورت کسی نہ کسی صورت میں ضرور ہوتی ہے۔ قوم وملت کو بنانا اور بگاڑنا بہت حد تک عورت کی ذمہ داری میں آتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

''اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح جاہلیت کے دنوں میں اظہار تجمل کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھاؤ۔'' (احزاب:33)

یہ حکم اس کی حفاظت عزت وعصمت کے لیے دیا گیا ہاں اگر اس کو اپنے فرائض منصبی پورے کرنے کی غرض سے گھر سے باہر جانا پڑے تو ضرور جائے اس سے ہرگز منع نہیں کیا گیا مگر نکلے تو ان باتوں کا دھیان ضرور رکھے۔ فرمایا

اے نبی! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور تمام اہل ایمان کی عورتوں سے فرما دو جب وہ باہر نکلیں اپنے اوپر چادر کے پلو اوڑھ لیا کریں یہ اس لیے تاکہ ان کی پہچان ہو اور وہ ستائی نہ جائیں۔'' (الاحزاب:59)

اس طرح عورت کو بوقت ضرورت گھر سے باہر جانے کی اجازت ضرور دی گئی ہے۔ مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ معاشرے میں شر وفساد نہ پھیلے اور وہ اپنی عزت احترام عصمت وعفت کی حفاظت کرتے ہوئے کاروبارِ حیات پورے کر سکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''آپ ایماندار عورتوں کو حکم دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی آرائش کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر جتنا خود ہی ظاہر ہو۔'' (النور:31)

پھر فرمایا۔

''اور اپنے پاؤں زمین پر ایسے نہ ماریں کہ جھنکار کانوں میں پہنچے اور ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے۔'' (النور:31)

دوسروں کے ساتھ بات کرتے ہوئے کس طرح کا انداز اختیار کرے یہ بھی سمجھایا گیا۔

''اور کسی اجنبی شخص سے نرم نرم باتیں نہ کیا کرو تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہو کوئی امید نہ پیدا کرے اور ان سے گفتگو باوقار انداز سے کیا کرو۔'' (الاحزاب:32)

پس عورت جہاں عظمت اور احترامِ انسانیت کی بنیاد رکھ سکتی ہے وہاں اپنی شرارت سے اسے فنا بھی کر سکتی ہے ہمیں اسلام کی طرف سے دیئے گئے حقوق کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے وقار، عزت، حیا اور عصمت کی حفاظت کرتے ہوئے اپنے فرائض منصبی ادا کرنے چاہئیں۔ ہمیں شرم وحیا کا پیکر ہونا چاہیے۔

نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے:

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تمام نعمتیں اچھی ہیں مگر سب سے زیادہ اچھی نعمت نیک عورت ہے۔'' (صحیح بخاری)

پس اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیئے ان سب کے بدلے میں جو فرائض ہم پر عائد کیے گئے ہیں اپنے حقوق کی بات کرتے ہوئے ہمیں ان فرائض کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے۔

14- حقوق زوجین

اسلام رشتہ ازدواج کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے ''نکاح میری سنت ہے اور جو کوئی میری سنت سے گریز کرے گا اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔''

آپ ﷺ نے ایک اچھی اور نیک شریکِ حیات کو اللہ کی بڑی نعمت قرار دیا ہے جو میاں بیوی ایک دوسرے کے حقوق خوش اسلوبی اور خوش دلی سے ادا کرتے ہیں ان میں پیار ومحبت کا رشتہ مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے۔

شوہر پر اس کی بیوی کا حق ہے کہ وہ مہر ادا کرے، اس کے نان ونفقہ کا انتظام کرے۔ اس کے عزیزوں سے بھلائی سے پیش آئے اور اسلام عورت کو حکم دیتا ہے کہ وہ بغیر شوہر کی اجازت کے نہ خود گھر سے نکلے نہ دوسروں کو گھر میں آنے کی اجازت دے۔ شوہر کی

کمائی کو دیانت داری اور خوش سلیقگی سے استعمال کرے اس کی اولاد کی خدمت کرے۔"

دیگر مذاہب کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو ازدواجی زندگی سے فرار ہی زندگی میں قرب الٰہی کا ذریعہ ہے ان کے مطابق اگر کوئی گناہ سے محفوظ زندگی گزارنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ازدواجی زندگی سے مکمل کنارہ کشی اختیار کرے مثلاً عیسائیت نے اپنے پیروکار کو اسی بات کی تلقین کی اور رہبانیت کا درس دیا ہے۔ ان کے گرجا گھروں میں نن اور پادری اکثر ایسی ہی زندگی گزارتے ہیں۔ اس طرح یہودیت نے اپنے متعبین کو یہ ذہن نشین کرایا ہے کہ عورت بدی کا مجسمہ ہے۔ اگر اس کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم کرو گے تو شیطان کے جال میں پھنس جاؤ گے وغیرہ وغیرہ مگر اسلام نہ صرف ازدواجی زندگی کی اجازت دیتا ہے بلکہ بلا عذر اس سے علیحدگی کو گناہ قرار دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ"
(البقرۃ:187)

"تمہاری بیویاں تمہارے لیے لباس کی حیثیت رکھتی ہیں اور تم ان کے لیے لباس کی مانند ہو۔"

اصل میں لباس انسان کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ جسم کے عیبوں کو چھپاتا ہے۔ پس اس طرح میاں بیوی کو ایک دوسرے کی خامیوں کی پردہ پوشی کرنی چاہیے۔ عورت کے اخلاق کا کمال یہی ہے کہ شوہر کی ہر کمزوری کو چھپائے اُسے بہتر سے بہتر صورت میں پیش کرے اور مرد کو بھی یہی چاہیے۔

دین اسلام میں مساوات حقوق میں ضرور ہے، مگر میدان حیات میں دونوں کے فرائض مختلف ہیں۔ کچھ لوگوں نے حقوق مساوات کے معنی غلط لے لیے ہیں اگرچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"عورتوں کے بھی ایسے ہی حقوق ہیں جیسے کہ ان پر مردوں کے حقوق ہیں۔"
(البقرۃ:288)

اور فرمایا:

"عورتوں کے لیے بھی اپنی کمائی میں سے حصہ ہے۔"

مگر طبعی طور پر مردوں میں کچھ ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو عورتوں میں نہیں اور عورتوں کی جبلی خصوصیات مردوں سے مختلف ہیں دونوں کی جسمانی ساخت اور جبلتوں کا فرق اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو مختلف مقاصد کے لیے پیدا کیا ہے دونوں کو اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اپنے فرائض احسن طریقے سے نبھانے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ دونوں کے حقوق پورے ہوسکیں۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو انتظامی فوقیت دی ہے۔ پس مرد گھر کا سربراہ ہوتا ہے اور عورت گھر کی مشیر اگر دونوں مل جل کر پیار و محبت سے زندگی گزاریں تو بہت سے جھگڑوں سے بچا جاسکتا ہے۔

شوہر کے فرائض

1- حسن سلوک:

اسلام نے شوہر کو بیوی سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے تاکہ گھر جنت کا نمونہ بن جائے۔ فرمایا:

"عَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ"

"یعنی تمہیں اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک سے زندگی بسر کرنی چاہیے۔"

"اور اگر کسی وجہ سے تم اپنی بیویوں کو ناپسند کرتے ہو تو کیا پتا کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو مگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس میں بے شمار خیر و برکت رکھی ہو۔" (النساء:19)

پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا:

"خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ" (ترمذی)

"تم میں سے وہ بہتر ہے جو اپنی بیوی کے حق میں بہتر ہے۔"

پھر کہا:

''اگر تم اپنی بیوی میں کوئی عیب دیکھو تو اس سے نفرت مت کرو' کیونکہ اگر غور سے دیکھو گے تو تمہیں اس میں کوئی اچھی بات نظر آ جائے گی۔''

ایک اور موقعہ پر فرمایا:

شوہر کا یہ فرض ہے کہ جب خود کوئی چیز کھائے تو بیوی کو حصہ دے اور جب کوئی نیا لباس پہنے تو بیوی کو بھی پہنائے نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے اور نہ اسے گالی دے۔'' (ابن ماجہ)

2- مہر کی ادائیگی

مہر کی ادائیگی شوہر کی ذمہ داری ہے کیونکہ یہ رقم حقوق زوجیت کے عوض اللہ نے مرد پر فرض کی ہے' عورت کی عزت وتکریم کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً'' (النساء:24)

''اپنی بیویوں کا حق مہر ادا کرنا تم پر فرض ہے۔''

نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔

''جس نے زر مہر کے عوض کسی عورت سے نکاح کیا اور نیت یہ رکھی کہ وہ ادا نہ کرے گا تو وہ زانی ہے۔''

مزید ارشاد کیا:

''بابرکت نکاح وہ ہے جو مالی لحاظ سے آسان ہو۔ (جس کا مہر کم ہو) اور عورت زیادہ مصارف کے لیے مرد کو پریشان نہ کرے بلکہ جو مل جائے اس پر قناعت کرے۔''

3- نان ونفقہ

بیوی کی جائز ضروریات پوری کرنا شوہر کا فرض ہے۔ اس میں اس کے لباس'

اس کی خوراک اور رہائش کی ضروریات شامل ہیں۔ اس سلسلے میں اسلام نے کوئی حد مقرر نہیں کی بلکہ یہ شوہر کی حیثیت کے مطابق ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مالدار پر اس کی طاقت کے مطابق ذمہ داری ہے اور مفلس پر اس کی حیثیت کے مطابق۔ (البقرہ:236)

حدیث ہے:

''انسان کے اعمال کے پلڑے میں جو چیز سب سے پہلے رکھی جائے گی وہ اس کا اپنے کنبہ پر خرچ کیا ہوا مال ہے۔'' (مسلم)

مزید فرمایا:

''جب بندہ اپنے گھر والوں کے کام سے باہر نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلے ایک درجہ لکھتا ہے اور جب وہ فارغ ہوتا ہے تو اس کی مغفرت کر دیتا ہے۔''

4- ظلم سے اجتناب

اسلام نے اپنی بیویوں پر ظلم کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے' جسمانی سزا' ایذا رسانی' تذلیل کرنا' روحانی اذیت یا گالی گلوچ کی ممانعت ہے۔ البتہ یہ شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اہل خانہ جس میں بیوی بھی شامل ہے کہ اخلاقی اور دینی تربیت کرے ارشاد ربانی ہے:

''اے مومنو! اپنے آپ کو اور اہل خانہ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔'' (التحریم:6)

قرآن نے ہمیں یہ دعا سکھائی:

''اے رب ہمارے! ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا۔'' (الفرقان:74)

ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں ان میں عدل و مساوات ضروری ہے۔
دوسرا نکاح عدل کی شرط سے مشروط ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''پس اگر تم کو اندیشہ ہو کہ عدل نہیں کر سکو گے تو ایک پر اکتفا کرو۔''
(النساء: 3)

اس کے علاوہ معمولی معمولی بات پر مشتعل ہو جانا اور طلاق تک نوبت پہنچانا گھریلو زندگی کو جہنم بنا دیتا ہے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''عورت کو نرمی، پیار و حکمت سے سمجھاؤ، عورتوں سے اچھا سلوک کرو، عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلیوں میں سب سے اوپر کا حصہ ٹیڑھا ہوتا ہے اس کو سیدھا کرو گے تو ٹوٹ جائے گی۔''

پس ازدواجی زندگی کی کامیابی، تحمل، درگزر اور باہمی عفو پر مبنی ہے۔

5- میراث

بیوی کو اپنے شوہر کی میراث میں سے بھی اسلام نے حصہ دیا اگر اولاد ہو تو آٹھواں حصہ اور نہ ہو تو چوتھا حصہ۔

6- رازداری

شوہر کا فرض ہے کہ وہ بیوی کے راز کو پوشیدہ رکھے اور بیوی کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ شوہر کی راز دار ہو کیونکہ اسلام نے دونوں کو ایک دوسرے کا لباس کہا ہے۔
آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''قیامت کے دن بدترین شخص وہ ہو گا جو بیوی کے راز سے باخبر ہو اور اسے افشا کرے۔''

7- خلع کا حق

اسلام نے جس طرح مرد کو طلاق کا حق دیا اس طرح عورت کو بھی خلع کا حق دیا اگر شوہر بیوی کے معاشی اور ازدواجی حقوق ادا کرنے کے قابل نہ ہو یا پھر انتہائی ناگزیر

حالات میں عورت مرد سے خلع کا مطالبہ کر سکتی ہے اور مرد کا فرض ہے کہ وہ اس کے اس حق کو پورا کرے۔

بیوی کے فرائض

جس طرح اسلام نے مردوں پر کچھ فرائض عائد کیے اس طرح عورتوں کو بھی کچھ ذمہ داریاں سونپیں اسے اپنے حقوق کے ساتھ ان ذمہ داریوں کو بھی نبھانا ہے جو کہ مردوں کے حقوق میں شامل ہیں۔

1- اطاعت و فرمانبرداری

بیوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے شوہر کی فرمانبردار ہو، خاوند کی جائز باتوں کو مانے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ'' (النساء:34)

''پس نیک بیویاں وہ ہیں جو اپنے شوہروں کی فرمانبردار ہوتی ہیں۔''

نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

''اگر بیوی کی موت ایسی حالت میں واقع ہوئی کہ اس کا شوہر اس سے راضی اور خوش ہو تو وہ عورت یقینی طور پر جنت کی مستحق ہے۔'' (ترمذی)

''اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کریں۔'' (ترمذی)

مگر اگر شوہر دینی فرائض سے روکے تو ایسی حالت میں اطاعت جائز نہیں کیونکہ خالق کی نافرمانی میں کسی کی بھی اطاعت کرنا جائز نہیں۔

2- مال و عزت کی حفاظت

اسلام عورت پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ شوہر کی عدم موجودگی میں اس کی عزت اور مال کی حفاظت کرے۔

اس سلسلے میں چند احادیث:

1- ''عورت کا یہ حق نہیں کہ شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر آنے دے۔''
(بخاری)

2- جب کسی عورت کا شوہر باہر چلا جائے تو وہ اس کی عدم موجودگی میں اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرے اور اس کے مال کی نگرانی میں شوہر کی خیر خواہ ہو۔'' (ابن ماجہ)

3- خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا' خاوند کا بیوی پر یہ حق ہے کہ وہ بستر کو کسی دوسرے مرد سے پامال نہ کرے۔'' (سیرت ابن ہشام)

اپنے شوہر کی ناراضگی سے بچے' اس کی پردہ داری کرے اور مرد کیونکہ معاشی ضروریات کا کفیل اور اس کی عزت وعظمت کا محافظ ہے اس لیے اس کی احسان مند ہو۔

ایک دفعہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

''میں نے معراج کی رات عورتوں کو مردوں کی نسبت زیادہ تعداد میں جہنم میں جلتے دیکھا ہے۔

وجہ پوچھی گئی تو فرمایا:

''تم اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہو اور حق ناشناس ہو۔''

3- آرائش وزیبائش

خاوند کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے عورت کا صاف ستھرا رہنا اور آرائش و زیبائش کرنا مستحسن ہے۔ ایک مرتبہ ایک عورت آپ ﷺ کے پاس بیعت کے لیے حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا'' کیا تمہیں اتنی توفیق بھی نہیں کہ اپنے ہاتھوں کو مہندی لگا لیا کرو۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''بہتر بیوی وہ ہے کہ جب اسے خاوند دیکھے تو خوش ہو جائے۔''

(نسائی)

شوہر کی رضا عورت کے فرائض میں شامل ہے' اسے چاہیے کہ وہ شوہر کی مزاج شناس ہو اور اسے ناراضگی کا موقع مت دے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

''تین آدمیوں کی نہ نماز قبول ہوتی ہے نہ قربانی' ان میں سے ایک وہ عورت ہے جس کا شوہر اس سے ناخوش ہو۔''

4- اقربا سے حسن سلوک

بیوی کا ایک فرض یہ بھی ہے کہ وہ شوہر کے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے گھریلو جھگڑوں کی بنیاد یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ شوہر کے ماں باپ اور بہن بھائیوں کی عزت کرے اس طرح شوہر کا بھی فرض ہے کہ وہ بیوی کے رشتہ داروں سے حسن سلوک سے پیش آئے۔

5- اولاد کی تربیت

بیوی کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اولاد کی اچھے طریقے سے تربیت کرے تاکہ وہ اچھے اور سچے مسلمان بن سکیں اولاد کی تربیت میں ماں کا بڑا کردار ہوتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ سب عظیم لوگوں کی مائیں عظیم تھیں۔ بے دین ماں کی اولاد بھی بے دین ہوگی' ماں کی گود میں سیکھا ہوا سبق انسان کو کبھی نہیں بھولتا شاید اس لیے اللہ تعالیٰ نے جنت ماؤں کے قدموں تلے بچھا دی اللہ تعالیٰ ہمیں احسن طریقے سے اپنے فرائض نبھانے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

پس اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم بنا دیا پھر ان کی باہمی رفاقت سے تخلیق انسان کا کام بھی لیا گیا۔

پھر ان دونوں کو زندگی گزارنے کے طریقے بتا دیئے نیکی اور بدی کی راہیں کھول کر ان کے سامنے رکھ دیں اب کون سا راستہ اختیار کرنا ہے یہ ہم پر منحصر ہے۔ جنت کا راستہ' یا جہنم کا راستہ' اللہ تعالیٰ ہمیں اس راستے پر چلائے جو جنت کی طرف جاتا ہے۔ آمین۔

مندرجہ بالا تمام لوگوں کے حقوق فرائض کی روشنی میں جو بات سب سے اہم

ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہی ہے کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات خوشگوار ہوں اور معاشرہ پُرامن اور خوشحال رہے۔

کوئی بھی ایسی بات یا کوئی بھی ایسا کام جو دوسروں کی دل آزاری کرے یا کسی کے لیے تکلیف کا سبب بنے اسلام میں اس کی ہرگز اجازت نہیں خواہ وہ کتنا ہی معمولی ہو مثلاً غیبت ہی کو لے لیجئے اسے معاشرے میں فتنہ وفساد اور لڑائی جھگڑے کی جڑ سمجھا جاتا ہے۔ یہ بظاہر معمولی سی بات محسوس ہوتی ہے مگر دلوں میں رخنہ ڈال دیتی ہے۔ قربتوں کو دوریوں میں محبتوں کو نفرتوں میں اور دوستیوں کو دشمنیوں میں بدل دیتی ہے۔ اس لیے گناہ کے اعتبار سے اسے بہت بھاری کہا گیا۔ ہمارے دل میں جس کے لیے بدگمانی پیدا ہوتی ہے ہم اس کا تذکرہ دوسروں کے سامنے کرتے ہیں۔ اس طرح بدگمانیاں بڑھتی جاتی ہیں اور آہستہ آہستہ پورا معاشرہ فتنہ وفساد کی آماجگاہ بن جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے آپس کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ ''غیبت کا سننے والا غیبت کرنے والے کی مانند ہے'' ہمیں کسی کی غیبت سننی بھی نہیں چاہیے کیونکہ اس طرح ہم دوسرے کے بارے میں وہ غلط رائے قائم کر لیتے ہیں جو غیبت کرنے والا اپنی کسی ذاتی عناد' تعصب' تنگ نظری' کینہ' حسد اور بغض کی وجہ سے دیتا ہے۔ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے: ''اپنے آپ کو غیبت سے بچاؤ' اس میں تین مصائب ہیں۔ اول غیبت کرنے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی دوم اس کی نیکیاں قبول نہیں ہوتیں۔ سوم اس پر گناہوں کی یلغار ہوتی ہے یہ میں نے ایک مثال دی ہے۔

جس کی وجہ سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو اللہ اسے کتنا ناپسند کرتا ہے۔ اس طرح' جھوٹ' بغض' حسد' منافقت' تعصب اور کینہ وغیرہ یہ سب وہ رزائل اخلاق ہیں جو معاشرے میں سوائے انتشار اور نفاق کے کوئی فائدہ نہیں دیتے پس ہمیں ایسی تمام برائیوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے جو آپس کے تعلقات میں بگاڑ پیدا کریں دلوں سے محبت اور ہمدردی کو ختم کریں خدمت خلق کے جذبے کو مدھم کر دیں کیونکہ اسلام تو سب سے زیادہ اسی جذبے کو پسند کرتا ہے ارکان اسلام کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہر رکن کا سب سے اہم مقصد ہمدردی کے جذبے کو پروان چڑھانا ہے جیسا کہ نماز ہمیں ہر

روز خدمت خلق کا احساس دلاتی ہے۔ یہ باہمی میل جول کے ذریعے معاشرے میں خیر خواہی' ایثار اور امداد باہمی کے جذبات پیدا کرتی ہے۔ روزہ ہمیں دوسروں کی بھوک' پیاس کا احساس دلا کر خدمت خلق کے لیے ابھارتا ہے۔ اس طرح زکوٰۃ سماجی بہبود کی ہمہ گیر اسکیم ہے۔ عیدالفطر پر صدقہ' فطرانہ اور عیدالضحیٰ پر دی گئی قربانی یہ سب وہ عوامل ہیں جو آپس میں محبت اور ہمدردی کو بڑھاتے ہیں پھر حج وہ رکن ہے جس میں دنیا کے تمام گوشوں سے آنے والے مسلمان ایک میدان میں ایک لباس میں ایک ہی کلمہ اللہ کے حضور پکارتے ہیں ''اے اللہ ہم حاضر ہیں' مساوات' انسانی ہمدردی اور اخوت کی اس سے بڑی مثال آج تک دنیا کے کسی مذہب نے پیش نہیں کی پس دین اسلام کی خصوصیت ہی اجتماعیت ہے۔ دین اسلام کا ایک پہلو حقوق اللہ کی ادائیگی ہے تو دوسرا پہلو معاشرہ اور اجتماع کی فلاح و بہبود ہے یعنی دین اسلام باہمی خیر خواہی کا نام ہے۔''

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اس حوالے سے بات کرتے ہوئے میں نے اس کی تمام خصوصیات (اپنی بساط بھر) بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ قرآنی آیات اور احادیث کے حوالے سے میں اپنی اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوئی ہوں یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے اور میری اصلاح بھی کسی غلطی کی صورت میں' میں اب کچھ غیر مسلم کی رائے دین اسلام کے بارے میں' قرآن کے بارے میں اور ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کے بارے میں دینا چاہوں گی مگر اُس سے پہلے میں چند لوگوں کا انٹرویو لکھنا چاہوں گی جنہوں نے اسلام قبول کیا انہی کے الفاظ میں:

''ہم مسلمان کیوں ہوئے؟''

چند غیر مسلم کی آراء

1- محترمہ مریم جمیلہ (امریکہ) کہتی ہیں: میں اعتراف کرتی ہوں کہ ہر نکتے پر میرے اندر اسلام کی مخالفت کا جذبہ دم توڑتا گیا۔ اگرچہ یہ بات بہت ناممکن لگتی تھی' مگر میں یہ تسلیم کیے بغیر نہ رہ سکی کہ انسانی تاریخ میں مکمل انقلاب ایک فرد محمد ﷺ ہی نے برپا

کیا تھا جبکہ بیسویں صدی کے تمام تر وسائل کے باوجود آج کی بہترین حکومتیں اس انقلاب کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکیں اور تہذیبی وفکری اصلاح کے لیے اسلام کی مرہون منت ہیں۔

اس موقع پر میں چند دیگر مسلمانوں سے بھی ملی اور نومسلم انگریز خواتین سے بھی تبادلہ خیال کیا مگر شرح صدر حاصل نہ ہوسکا۔ اس دوران میں نے کئی کتابوں کا مطالعہ کیا جن میں ''ریلیجن آف اسلام'' ''محمد ﷺ اینڈ کرائسٹ'' اور ''سورسز آف کرسچینٹی'' قابل ذکر ہیں۔ آخرالذکر کتاب کے مطالعے سے یہ انکشاف ہوا کہ عیسائیت اور قدیم بت پرستی کے درمیان حیرت انگیز مشابہت پائی جاتی ہے پھر میں نے قرآن مجید کا مطالعہ بھی کیا۔ شروع میں غیر معمولی تکرار کا احساس ہوا یہ بھی نہیں معلوم کہ میں اس سے کوئی اثر قبول کرتی تھی یا نہیں مگر یہ ضرور محسوس ہوا کہ قرآن نہایت خاموشی سے روح پر اثر انداز ہوتا ہے۔ راتوں پر راتیں بیت گئیں اور میں نے قرآن کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ تاہم میں یہ سوچ کر اکثر حیرت میں ڈوب جاتی کہ ایک انسان پوری نوع انسانی کو مکمل راہنمائی کیسے دے سکتا ہے؟ مسلمان کبھی دعویٰ نہیں کرتے کہ محمد ﷺ فوق البشر تھے۔ مجھے یہ بھی پتا چل گیا کہ اسلامی عقیدہ کے مطابق تمام پیغمبر انسان ہوتے ہیں وہ ہر قسم کے گناہ سے محفوظ ہوتے ہیں اور یہ کہ وحی کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ بنی اسرائیل کے پیغمبروں پر بھی وحی اترتی رہی ہے بالکل اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی پیغمبر تھے یہاں ایک نیا سوال میرے ذہن میں پیدا ہوا کہ پھر بیسویں صدی میں کوئی پیغمبر معبوث کیوں نہیں ہوا؟ اس کا جواب مجھے قرآن سے مل گیا کہ محمد ﷺ اللہ کے آخری پیغمبر اور نبی تھے۔ ذہن نے بھی یہ بات قبول کی واقعی مناسب بھی یہی تھا کہ جب قرآن جیسی کتاب اپنی مکمل صورت میں موجود ہے جو ہر معاملے میں انسان کی راہنمائی کر رہی ہے۔ اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا ہے تو اس صورت میں کسی نئے پیغمبر یا نئی کتاب کی ضرورت بھی کیا ہے؟

اسلام کے بارے میں کافی معلومات حاصل کر لینے کے باوجود میرا ذہن ان تعصبات سے چھٹکارا نہیں حاصل کر سکا تھا جو عیسائی مصنفین نے ہر طرف پھیلا دیئے تھے مثال کے طور پر اب ''تعدادازدواج'' (Polycamy) کے نظریئے نے مجھے پریشان کر دیا۔ میں نے سوچا کہ کم از کم اس معاملے میں مغرب نے اسلام پر ضرور سبقت حاصل

کی ہے۔ اور یک زوجی (MonoGamy) کا نظریہ فطری بھی ہے اور ترقی پسندانہ بھی۔ اس کا ذکر میں نے ایک مسلمان دوست سے کیا تو انہوں نے متعدد اخباری تراشوں اور مضمونوں کی مدد سے مجھے مغرب کی یک زوجی تصویر دکھا دی کہ کس طرح قانونی بیوی تو بلاشبہ ایک ہوتی ہے مگر مرد اس کے علاوہ بیک وقت دس دس عورتوں سے تعلقات قائم کر لیتا ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ اسلام میں تعدادِازدواج پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا لیکن چونکہ یہ مذہب ایک مکمل ضابطہ حیات پیش کرتا ہے۔ اس لیے کسی بھی ہنگامی اضطراری صورت حال سے نپٹنے کے لیے اس امر کی اجازت دی گئی ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں نکاح میں لائی جاسکیں۔ (یہاں میں اس بات کی وضاحت کر دوں کہ یہ اجازت عدل کے ساتھ مشروط ہے جس کا ذکر میں پہلے باب میں کر چکی ہوں)

یہ مرحلہ طے ہوا تو اسلام میں طریق عبادت کا مسئلہ سامنے آ کھڑا ہوا۔ آخر نمازوں کی اتنی کثرت میں کیا تک ہے اور ان کا تواتر تو بالکل بے معنی لگتا ہے۔ میرے مسلمان دوست نے اس کا برجستہ جواب دیا ''موسیقی کی اس پریکٹس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ جس میں تم لوگوں کا جی چاہے نہ چاہے ضرور حصہ لیتے ہو اور روزانہ آدھا گھنٹہ' اس میں صرف کرتے ہو۔ یورپ میں لوگوں نے موسیقی کو روحانی غذا قرار دے دیا ہے اور بالکل یہی معاملہ اسلامی عبادات کا ہے۔ حالانکہ موسیقی سکون حاصل کرنے کا ایک مصنوعی اور عارضی طریقہ ہے۔ جبکہ عبادات انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور دیرپا اثرات کی حامل ہے۔ میرے مسلمان دوست نے بتایا کہ عبادت خدا کے فائدے کے لیے نہیں کی جاتی اس کے فوائد براہِ راست خود انسانی ذات کو پہنچتے ہیں۔ (یہ فوائد بھی میں پہلے ابواب میں بتا چکی ہوں کہ کس طرح اسلامی عبادات ہماری ذات پر اثر انداز ہوتی ہیں) یوں میں مرحلہ وار اسلامی صداقت کی قائل ہوئی اور آخر کار اسلام قبول کر لیا۔ میں نے فیصلہ مکمل ذہنی وقلبی اطمینان کے ساتھ کیا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ میرا جذباتی فیصلہ ہے بلکہ تقریباً دو سال تک میں نے ایک ایک معاملے پر غور وخوض کیا ہے۔ ایک ایک بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا ہے اور جب میں نے یقین حاصل کر لیا ہے کہ اسلام وہ زر خالص ہے۔ جو ہر معیار پر پورا اترتا ہے تو میں نے اسے شرح صدر کے ساتھ قبول کر لیا

ہے۔"الحمدللہ رب العالمین" یہ ہیں وہ احساسات جو ایک غیر مسلم عورت نے مرحلہ وار اسلام کے بارے میں محسوس کیے انہیں عقل کی کسوٹی پر پرکھا اور ان کی صداقت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے دل اور زبان دونوں سے قبول کرلیا۔"سبحان اللہ"

(2) Willium Bashir Pickard ولیم بی اے (کینٹب) ایل ڈی (لندن): ایک مصنف' شاعر اور ناول نگار کی حیثیت سے زبردست شہرت کے حامل ہیں۔ان کی تصانیف میں "لیلیٰ اور مجنوں" "القاسم کے سفر" اور "نئی دنیا" خاص اہمیت رکھتی ہیں۔وہ کہتے ہیں پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کا مشہور مقولہ ہے۔"ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔اس کے والدین ہیں جو اسے یہودی یا مجوسی یا عیسائی بنا دیتے ہیں۔اس قول صادق کی رو سے میں بھی پیدائشی طور پر مسلمان تھا مگر اس حقیقت سے باخبر میں سالہا سال کے بعد ہوا۔اسکول اور کالج کی زندگی میں میری ساری دلچسپیاں نصابی سرگرمیوں تک محدود تھیں یا پھر اچھا کھانا اور اچھا پہننا طبیعت کو بہت مرغوب تھا۔میرا شمار غیر معمولی ذہین طلبہ میں نہیں ہوتا تھا مگر بلند عزائم سینے میں ہر وقت مچلتے رہتے تھے۔مذہب عیسوی کے جیسے بھی معیار ہیں' میں نے ان کے مطابق خدا اور عبادت کے تصورات کو پہچاننے کی کوشش کی۔اس وقت یہ ساری باتیں مجھے بہت اچھی لگتی تھیں۔اس کے علاوہ میں جن انسانی خصوصیات کو پرستش کی حد تک پسند کرتا تھا وہ شرافت اور جرأت تھی کیمبرج سے فارغ ہو کر میں ملازمت کے سلسلے میں وسطی افریقہ کے ملک یوگنڈا چلا گیا یہاں انسانی زندگی کے بعض انوکھے اور دلچسپ پہلوؤں کا مشاہدہ ہوا۔میں نے دیکھا کہ یہ لوگ اگرچہ سیاہ فام ہیں مگر ان کے دل خلوص اور انسانی ہمدردی کی روشنی سے منور ہیں۔ان کی زندگی سادہ ہے۔مگر سچی خوشیوں سے بھرپور ہے۔یہ لوگ مسلمان تھے اور اسلام سے میرا پہلا تعارف انہی کی وساطت سے ہوا۔

یوگنڈا میں میری تنہائیوں کی رفیق "الف لیلیٰ" میں نے اسے پہلے پہل کیمبرج میں پڑھا تھا اس کے مطالعے کا اثر تھا کہ غیر محسوس طریقے سے مشرقی اقدار کی محبت میرے دل میں جاگزین ہوگئی تھی۔یوگنڈا کے قیام نے اس نقش کو مزید گہرا بنا دیا۔

1914ء میں پہلی عالمی جنگ چھڑ گئی تو میں اپنے وطن انگلستان آ گیا' یہاں

آتے ہی میں بیمار پڑ گیا۔صحت بحال ہوئی تو میں نے فوج میں کمیشن کے لیے درخواست دے دی مگر کمزوری اور صحت کی بنیاد پر مجھے کمیشن نہ ملا' میں نے ہمت نہ ہاری اور ایک رضاکار گروپ میں شامل ہو گیا اور بعد میں باقاعدہ فوجی کی حیثیت سے جنگ میں شامل ہوا۔مغربی محاذ پر فرانس کے مقام سوم پر لڑتے ہوئے زخمی ہوا اور دشمنوں کے ہتھے چڑھ گیا جو قیدی بنا کر مجھے جرمنی لے گئے جہاں مجھے سسکتے بلکتے انسانوں کی حالت زار کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا' خصوصاً میں ان روسی قیدیوں کو نہیں بھول سکتا جو پیچش میں مبتلا ہو کر کتوں کی موت مر رہے تھے۔میرا دایاں بازو شدید زخمی ہو کر تقریباً بیکار ہو چکا تھا اس لیے مجھے ہسپتال میں رکھا گیا تھا بعد میں مجھے سوئٹزرلینڈ کے ایک ہسپتال میں منتقل کر دیا گیا۔

رنج و مصیبت' غریب الوطنی اور زندانی کی اس حالت میں مجھے قرآن اکثر یاد آتا تھا۔میرے تصورات پر الف لیلیٰ (Arabian nights) کا ایک منظر چھایا رہتا تھا۔اس میں ایک ناگہانی آفت پورے کے پورے شہر کو مکمل طور پر ملیا میٹ کر دیتی ہے۔مگر ایک نوجوان دنیا و مافیہا سے بے نیاز قرآن کے مطالعے میں اس طرح مستغرق ہوتا ہے کہ اسے گرد و پیش کی تباہی کی خبر تک نہیں ہوتی نہ یہ تباہی اسے کچھ نقصان پہنچاتی ہے چنانچہ میں جرمنی ہی میں تھا جبکہ میں نے اپنے گھر خط لکھ کر سیل Sale کا ترجمہ قرآن منگوانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا بعد میں مجھے پتا چلا کہ یہ بھیجا گیا تھا مگر مجھ تک نہ پہنچا۔

ولیم کی بات کا سلسلہ منقطع کر کے میں اس بارے میں اپنی ذاتی رائے دینا چاہوں گی اس کے بعد پھر اس کا بیان جاری رہے گا۔(یہاں مجھے اقبال کا وہ پیغام شدت سے یاد آ رہا ہے۔کہ جب ہم مسلمان اپنے عروج اور زوال کی بات کرتے ہیں اپنا تابناک ماضی دیکھتے ہیں اور حال پر نظر ڈالتے ہیں تو سوائے بربادی کے کچھ نظر نہیں آتا اس بربادی کا ذمہ دار کون ہے۔اللہ تو ہمیشہ سے انسان کو نوازتا رہا ہے مگر کوئی اس قابل تو ہو۔رتبہ انہی کو ملتا ہے جو اس کے حق دار ہوں نئی دنیا اور ترقی کی راہیں انہیں پر کھلتی ہیں جو انہیں ڈھونڈنے نکلتے ہیں ہم اگر آج خوار ہیں تو وجہ یہی ہے۔اگر کبھی عروج ہمارا مقدر تھا تو سب وہی تھا جو ہم نے گنوا دیا۔)

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

سوئٹزرلینڈ میں میرے بازو اور ٹانگ کا آپریشن ہوا میری صحت بحال ہوئی اور میں چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو میں نے ساواری Savary کا فرانسیسی ترجمہ قرآن خرید لیا (یہ آج بھی میرے پاس موجود ہے جان سے زیادہ عزیز ہے) میں بیان نہیں کر سکتا کہ اس موقع پر قرآن نے مجھے مسرت و اطمینان کی کن انتہاؤں سے ہمکنار کیا۔ یوں لگتا تھا کہ ابدی صداقتوں کی کوئی کرن اپنی تمام تر برکتوں کے ساتھ میرے دل پر نازل ہو رہی ہے۔ جس کی ٹھنڈک اور روشنی روح کی گہرائیوں میں اترتی چلی جا رہی ہے۔ اب میرے دل میں قرآن لکھنے کی خواہش شدت سے ابھرنے لگی۔ دایاں ہاتھ ابھی تک بے کار تھا اس لیے بائیں ہاتھ سے مشق شروع کر دی۔ قرآن کے لکھتے ہوئے میں وہی خوشی اور کامرانی محسوس کرتا تھا جو ایک ننھا بچہ شروع شروع میں کچھ لکھتے ہوئے محسوس کرتا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں سوئٹزرلینڈ ہی میں تھا جبکہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھنے لگا تھا۔ جنگ بند ہوئی تو میں دسمبر 1918ء میں رہا ہو کر وطن واپس آ گیا۔ 1921ء میں میں نے لندن یونیورسٹی کے شعبہ ادبیات میں داخلہ لے لیا۔ میرا ایک مضمون عربی تھا جس کے لیے مجھے کنگز کالج میں لیکچر سننے کے لیے جانا ہوتا تھا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ عربی کے استاد (عراق کے مرحوم بیل شاہ) نے لیکچر کے دوران قرآن کا ذکر کیا اور کہا ”خواہ آپ کا اس پر ایمان ہو یا نہ ہو لیکن آپ اس کتاب کو بے حد دلچسپ اور قابل قدر پائیں گے۔“ لیکن میں تو اس کتاب کی صداقت پر یقین رکھتا ہوں میں نے فوراً جواب دیا اس پر وہ پہلے تو بہت متعجب ہوئے پھر خوشی کا اظہار کیا اور تھوڑی دیر کی گفتگو کے بعد انہوں نے لندن کے ٹوٹنگم گیٹ پر واقع مسجد میں آنے کی دعوت دی۔

میں وہاں گیا نماز میں شریک ہوا اور اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کی مزید کوشش کی بعد میں بھی اکثر مسجد چلا جاتا اور نماز میں شامل ہو جاتا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شرح صدر عطا کر دیا اور میں نے یکم جنوری 1922ء کو مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ میری زندگی

کے اس مقدس انقلاب پر تقریباً نصف صدی کا عرصہ گزر چکا ہے۔ الحمدللہ کہ میں اسلام پر نظری اور عملی دونوں اعتبار سے پختہ اعتقاد رکھتا ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ اللہ کی قوت و حکمت اور رحم و کرم بے کنار ہے اور علم کی حدود جتنی پھیلتی جاتی ہیں اس کی قدرتیں اتنی ہی روشن ہو رہی ہیں میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا کی اطاعت اس کی تسبیح و تحلیل اور عقیدت و محبت ہی ہمارا سرمایہ ہے' افتخار اور توشۂ آخرت ہے۔ الحمدللہ رب العالمین۔

(3) پروفیسر ڈاکٹر ہارون مصطفیٰ لیون ایم اے (شیخ عبداللہ کوئیلم) ڈاکٹر آف فلاسفی' ڈاکٹر آف لٹریچر' ڈاکٹر آف سائنس' ڈاکٹر آف لاز' ایف ایس بی کا اصل نام ڈبلیو ایچ کوئیلم تھا۔ انہوں نے 1882ء میں اسلام قبول کیا۔ وہ غیر معمولی صلاحیتوں کے ماہر لسانیات اور ماہر ارضیات تھے اور یورپ اور امریکہ کی بہت سی اعلیٰ اور ثقہ ترین علمی انجمنوں اور یونیورسٹیوں کے فیلو و اعزازی ممبر تھے۔ وہ متعدد مشرقی زبانوں مثلاً عبرانی عربی' فارسی' ترکی اور پشتو پر استادانہ مہارت رکھتے تھے۔ وہ ایک وقیع جریدے Isle of Men Examine میں لسانیات پر محققانہ مضامین لکھا کرتے' نیز مختلف زبانوں کی گرائمر اور ساخت پر انہوں نے بہت سی قسطوں میں نہایت قابل قدر محققانہ بحث کی اور علمی حلقوں سے اپنی محنت ورف نگاہی کا لوہا منوایا اور بہت سے اداروں اور یونیورسٹیوں نے انہیں اعزازات سے نوازا۔

ڈاکٹر ہارون مصطفیٰ علم الارض پر بھی کامل عبور رکھتے تھے اور یورپ و امریکہ کے ثقہ علمی حلقوں میں ان کے لیکچر توجہ اور شوق سے سنے جاتے تھے' انہی غیر معمولی صلاحیتوں کی بنا پر انہیں لسانیات کے ایک بین الاقوامی ادارے کا سیکرٹری جنرل چنا گیا اور لندن سے چھپنے والے ایک مستند سائنسی رسالے ”فلومتھ“ کا ایڈیٹر بھی بنا لیا گیا۔

انہوں نے عربی اور ترکی لٹریچر پر بھی کئی کتابیں تصنیف کیں۔ ترکی کے سلطان عبدالحمید خان اور آسٹریا کے بادشاہ نے انہیں متعدد تمغوں اور تعریفی اسناد سے سرفراز کیا۔

ڈاکٹر موصوف اسلام کے پرجوش اور ان تھک مبلغ تھے' ان کی تبلیغی مساعی کے نتیجے میں کم و بیش پانچ سو تعلیم یافتہ اور اعلیٰ حیثیت کے انگریزوں اور یورپیوں نے اسلام قبول کیا نتیجہ یہ نکلا کہ چرچ بوکھلا گئے انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے خلاف اوچھا پروپیگنڈا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

شروع کر دیا اور برطانوی حکومت نے انہیں 1908ء میں جلاوطن کر دیا۔ 1912ء تک چار برس کا عرصہ انہوں نے دنیا کے مختلف ملکوں میں گزارہ مگر تبلیغ کے دینی فریضے سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہ رہے۔ 1912ء میں انگلستان پہنچے اور اب لندن کی بجائے لیورپول میں رہائش اختیار کر لی اور وہیں 1936ء میں وفات پائی۔

یہاں ان کی زندگی کے حالات بیان کرنے سے میری مراد یہ ہے کہ یہ وہ لوگ تھے اور تاریخ ایسی بہت سی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ جو غیر مسلم تھے مگر جب ان کے دامن علم و حکمت (جو کہ مومن کا گمشدہ مال ہے) سے بھر گئے تو کائنات کے راز ان پر کھلتے چلے گئے اور اللہ کی واحدانیت اسلام کی سچائی' قرآن کی حقیقت اور سب سے بڑھ کر اس دین کو لے کر آنے والے کی شخصیت نے ان کو اس طرح متاثر کیا کہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے۔

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"

اور صرف پڑھا نہیں یہ کلمہ بلکہ اس پیغام کو اپنے دل و دماغ میں اس طرح رچا بسا لیا کہ اللہ کے اس پیغام پر پورے اترنے لگے۔

"اپنے رب کے راستہ کی طرف دانائی اور اچھی اچھی باتوں کے ذریعے بلاؤ اور بہت پسندیدہ طریقے سے بحث کرو۔" (النحل: 125)

انہوں نے نہ صرف خود اسلام قبول کیا بلکہ لوگوں کو بھی اس کی طرف بلانے لگے اور اس طرح خسارے کی زندگی کو فائدے کی زندگی میں بدل لیا' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قسم ہے عصر کے وقت کی کہ بے شک انسان نقصان میں ہے' مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے۔ دوسروں کو حق بات کی تلقین کی اور پھر مشکل پر صبر کی تلقین کی۔" (العصر)

پس اس صورت کے ذریعے یہ بات لوگوں پر واضح کر دی گئی کہ دنیا کی خسارے کی زندگی کو فائدے میں بدلنے کا یہی طریقہ ہے کہ انسان سچے دل سے ایمان قبول کرے نیک عمل کرے پھر اس سچائی کی دوسروں کو بھی نصیحت کرے کیونکہ ہر مسلمان کا

فرض ہے کہ وہ نیکی کا چاہے کوئی چھوٹا ہی سا پیغام کیوں نہ ہو اسے دوسروں تک پہنچائے اور تبلیغ کے اس راستے میں جن مشکلات کا بھی سامنا ہو انہیں ہمت اور حوصلے کے ساتھ برداشت کرے اور ان سے گھبرا کر حق کا راستہ نہ چھوڑ دے بلکہ صبر کرے بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اگر ہم ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا جو لوگ دین کی راہ پر نکل پڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ غیب کے ذریعے ان کی مدد کرتا چلا جاتا ہے اور وہ دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی حاصل کر لیتے ہیں اس کی ایک مثال ہمارے نامور کرکٹر یوسف یوحنا کی بھی ہے کہ کس طرح انہوں نے اسلام قبول کیا۔ (اب ان کا نام محمد یوسف ہے) ہماری کرکٹ ٹیم کے اوپنر سعید انور کی سرپرستی میں اس نے دین اسلام سے آگاہی حاصل کی اللہ تعالیٰ جب کسی کو ہدایت دینا چاہتا ہے تو وسیلے خود بخود بنتے چلے جاتے ہیں مگر افسوس اس وقت ہوتا ہے۔ جب کوئی نو مسلم مسلمانوں کی طرز زندگی کو دیکھتا ہے تو اسے مایوسی کا سامنا ہوتا ہے۔ جیسا کہ محمد یوسف نے کہا" میں نے جب اسلام قبول نہیں کیا تھا تو میں اسلامی اقدار سے متاثر تھا مجھے ہر شخص مسلمان نظر آتا تھا مگر اب جبکہ میں مسلمان ہوں تو مجھے کوئی مسلمان نظر نہیں آتا۔ ذرا غور کیجئے اس جملے پر یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ کوئی مسلمان نہیں ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ ہم صرف نام کے مسلمان ہیں اسلام کے دیئے ہوئے درس کو ہم نے بھلا دیا۔ آج اسی درس کو یاد کرنے کی ضرورت ہے۔ محمد یوسف کے بقول اس نے جب اسلام قبول کیا اور اسلام کے صحیح معنی کو سمجھ لیا تو اس پر ترقی کی راہیں کھلتی چلی گئیں۔ جنید جمشید کی مثال ہی لے لیں وہ ایک پاپ سنگر تھا مگر اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھنے کا موقع ملا تو اس کی کایا ہی پلٹ گئی۔ دنیاوی عیش و عشرت کو چھوڑ کر وہ برائے نام مسلمانی سے ہٹ کر کامل ترین ایمان والا بن گیا پھر نیل آرم سٹرانگ چاند پر جانے والا پہلا شخص اُس کی کایا کیسے پلٹی ایک آواز جو اس نے چاند پر سنی اُس پر یہ سر تب کھلا جب اُس نے یہی آواز زمین پر سنی یہ آواز اذان کی تھی اسی لمحے اس نے دل و دماغ دونوں سے اسلام کا اقرار کر لیا اور کہا بلاشبہ وہ بات یہودیت یا عیسائیت میں نہیں جو اسلام میں ہے۔

پس اگر کوئی تفکر سے کام لیتا ہے تو کائنات کے تمام اسرار و رموز اس پر کھول

دیئے جاتے ہیں پھر اس میں جو سچائی اسے نظر آتی ہے بلاشبہ وہ اسلام ہے۔

جن لوگوں نے اسلام قبول کیا وہ ہماری مشرقی اقدار سے متاثر ہوئے۔ ہماری تہذیب نے ان کے دل موہ لیے قرآن کی تاثیر سے ان کے ذہن وقلب کو ان کی روح کو سکون واطمینان نصیب ہوا۔ انقلاب محمدی ﷺ نے ان کی فطری اصلاح کی پھر ہمیں کیا ہو گیا ہے آج ہماری اخلاقی تنزل اسلام سے دوری کا نتیجہ ہے۔ ہم اسلام کے شعار و اقرار سے نابلد ہونے کے باعث مغرب کی اندھا دُھند تقلید کرتے ہیں جس کے باعث ہم روحانی طور پر بے بہرہ ہیں کیونکہ مذہب سے لگاؤ برائیوں سے روکنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور مذہب سے دوری گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔ مذہب ہمیشہ سے انسانی تاریخ میں نہایت ہی مضبوط تہذیبی قوت رہا ہے۔ مذہب ہماری زندگی ہے۔ اخلاقیات اس کا ضروری حصہ اور مذہبی تعلیم زندگی کی ضرورت ہے۔ اس سے لاعلمی ہماری زندگی کو مشکلوں سے دوچار کرتی ہے۔ ہمیں بحیثیت مسلمان وہ نظام اپنانا چاہیے جو ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے چودہ سو سال پہلے ہمیں دیا اور اپنی تعلیم میں بھی وہی نظام اختیار کرنا چاہیے جو ہمیں اسوۂ حسنہ سے ملا۔

جس میں تمام مبادیاتِ اسلام سموئے ہوئے ہیں۔ اس سے اگر ہم یہ سمجھیں کہ شاید یہ کسی پابندی کا نام ہے تو ایسا نہیں ہے اسلامی تعلیم انسان کو اس طرح تیار کرتی ہے کہ یہ نہ تو بہت جکڑا ہوا ہوتا ہے اور نہ ہی بہت آزاد یہ انسانی ذہن کو ہر طرح کے خدشات سے نکال کر اسے اشرف المخلوقات کے صحیح مقام پر فائز کرتی ہے۔ یہ وہ شعور دیتی ہے۔ جو انسان کو نہ صرف خود شناس بلکہ خدا شناس بھی بنا دیتا ہے اور انسان کو معراج کی اس بلندی تک پہنچا دیتی ہے۔ جس کی خاطر ہی شاید انسان کی تخلیق کی گئی۔ اسلام میں علم محض برائے علم نہیں بلکہ برائے عمل ہے۔ اسلام کا اصل مدعا تمام روئے زمین پر اللہ کے حکم اور اس کے قانون کا نفاذ اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع کرتا ہے۔ یہ تصور اپنے مخصوص تقاضوں کے مطابق نظام تعلیم کی بھی تشکیل کرتا ہے۔

''مسلمان بچوں کی تعلیم وتربیت میں نظریہ حیات بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ کسی بھی فرد اور معاشرے کی کامیابی کا انحصار اس کے نظریہ پر ہوتا ہے۔ زندگی کے جس پہلو

میں بھی نظریہ حیات کو نظر انداز کیا جائے گا اس میں انتشار پیدا ہو جائے گا اور انسان افراط وتفریط کا شکار ہو جائے گا اور اس کے نتیجے میں انسان کے لیے امن وسکون اور سلامتی سے زندگی بسر کرنا بطور خلیفۃ اللہ اعلیٰ انسانی مدارج طے کرنا ناممکن ہو جائے گا۔

اس لیے وہی تعلیم وتربیت کامیاب ہوگی جو اسلامی نظریہ حیات سے پوری طرح ہم آہنگ ہو تعلیم کے متعلق اصل راہ عمل یہ ہے کہ قرآن کو اس کی اصلی جگہ دی جائے اور اس کی اصل جگہ یہ ہے کہ وہ ہمارے تمام علوم وفنون کا سرچشمہ ہو ہم وہ جانیں جس کی وہ ہمیں تعلیم دیتا ہے اور وہ کریں جس کا وہ ہم سے مطالبہ کرتا ہے۔ علم وعمل کی ہر مشکل میں ہم پہلے اس کا دروازہ کھٹکھٹائیں وہ رہبری کرے گا۔ اگر اس کا کوئی اشارہ ہم پر مخفی رہ جائے تو ہم آپ ﷺ کی ذات مبارک کی طرف رجوع کریں گے جن کی پوری سیرت قرآن کی عملی شرح اور تفسیر ہے۔ پس اگر ہم نے اپنی تعلیم میں تمام اعلیٰ اسلامی قدروں کو سمو دیا تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کو خلافتِ ارضی نہ سونپ دی جائے کیونکہ یہ خلافت انہی قوموں کو ملا کرتی ہے جو اپنی ثقافت اور اپنی قدروں کی امین ہوا کرتی ہیں اپنی قدروں کو پامال کرنے والی قوموں کا مقدر زوال کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ ہم نے اپنی قدروں کو بھلا دیا اور جنہوں نے اسے اپنا لیا وہ ہم سے آگے نکل گئے پھر شکوہ کس بات کا؟ مثلاً تجارت کے میدان ہی کو لے لیجئے یہ پیشہ پیغمبری ہے مگر کیا ہمارے تاجر صنعتکار اور تجارت وصنعت سے ارب پتی اور کھرب پتی بننے والے پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات اور اللہ کی آخری الہامی کتاب قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں؟ یقیناً نہیں ہم اُن کے بتائے ہوئے راستے پر عملی زندگی میں ہرگز نہیں چلتے۔ اس صراطِ مستقیم پر غیر مسلم ممالک چل کر ترقی وخوشحالی کی منازل تیز رفتاری سے طے کرتے نظر آ رہے ہیں۔ وقت کی اشد ضرورت ہے کہ ہم تجارت میں امانت ودیانت کو ایسے اپنائیں جیسے ہمارے نبی اکرم ﷺ نے اپنا کر صادق اور امین کا خطاب کفار مکہ تک سے حاصل کیا تھا۔ آج اسلام کے تجارت کے بنیادی اصول اغیار نے اپنائے ہوئے ہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ پورا تولو پورا ناپو' مال کے نقائص اور اچھائیاں خریدار کو بتاؤ' مال پر جائز منافع لو' ذخیرہ اندوزی نہ کرو' سونا بنا کر تانبا نہ دو۔ جعلسازی نہ کرو' ملاوٹ نہ کرو' کیا ہم نے اسلام کے ان تمام بنیادی

اصولوں کو اختیار کیا ہے۔ کیا اغیار نے ان ہی درخشندہ اصولوں پر عمل نہیں کیا'' ہر چیز پر ضرورت سے زیادہ نفع نے لوگوں کی زندگیاں دوبھر کر دی ہیں ناقص معیار نے ہماری ساکھ کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ کبھی مسلمان تاجروں کا سامان آنکھیں بند کر کے غیر بھی خرید لیا کرتے تھے اور آج حال کیا ہے؟ اب بھی وقت ہے سنبھل جائیں اور خدائی نظام کے مقابلے میں باطل نظام کی پیروی ترک کرتے ہوئے' فکری تہذیبی اور معاشرتی اعتبار سے اسلامی ضابطہ حیات کی پیروی کریں اور کامل مسلمان بن جائیں۔ اپنے اندر مومنوں کی ایسی صفات پیدا کریں جو تقدیروں کا رُخ پلٹ دیا کرتی ہیں۔

غوروخوض کریں اور ہدایت حاصل کریں اس کتاب سے جو ہماری راہنمائی کے لیے نازل کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ہم نے یہ مبارک کتاب تم پر اس لیے نازل کی کہ تم اس کی نشانیوں پر غوروفکر کرو اور جو لوگ اہل عقل ہیں وہ اس سے نصیحت حاصل کریں۔'' (سورۃ ص)

کیا سائنس مذہب سے متصادم ہے؟

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ شاید سائنس مذہب سے متصادم ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ قرآن تو خود غوروفکر کی دعوت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی تعریف میں فرماتا ہے۔

''وہ زمین وآسمان کی پیدائش میں غوروفکر کرتے ہیں۔'' تدبر اور تفکر ایمان کی جان اور عبادت کی روح ہے۔ دراصل تفکر ہی معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے پھر ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ دین سے متصادم ہے۔ جو قوتیں یہ سوچ رہی ہیں کہ اسے نافذ کرنے سے ترقی رکے گی اور یہ کہ ہم پیچھے رہ جائیں گے تو ان کی سوچ غلط ہے۔ ہمارا مذہب سائنس سے تضاد نہیں کرتا بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یورپ کی ساری ترقی مسلمان سائنسدانوں کی ریسرچ پر ہے۔ سائنسدان اپنے تجربات ومشاہدات کی بنا پر جو باتیں آج کہہ رہے ہیں وہ قرآن میں پہلے ہی بیان کر دی گئی ہیں اور احادیث میں بھی روایت کی گئی ہیں۔ اسلام

کسی تجربے یا مشاہدے کا انکار نہیں کرتا۔ قرآن پاک کی کل آیات کا تقریباً ساتواں حصہ یعنی تقریباً 756 آیات صرف اسی موضوع کے حوالے سے ہیں کہ آپ غوروفکر کریں اور نشانیاں ہیں یہاں عقل والوں کے لیے وغیرہ وغیرہ جس ٹیکنالوجی کی بنیاد پر مغرب ترقی اور جدیدیت کا اظہار کر رہا ہے۔ وہ درحقیقت مسلمانوں کی ایجاد کردہ ہے۔ اس کے موجد مسلمان ہیں۔ اسلام کہیں بھی سائنس کی نفی نہیں کرتا یہ تمام عصری تقاضوں سے قدم ملا کر چلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اجتہاد اور جدید دور کے تقاضوں اور چیلنجوں سے نمٹنے کی کہیں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ عین اسلام ہے اسلام نہ صرف سائنس کی اہمیت و افادیت کو تسلیم کرتا ہے بلکہ سائنسی ترویج اور ترقی کو منشائے الٰہی کی تکمیل قرار دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وہ صرف اللہ کی ذات ہے جس نے دریا کو تمہارے لیے مسخر کیا' تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم روزی کی تلاش کرو اور شکرادا کرو۔''

اور جتنی چیزیں زمین وآسمان میں ہیں' ان سب کو تمہارے لیے مسخر بنایا' بے شک ان باتوں میں غور کرنے والوں کے لیے بہترین دلائل ہیں۔ (الجاثیہ)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بار بار کائنات اور اس کی اشیاء پر غوروفکر کرنے کی ترغیب دی ہے۔ فرمایا:

''اور ہم نے تم پر قرآن نازل کیا' تاکہ جو کچھ لوگوں کو اس میں بتایا گیا ہے۔ وہ اس پر غور کریں۔'' (النمل)

سورۃ البقرہ میں فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اس طرح تمہارے لیے نشانیاں بیان فرمائیں' تاکہ ان سے عقل حاصل کرسکو اور انہیں سمجھ سکو۔''

سورۃ انعام میں یہی بات اس طرح بیان کی۔

''ذرا غور سے دیکھئے کہ ہم کس طرح اپنی نشانیوں کو واضح طور پر پیش کرتے ہیں۔ تاکہ وہ سب حقائق کو اچھی طرح سمجھ لیں۔''

پھر باقاعدہ اشیاء کا ذکر کیا کہ ان پر غور کرو۔

''اور وہ اللہ ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور نہریں بنائیں اور اس میں ہر قسم کے پھل پیدا کیے' جن کے جوڑے ہوتے ہیں' رات کی تاریکی سے دن کی روشنی کو چھپا دیا' غور وفکر کرنے والوں کے لیے ان باتوں میں صاف نشانیاں ہیں۔ (الرعد)

''کیا انہوں نے کبھی غور وفکر نہیں کیا' اپنے دلوں میں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان میں جو کچھ بھی ہے۔ صرف ایک مقررہ مدت ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔'' (الروم)

اس آیت کے ذریعے قیامت کے دن کی طرف اشارہ کر دیا گیا کہ یہ سب کچھ جو اللہ نے انسان کے لیے پیدا کیا اس پر غور وفکر ہی اس کے لیے آسائش کا سامان فراہم کرتا ہے اور ان سب آسائشوں سے انسان ایک مقررہ وقت تک فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ یعنی دنیا کی ہر چیز کو فنا ہے اگر کوئی نام باقی رہے گا تو وہ صرف اللہ کا نام ہے پس اللہ کی بنائی ہوئی کائنات اور کائنات کی ہر شے اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کے بارے میں سوچیں اس کا مشاہدہ کریں اسے عقل کی کسوٹی پر پرکھیں اور پھر اسے اپنے فائدے کے لیے استعمال کریں جس طرح قرآن پاک میں لوہے کی طرف اشارہ کیا گیا کہ اس میں لوگوں کے لیے فائدہ ہے جن لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی اس سے اپنا فائدہ تلاش کر لیا اور آج دنیا میں اسی لوہے سے بنی ہوئی سینکڑوں مصنوعات ہمارے لیے ترقی کا باعث بنی ہوئی ہیں اسی لوہے سے بنے ہوئے ہوائی جہازوں نے دنیا کے فاصلوں کو سمیٹ کر رکھ دیا مگر اسی لوہے سے انسان نے ایٹم بم جیسا خطرناک بم بھی بنا دیا اگر آپ غور کریں تو جہاں اس کے فائدے کا

ذکر ہے۔ وہیں اس نقصان کی نشاندہی بھی کی گئی ہے کہ اس میں نقصان بھی ہے مگر فائدہ زیادہ ہے یہ انسان کو چاہیے کہ شیطان کے قدموں کی پیروی کرتا ہوا ان چیزوں کو نقصان کے لیے استعمال مت کرے جنہیں اللہ نے ہمارے فائدے کے لیے بنایا۔ اگرچہ جنگی آلات اسے تیار کرنے کی قرآن بھی اجازت دیتا ہے۔ اپنے دفاع کے لیے مگر جو چیزیں اپنے دفاع کے لیے بنائی جاتی ہیں انہی کو اگر بے گناہوں کی جان لینے کے لیے استعمال کیا جانے لگے تو اس کے ذمہ دار ہم خود ہیں اور اپنے رب کے سامنے (اس مقررہ وقت میں جس کا اشارہ قرآن میں بار بار آیا ہے) جوابدہ بھی خود ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں رہ کر ترقی کی منازل طے کرنے کی راہ دکھائی ہے۔ مطالعہ قرآن سے یہ صداقت واضح ہو جاتی ہے کہ دین اسلام تو خود سائنس ہے اور اس سائنس کی روح احکامات الٰہی ہیں۔ قرآن' مادی' روحانی اور سائنسی تمام شعبوں کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی ہدایت کے مطابق غور وفکر کرنے والے مسلمانوں نے عملی طور پر سائنسی دنیا میں کارہائے نمایاں انجام دیئے اور جب مسلمانوں نے اس ہدایت سے منہ موڑ لیا تو وہ ترقی سے دور ہوتے چلے گئے جس طرح بنی اسرائیل پہلے پہل علم وحکمت کے میدان میں بہت آگے تھے وہ جب تک اللہ کی فرمانبرداری کرتے رہے۔ اللہ کی سب سے لاڈلی قوم رہے مگر آہستہ آہستہ سرکشی اختیار کرنے لگے اور اللہ کے احکامات کی نافرمانی کرنے لگے علم وحکمت کی جگہ دنیاوی لہو ولعب نے لے لی عیش وعشرت کے دلدادہ ہو گئے اور ان کی ہٹ دھرمی اس انتہا کو پہنچ گئی کہ نبیوں کو ناحق قتل کرنے لگے اللہ کی کتابوں میں حسب منشا تبدیلی کرنے لگے اللہ نے ان کی نافرمانیوں کا ذکر قرآن پاک میں کیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں بہت تفصیلی ذکر آیا ہے۔ ان سے سرکشی کی بنا پر دنیا کی خلافت چھین لی گئی نبوت کا اعزاز دوسرے خاندان کو مل گیا ان میں بھیجے جانے والے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ اسلام ہیں جنہیں انہوں نے بقول ان کے صلیب پر چڑھا دیا مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے انہیں صحیح سلامت آسمان کی طرف اٹھا لیا۔''

پس اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کیا کرتا آج مسلمان اُسی دوراہے پر کھڑے ہیں کبھی عروج ان کا مقدر تھا' آج زوال۔ اگر دلوں میں ایمان کی شمع روشن ہو تو

تاریکیاں اجالوں میں بدل جایا کرتی ہیں میں مختصر سا حوالہ یہاں دینا چاہوں گی اس بات کا کہ مسلمانوں نے کب اس ترقی میں قدم رکھا اور کب اور کن وجوہات کی بنا پر اس میدان سے باہر آ گئے اور اب کیا کریں دوبارہ اپنے مقام کو پانے کے لیے میرا اس کتاب کو لکھنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ ہم میں یہ احساس اجاگر ہو جائے کہ ہم اسلام کی عظمتوں کے امین ہیں ایک قوم سے امامت لے کر اگر ہماری جھولی میں ڈال دی گئی تھی تو ہم پھر یہ امامت انہی کو کیوں لوٹا رہے ہیں قیامت کے روز اپنے رب کو اپنے نبی ﷺ شافعِ محشر کو کیا جواب دیں گے کیا ایسا نہیں ہے۔

زمانہ بڑے شوق سے سُن رہا تھا
ہم ہی سو گئے داستاں کہتے کہتے

جیسا کہ میں اوپر ذکر کر چکی کہ پہلے یہودی علم و حکمت کے میدان میں بہت آگے تھے ان کے بعد یہ ورثہ مسلمانوں کو منتقل ہو گیا اور جب مسلمانوں نے اس سے منہ موڑا تو یہ ورثہ دوبارہ اہل یورپ کے پاس چلا گیا اس لحاظ سے سائنس کے تین ادوار ہیں مگر سب سے زیادہ ترقی اسلامی دور میں ہوئی اور بہت سی چیزوں کے موجد مسلمان ہیں یہاں میں یہ وضاحت بھی کرنا چاہوں گی جو اس ترقی میں سب سے اہمیت کی حامل ہے۔

''کتابیں' مسلمانوں نے یونانی' سکندریہ' اور رومی سائنسدانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کے ترجمے عربی زبان میں کیے ان پر ریسرچ کی یعنی قرآن کے حکم کے مطابق غور و فکر کیا قرآن کو ان علوم کا بنیادی ماخذ بنایا اور ہزاروں کی تعداد میں کتابیں تصنیف کیں اپنی ریسرچ کے نتیجے میں مشاہدات اور تجربات کی کسوٹی سے گزر کر سینکڑوں اشیاء ایجاد کیں اور یوں جہاں گئے اپنے قدم جماتے گئے مگر پھر انہی کتابوں سے کس طرح اہل یورپ نے فائدہ اٹھایا ہمارا سارا سرمایہ کتب یا جلا دیا گیا یا دریاؤں کی نذر کر دیا گیا جو ان کے ساتھ لے جانے سے بچا ورنہ ہمارا وہ قیمتی سرمایہ لے گئے اسے اپنی زبان میں ٹرانسلیٹ کیا اور اس سے آج فائدہ اٹھا رہے ہیں جو کہ سائنس کا تیسرا دور کہلاتا ہے۔

آج ہم اس لیے پیچھے ہیں کہ ہمیں تحقیق کرنے کے لیے غیر ملکی زبان پر عبور

حاصل کرنا پڑتا ہے مسلمانوں میں بہت صلاحیتیں موجود ہیں۔ اگر آج ہمیں پابندیوں سے آزاد کر دیا جائے اور سب کو تعلیم اپنی زبان میں حاصل کرنے کے فوائد نظر آئیں ہم میں کچھ لوگ یہ بیڑا اٹھائیں کہ ان کتابوں کا جو کبھی ہماری تھیں ترجمہ لوگوں کو ان کی قومی زبان میں کر کے دیا جائے تو بہت سے لوگوں کی صلاحیتوں سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جو غیر ملکی زبان پر عبور نہ رکھنے کی وجہ سے تحقیق کے میدان میں آگے نہیں بڑھ سکتے ٹھیک ہے کہ ہم بین الاقوامی زبان سیکھیں مگر یہ درست نہیں کہ اپنی پہچان گنوا کر اپنی زبان کو اہمیت نہ دے کر ہماری حیثیت دو کشتیوں میں سوار کی سی ہے جو کبھی منزل پر نہیں پہنچتا۔

سائنس کے تین ادوار

1- قدیم سائنس قبل مسیح
2- سائنس کا اسلامی عہد
3- جدید سائنس

جب قدیم سائنس کا ذکر ہوتا ہے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب بنی نوع انسان کی تخلیق ہوئی ساتھ ہی سائنس کی ابتدا ہو گئی کیونکہ زندگی گزارنے کے لیے اسے ہر چیز کی ضرورت پڑی مثلاً اس نے پتھر سے پتھر رگڑ کر آگ پیدا کی۔ آبی گزرگاہوں کو پار کرنے کے لیے کشتیاں بنائیں' جانوروں کا شکار کرنے کے لیے پتھروں کو نوکیلا بنا کر ہتھیار وغیرہ تیار کیے وغیرہ وغیرہ پس اس طرح انسان مل جل کر قبیلوں کی شکل میں آبادیوں میں رہنے لگا تو دیہات اور شہر بننے لگے وہ جانوروں کو سواری اور سامان اٹھانے کے لیے استعمال کرنے لگا زمین سے اپنی خوراک اُگانے لگا اور اس طرح تہذیب و تمدن نے جنم لیا اس خیال کو دیکھیں تو اندازہ ہو جائے گا کہ جب کائنات کی تخلیق کی گئی سائنس نے تبھی جنم لے لیا کیونکہ چیزوں کی ماہیت کو سمجھنا ہی سائنس ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی نوعیت بدل جاتی ہے جیسے زندگی سادگی سے آرائش کی طرف آ گئی اس طرح سائنس نے بھی جدید شکل اختیار کر لی۔

قدیم دور ہی میں یونانی' سکندریہ اور روم میں سائنس نے فروغ پایا یونان میں

طالیس، انکسی منیڈر، فیثا غورث، پو پالینوس، الیکسا غورث، سقراط، ڈیمو قراط، بقراط، افلاطون اور ارسطو اپنے نظریات کے باعث تاریخ میں زندہ ہیں۔ یونان کی تاریخ کا سب سے اہم اور آخری سائنسدان ارسطو ہے اس کے ساتھ ہی یونانی سائنس کا دور اپنے اختتام کو پہنچ گیا ارسطو سکندر اعظم کا استاد تھا اور پہلا یونانی سائنسدان جس نے حیاتیات کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔

سکندر اعظم نے 238 قبل مسیح میں یونان کو شکست دی اور اسکندریہ دارالخلافہ بن گیا اور سکندریہ کے سائنسدانوں کا دور شروع ہو گیا یہ دو حصوں میں بٹ گیا۔ یونانی دور اور رومی دور سکندریہ سے تعلق رکھنے والا پہلا سائنسدان اقلیدس ہے اور آخری جالینوس۔

20 قبل مسیح میں رومیوں نے سکندریہ پر قبضہ کر لیا اور اس طرح رومی دور شروع ہو گیا اور اسی دور میں قدیم زمانے کی سائنس نے دم توڑ دیا پھر مسلمانوں کا دور شروع ہوا۔

نبی پاک ﷺ کی بعثت سے قبل لوگ جہالت کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اسلامی تعلیمات کی بدولت مسلمانوں نے نہ صرف سائنسی بلکہ اپنے سماجی، سیاسی اور اقتصادی زندگی کے تمام شعبوں میں انقلاب برپا کر دیا۔ اسلام نے اپنے ظہور کے بعد سے دوسری صدی ہجری تک نہ صرف مغرب میں بحر اوقیانوس سے صحرائے افریقہ تک اور بحر اوقیانوس کے کنارے سے دیوار چین تک اپنے جھنڈے گاڑ دیئے بلکہ سپین کی فتح کے بعد سرزمین فرانس تک رسائی حاصل کر لی۔ دوسری طرف برصغیر میں داخل ہو کر سندھ اور پنجاب تک اسلام کا بول بالا ہو گیا۔ یہاں میں مختصر سا حوالہ سائنس کے مختلف شعبوں میں مسلمانوں کی خدمات کا دوں گی تاکہ قارئین پر دلائل کے ساتھ یہ بات واضح ہو جائے کہ موجودہ سائنس مسلمانوں کی مرہون منت ہے۔ اگر ماضی میں یہ مسلمانوں کی ترقی کا باعث تھی تو آج بھی بن سکتی ہے کیونکہ جدید دور سائنس کا دور ہے۔ جس طرح چند اور عناصر مسلمانوں کے زوال کا باعث ہیں۔ جن کا ذکر (کچھ کا میں کر چکی ہوں اور کچھ کا آئندہ ابواب میں کروں گی) اس طرح سائنس کے میدان میں پیچھے رہ جانا بھی ہمارے

زوال کی ایک وجہ ہے جو قومیں سائنسی علوم سے فائدہ نہیں اٹھائیں گی وہ پیچھے رہ جائیں گی چونکہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اس لیے اس نے اس پہلو کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا۔

سائنس کے مختلف شعبوں میں مسلمانوں کی خدمات

1- علم طب

طب کو اسلام میں نہایت اہمیت حاصل ہے۔ نبی پاک ﷺ نے ایک موقع پر علم کی دو شاخیں بیان کیں فرمایا:

''علم دو ہیں۔'' 1- علم الادیان 2- علم الابدان

ایک حدیث میں فرمایا:

''ہر بیماری کی دوا ہے۔''

قرآن پاک میں شہد کو بہت سی بیماریوں کے لیے مفید بتایا گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اس شہد میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔''

یہاں یہ بتانے سے میری مراد یہی ہے کہ قرآن اور حدیث کے ذریعے ہی علم طب کی طرف اشارہ کر دیا گیا اور مختلف جڑی بوٹیوں اور مختلف کھانے پینے والی اشیا کو ہمارے علاج کے لیے تجویز کر دیا گیا یہاں میں تفصیل میں نہیں جاؤں گی صرف اتنا کہوں گی کہ طب نبوی ﷺ ہی آج بھی کامیاب علاج کی بنیاد ہے اور قرآن کی آیات میں بھی شفا ہے اور بلا شبہ شفا صرف اللہ کی طرف سے ہے۔ علاج بھی اُسی نے بتایا انسان نے تو صرف تحقیق کے ذریعے اسے دریافت کیا ہے۔

مسلمانوں کے عہد حکومت میں علاج معالجہ کے لیے سرکاری طور پر بھی شفاخانہ قائم کیے گئے اموی دور میں بھی طب کے میدان میں کافی کام کیا گیا مگر عباسی عہد میں طب کو کافی اہمیت ملی اس دور میں بے شمار نامور اطباء پیدا ہوئے مسلمانوں میں بوعلی سینا نے طب میں قابل قدر کام کیا انہوں نے طب پر ضخیم کتاب ''القانون'' لکھی ابوبکر محمد بن

زکریا رازی نے طب پر کئی کتابیں لکھیں جن سے اہل یورپ آج بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس نے کئی بیماریوں کے اسباب' علامات اور طریقہ علاج وادویات دریافت کیں پھر ان دوائیوں کو انسانوں پر استعمال کرنے سے پہلے جانوروں پر استعمال کیا۔ اس کی کتاب ''الماری'' کو پہلا طبی انسائیکلوپیڈیا کہا جاسکتا ہے اس طرح جابر بن حیان کی دو کتابیں ''الکیمیا'' اور ''کتاب العین'' معتبر تصانیف ہیں۔ اس کے علاوہ علی العباس ایرانی' ابن الجزار' ابوالقاسم الزہراوی' ابن رشد' ابن الہیثم' ابن الخطیب' ثابت بن قرہ' فخر الرازی' ابن سہل طبری' ابن وافد' موسیٰ بن میمون اور علی بن ربن الطبری وغیرہ نے طب پر کئی کتابیں لکھیں جن میں سے کئی پر سترویں اور اٹھارویں صدی سے اہل یورپ نے انحصار کیا ہوا ہے۔ ابن النفیس نے خون کی گردش اور دل کے خانوں کو دریافت کیا۔ مسلمانوں نے دوا سازی کے ضمن میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ تشخیص امراض میں بہت مہارت حاصل کی۔ مریض کی نبض دیکھ کر تشخیص کا طریقہ مسلمانوں نے دریافت کیا۔ سب سے اہم بات یہ کہ ارشادات نبوی ﷺ میں تندرستی کو قائم رکھنے' بیماریوں کے خلاف قوت مدافعت پیدا کرنے' بیماریوں سے بچاؤ اور ان کے علاج کے بارے میں مکمل تفصیل موجود ہے۔

2 علم کیمیا

علمائے اسلام اور بعض غیر مسلم محققین کا بھی بیان ہے کہ علم کیمیا مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ اگرچہ مسلمانوں نے علم کیمیا یونانیوں کی کتب سے اخذ کیا مگر جو علم یونانیوں سے حاصل کیا وہ بہت ہی کم تھا بڑے بڑے تمام مرکبات مسلمانوں نے ہی ایجاد کیے۔

اگر ہم غور کریں تو روئے زمین کا سب سے بڑا کیمیائی تجربہ خود تخلیق انسان ہے۔ قرآن مجید میں پیدائش آدم سے متعلق جو معلومات بیان کی گئی ہیں وہ علم کیمیا کی بنیاد ہیں۔

سب سے پہلے علم کیمیا پر مسلمانوں (عربوں) نے تجربات کیے انہوں نے پہلی بار اسے دوا سازی میں بھی استعمال کیا۔ خالد بن یزید بن معاویہ کو پہلا مسلمان کیمیا دان کہا جاتا ہے۔ عہد عباسی میں بڑی بڑی تجربہ گاہیں قائم کی گئیں' ''ابوبکر محمد زکریا رازی

مشہور طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ مشہور کیمیا دان بھی تھا۔ اس نے پہلی مرتبہ دنیا کو نامیاتی اور غیر نامیاتی کیمیا سے روشناس کرایا۔''

ابن سینا بھی مشہور طبیب تھے مگر انہوں نے مختلف چیزوں پر تجربات کر کے ان کے خواص معلوم کیے نیز لوگوں کے اس خیال کی نفی کی کہ جعلی سونا بنایا جاسکتا ہے۔ انہوں نے تجربات سے یہ بات ثابت کی کہ مختلف دھاتوں کو ملا کر ایسی چیز تو بنائی جاسکتی ہے جس پر سونے کا گمان ہو مگر سونا نہیں۔

جابر بن حیان کو سب سے پہلا باقاعدہ کیمیا دان شمار کیا جاتا ہے۔ اس نے سب سے پہلے گندھک کا تیزاب' شورے کا تیزاب' سلور نائٹریٹ اور میگنیز ڈائی اوکسائیڈ دریافت کی' کیمیائی میدان میں اس کے بہت سے کارنامے ہیں۔ اس کی لکھی ہوئی کتابوں کی تعداد ایک سو سے زائد ہے۔

اس طرح ایک اور مشہور کیمیا دان یعقوب بن اسحاق الکندی ہے اسے فلسفہ' طب' ہندسہ' منطق اور نجوم میں بھی مہارت تھی۔ امونیا' ایلومنیم کلورائیڈ' نائٹرک ایسڈ' سلفیورک ایسڈ اور پوٹاشیم نائٹریٹ اسی کی ایجاد کردہ ہیں۔ بارودی پاؤڈر بھی اسی کی ایجاد ہے اور اس سے بنی ہوئی اشیاء کے ٹھیکیدار آج اہل یورپ ہیں۔

3- علم طبیعات

یہ وہ علم ہے جس سے اجسام کے تغیر وتبدل کی خاصیت کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس شعبے میں بھی مسلمانوں نے گراں قدر خدمات انجام دیں مثلاً یعقوب بن اسحاق بارودی پاؤڈر کے موجد نے اس علم پر 22 کتابیں لکھیں۔ سُر کی آواز ہوا میں لہریں پیدا کرتی ہے اور یہ لہریں کانوں سے ٹکرا کر آواز کا احساس دلاتی ہیں یہ بات اسی کی دریافت ہے۔ نیز اس نے سُروں کے امتزاج اور سُروں کی تکرار معلوم کرنے کا طریقہ بھی دریافت کیا۔

چیزوں کے تغیر وتبدل کا پتا ہمیں قرآن وحدیث سے ملتا ہے مسلمانوں نے اپنی خدمات سے اسے ثابت کیا۔ احمد بن موسیٰ شاکر کی کتاب ''کتاب الحیل'' کو میکانیات کے موضوع پر دنیا کی سب سے پہلی کتاب تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس طرح ثابت بن قرہ' ابونصر فارابی

اور پھر بوعلی سینا جنہوں نے علم الطبیعات کو ''حکمتِ نظری'' قرار دیا انہوں نے یہ ثابت کیا کہ روشنی کی رفتار خواہ کتنی بھی ہو ہمیشہ محدود ہوتی ہے۔ ان سب کی تصانیف نے علم فزکس میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ریحان البیرونی' عبداللطیف البغدادی' قطب الدین شیرازی' الغزالی اور الجوزی وغیرہ کی خدمات بھی طبیعات کے میدان میں نمایاں ہیں۔ ابن الہیثم نے یونانی سائنسدان اقلیدس اور بطلیموس کے اس نظریے کی تردید کی۔ کہ روشنی دیکھنے والی آنکھ پر پڑتی ہے تو آنکھ سے بصارت کی کرنیں نکل کر متعلقہ شے پر پڑتی ہیں جس سے وہ چیز نظر آتی ہے۔ اس نے بتایا کہ روشنی جب کسی جسم پر پڑتی ہے تو کچھ شعائیں جسم کی مختلف سطحوں سے لوٹ کر فضا میں پھیل جاتی ہیں اور ان میں سے کچھ شعائیں آنکھ میں داخل ہوجاتی ہیں جن کے باعث وہ جسم آنکھ کو نظر آنے لگتا ہے۔ اس نے اس ضمن میں نمایاں کام کیا۔

عبدالرحمان الخازن نے تجربات سے ثابت کیا کہ ہوا وزن رکھتی ہے۔ اس نے پتھروں کا وزن کرنے کے لیے پانی اور ہوا کے اندر چیزوں کا وزن کرنے کے لیے ترازو ایجاد کیے۔ پس مسلمان سائنسدانوں نے علوم طبیعات میں نمایاں کردار ادا کیا۔

4- علم فلکیات

قرآن پاک میں علم فلکیات پر بڑی واضح آیات موجود ہیں۔ ستاروں کے نظام اور ستاروں کی نقل و حرکت سے پیدا ہونے والے ردعمل کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ چاند' سورج وغیرہ کے عوامل کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں قرار دیا گیا ہے۔ علم فلکیات اسلامی علوم کا ایک بنیادی علم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ''اور ایک نشانی سورج ہے جو اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے۔ اس نے درست انداز مقرر کیا ہوا ہے' اس خدا کا جو زبردست علم والا ہے اور ہم نے چاند کے لیے منزلیں مقرر کردیں یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی' سورج کی مجال نہیں کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور دونوں ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔'' (یٰسین)

مسلمان سائنسدانوں نے اس سلسلے میں اہم کام کیا اور اس علم کے بارے میں باقاعدہ طور پر اس وقت کام ہوا جب دورِ عباسیہ میں فلسفہ' طب اور دیگر علمی کتب کا ترجمہ کیا جانے لگا۔ میری نظر میں یہ اس دور کا سب سے شاندار کارنامہ ہے کہ تحقیق کے لیے اپنی عوام کو اپنی زبان میں مواد فراہم کر دیا اور پھر جب مسلمانوں نے علم ہیئت اور فلکیات کے بارے میں تصانیف شروع کیں تو ڈھیروں کتب کا ذخیرہ جمع ہوگیا جو بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے مرجع بن گیا۔

ابراہیم بن حبیب ایک ترقی یافتہ اصطرلاب کا موجد ہے یہ وہ آلہ ہے۔ جس کے ذریعے ستاروں کی بلندی' مقام اور رفتار وغیرہ معلوم کرتے ہیں۔ ابوریحان البیرونی نے غزنی کے مقام پر ایک بہت بڑی رصدگاہ قائم کی۔ اس نے پنجاب کے مختلف شہروں کے عرض بلد کی پیمائش کی۔ عمر خیام نے ایک کیلنڈر تیار کیا'' تاریخ جلالی'' اس نے ثابت کیا کہ ایک سال میں 365 دن 5 گھنٹے اور 48 سیکنڈ ہوتے ہیں۔ یہ اصفحان کے مقام پر ایک رصدگاہ کا نگران تھا۔ نصیر الدین طوسی نے مراغد کے مقام پر رصدگاہ تعمیر کروائی اور اس میں ماہر انجم شناس اکابرین کو تحقیق کی دعوت دی۔

اس طرح محمد بن ابراہیم انفرادی' یعقوب بن طارق' ماشاء اللہ' احمد بن کشیر الفرغانی' محمد موسیٰ خوارزمی' یعقوب بن اسحاق الکندی' ابومعشر بلخی' محمد بن موسیٰ شاکر' احمد بن موسیٰ شاکر' ثابت بن قرہ' ابن سینا' ابن الہیثم وغیرہ نے علم فلکیات اور ہیئت پر کئی مستند کتابیں لکھیں اور رصدگاہیں تعمیر کیں جن میں ماہرین فلکیات و نجوم عملی طور پر کام کرتے رہے۔

5- علم ریاضی

گنتی کا تصور تو قرآن سے ہمیں ملا جب اللہ نے فرمایا کہ کائنات کو میں نے چھ دن میں بنایا گویا اعداد و شمار کی دعوت تو ہمیں ہمارا مذہب دیتا ہے کبھی چاند کی گردش کے دنوں کا تعین کیا تو کبھی رات اور دن کے بدلنے کے وقت کا تعین یونانی' رومی اور سکندریہ دور میں صرف ا سے 9 تک کے ہندسے استعمال ہوتے تھے۔ مسلمانوں نے ایک نئے ہندسے صفر کو استعمال کیا۔ جس سے حسابی دنیا میں ایک بڑا انقلاب پیدا ہوگیا۔ صفر کی

طرح اعشاری نظام بھی مسلمانوں نے ہی ایجاد کیا' مسلمانوں نے علم ریاضی میں کمال حاصل کیا۔ انہوں نے طب' ہیئت' فلکیات اور سائنس وغیرہ کو مستند اور سائنٹیفک بنانے کے لیے ریاضی سے کام لیا۔

تقریباً تمام مسلمان ہیئت دان اور سائنسدان علم ریاضی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اسلامی عہد میں حساب کی پہلی کتاب محمد بن موسیٰ خوارزمی کی تصنیف ہے یہ عالم اسلام کا سب سے پہلا ریاضی دان تصور کیا جاتا ہے اس کے علاوہ محمد بن ابراہیم' یعقوب بن اسحاق الکندی' احمد بن موسیٰ شاکر' حسین بن موسیٰ شاکر' ابوجعفر البتانی' ابن الہیثم' عمر خیام' عبداللطیف البغدادی' ابن الیاسین' المرقوطی' ابن البدر' القلصاوی' ابو الوفاء البوز جانی وغیرہ نے ریاضی میں ناقابل فراموش کام کیا۔ ان کی لکھی ہوئی کتابیں بعد میں آنے والوں کے لیے مرقع بن گئیں۔

6- علم جغرافیہ

اگر اس علم کا بغور مشاہدہ کریں تو یہ بات ظاہر ہوگی کہ کس طرح کون ومکان کی طرف قرآن میں بلایا گیا اللہ تعالیٰ نے بار بار اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ تلاش کرنے والوں کے لیے ہی دنیا مسخر کی جاتی ہے جو ڈھونڈنے نکلے رہتے انہی کو ملے ہیں اقبال نے اسی خیال کو اس طرح بیان کیا:

کوئی قابل ہو تو ہم شانیں کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

اسی خیال کے تحت مسلمانوں نے علم جغرافیہ میں بھی نمایاں اور قابل قدر کام کیا مثلاً ابوالقاسم محمد بن حوقل اپنے زمانے کا معتبر جغرافیہ دان تھا اس نے سیر وسیاحت کے دوران زمین کا مطالعہ کیا جہاں کہیں گیا اس کا نقشہ تیار کرتا گیا اس نے ملک کی معدنیات' نباتات اور آب وہوا وغیرہ کے بارے میں بھی معلومات فراہم کیں اپنی کتاب کے ذریعے۔

ابوریحان البیرونی نے پنجاب کے مختلف شہروں کے عرض بلد کی پیائش کی اور

مختلف قوموں اور ملکوں کے حالات اپنی کتاب ''کتاب الہند'' میں لکھے یاقوت الحموی' محمد بن یوسف' ابوعبیدالکبری' شریف الادریسی' عبدالمنعم' ابن جبیر' ابومحمد الحیدری' ابوعمر شریسی' محمد بن رشید الفہری' محمد بن جابر' ابواسحاق ابراہیم محمد الفارسی' ابن الخطیب جس نے غرناطہ کا جغرافیہ لکھا سب نے اس میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان سب کی اس موضوع پر لکھی ہوئی کتابیں ہمارا سرمایہ ہیں مگر سرمایہ تو تبھی کام آتا ہے جب ہم اسے اپنے پاس رکھیں اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔

ابن بطوطہ نے اٹھائیس برس سیاحت میں بسر کیے اس کا لکھا ہوا سفرنامہ ہمیں کتنی معلومات فراہم کرتا ہے اگر ہم لینا چاہیں۔

محمد بن موسیٰ نے کرۂ زمین کی پیائش کا طریقہ اختراع کیا اور جغرافیہ پر کئی کتابیں لکھیں۔

ابن سعید المغربی نے سپین کا مکمل جغرافیہ دیا اپنی کتاب کے ذریعے محمد الزہری نے مختلف ذرائع کے ساتھ براعظموں کا مطالعہ کیا اور ان کا نقشہ بھی تیار کیا۔

ابو حامد الغرناطی نے اپنی کتابوں کے ذریعے صنعت دنیا' زمین' شہروں' سمندروں' حیوانوں اور معدنیات سے متعلق معلومات تفصیل کے ساتھ فراہم کیں سب سے بڑھ کر الادریسی جس نے چاندی کا ایک گلوب بنایا اس پر دنیا کے مختلف نقشے تیار کیے اور پھر اس نے علم جغرافیہ پر ایک کتاب ''نزہت المشتاق'' لکھی جس میں اس نے ان تمام لائنوں کی وضاحت کی جو اس گلوب پر لگائی گئیں دنیا کے نقشے کے حوالے سے۔''

آکسفورڈ یونیورسٹی میں سیاحت کے حوالے سے آج بھی سب سے اوپر ایک مسلمان شخص ''الادریسی'' کا لکھا ہے۔ اس نے پہلی مرتبہ نقشے کا علم دریافت کیا گویا یہ نقشے کا موجد ہے۔

اس طرح زراعت کے میدان میں بھی مسلمانوں کی نمایاں خدمات ہیں۔ غذا انسان کی پہلی ضرورت ہے۔ اسلام نے انسان کے اس بنیادی حق کو بھی تسلیم کیا اور قرآن وحدیث کے ذریعے انسان کو اپنی روزی کمانے کی ترغیب دی گئی۔ مسلمان جہاں جہاں بھی گئے وہیں زمینیں سونا اگلنے لگیں۔ انہوں نے محنت ومشقت سے بنجر زمینوں کو

قابل کاشت بنایا۔ مسلمانوں نے اس سلسلے میں مختلف آلات اور نئے نئے زرعی طریقے ایجاد کیے۔ مسلمانوں نے زراعت کے موضوع پر بھی کتابیں لکھیں۔ ہماری کتابوں کا ترجمہ اہل یورپ نے کیا اور ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

بارودی اسلحہ کے بارے میں مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ سب سے پہلے عربوں نے دنیا کو اس چیز سے روشناس کرایا۔

مسلمانوں نے فن تعمیر میں بھی بہت ترقی کی مسلمان سلاطین وخلفاء کے عہد میں محلات تعمیر کیے گئے جو اسلامی فن تعمیر کا نادر نمونہ ہیں مثلاً بغداد میں عباسی خلفاء کے محل، غرناطہ (سپین) میں الحمراء محل، ایران کے شاہی محلات ہندوستان میں مغل بادشاہوں کے محلات، اس طرح مقبرے، مینار اور مساجد ہماری ثقافت کے قابل دید مقامات ہیں۔

مگر یہ سب تو ہمارا تابناک ماضی ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آج ہمارے پاس کیا ہے۔ ہم اگر صرف اس بات کا رونا روتے رہیں کہ ہم نے یہ سب کچھ کیا تو ہمیں کیا ملا ایسا نہیں ہے جنہوں نے یہ سب کچھ کیا انہوں نے سب کچھ پایا نام، عزت شہرت اور رتبہ ہمیں وہ کچھ مل رہا ہے جو آج ہم کر رہے ہیں۔ مختصر سا حوالہ عروج وزوال کا میں یہاں دوں گی تاکہ اس بات کی وضاحت ہو سکے کہ کھوئی ہوئی امامت کو دوبارہ حاصل کیسے کرنا ہے۔ اپنے تنزل کو عروج میں کیسے بدلنا ہے اور ترقی پذیر قوم کی بجائے ترقی یافتہ قوم کہلانا ہے مگر کیسے؟

سائنس کا عروج اور زوال

علوم وفنون سلاطین وامراء کی سرپرستی میں پھلتے پھولتے ہیں۔ ابتدا میں اموی پھر عباسی خلفا علوم وفنون میں دلچسپی رکھتے تھے انہوں نے اس کی ترویج وترقی میں بھرپور حصہ لیا اور ان کے حصول کے لیے دولت کے دریا بہا دیئے جس کے نتیجے میں بے شمار سائنسدان پیدا ہوئے (آج بھی اگر ہم نظر دوڑائیں تو وہی قومیں ترقی کی منازل طے کر رہی ہیں جو تعلیم کے میدان میں زیادہ سرمایہ خرچ کر رہی ہیں اور ہم تو ابھی تک نئے نئے تجربوں سے تعلیم کی بربادی کے علاوہ کچھ حاصل نہیں کر پا رہے) مگر جب یہی خلفاء

عیش وعشرت کی طرف مائل ہوئے تو علماء فضلا کی جگہ درباروں میں مسخروں، بھانڈوں اور ناچنے گانے والوں نے لے لی جب خلفاء اور سلاطین وامراء نے علما وفضلا کی سرپرستی سے ہاتھ اٹھا لیا تو سائنسی علوم کو زوال آنے لگا۔

حکومتوں کے نفاق اور زوال نے بھی سائنسی ترقی کو روک دیا کیونکہ جب تک مسلمان آپس میں متحد اور پرامن رہے علم وفن ترقی کرتا رہا۔ سقوطِ بغداد بھی اس نفاق کا نتیجہ تھا ورنہ خلافت عباسیہ پورے عالم اسلام کی ایک متحدہ حکومت تھی مگر جب عباسی خلفاء عیش وعشرت میں پڑ کر کمزور ہوتے چلے گئے تو کئی خودمختار ریاستیں قائم ہو گئیں تو فتنہ تاتار اٹھا یہاں میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گی صرف ایک اہم بات (جو اس فتنہ کا سبب بنی اور سقوطِ بغداد کی نوبت آ گئی) بتانا چاہوں گی عباسی خلیفہ معتصم باللہ نہایت کمزور اور غیر ذمہ دار حکمران تھا۔ اپنے چالاک وزیر موید الدین کے غلط مشوروں کو مانتا تھا وہ وزیر اندرونی طور پر تاتاریوں سے ملا ہوا تھا وہ اپنے غلط مشوروں سے ایک مضبوط متحدہ حکومت کے نظام کو بگاڑتا چلا گیا اور پھر جب سلطنت کمزور پڑ گئی تو تاتاریوں کو بغداد پر حملے کی دعوت دے دی (بالکل ایسے ہی حالات کا سامنا آج بھی مسلمانوں کو ہے خدارا اپنے دشمنوں کو پہچانیں جو محبت کی آڑ میں ہماری جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں یہ منافقین ہیں ہم کیوں بھول رہے ہیں اس فرمان نبوی ﷺ کو:

''مومن ایک سوراخ سے کبھی دوبار نہیں ڈسا جاتا۔''

جب تاتاریوں نے بغداد پر حملہ کیا ساتھ ہی ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کر دیا۔ اس نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اس نے تین دن میں ہر چیز کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ بغداد میں قتل عام کیا شہر کی عمارتوں کو منہدم کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے علمی ذخیرہ کو آگ لگا دی اور ہزاروں کتابیں دریائے دجلہ میں بہا دیں کہا جاتا ہے کہ کتنا عرصہ دریائے دجلہ کا پانی ان کتابوں کی روشنائی سے کالا رہا اس طرح مسلمانوں کا بیش بہا علمی ذخیرہ جس میں سائنسی علوم پر لکھی ہوئی سینکڑوں کتابیں تھیں۔ سقوطِ بغداد سے ضائع ہو گیا اور آنے والی نسلوں کو سائنسی میدان میں آگے بڑھنے کے لیے تحقیقی مواد

ناپید ہوگیا۔ نیز جیسے جیسے حکومتوں کا رُخ بدلتا رہتا ہے لوگوں کے رجحانات بھی بدلتے رہتے ہیں پہلے پہل مسلمانوں کا رجحان علوم وفنون یعنی فلسفہ' ہیئت' طب' سائنس اور فلکیات کی طرف زیادہ تھا اس لیے سائنسی علوم نے ترقی کی اور بے شمار سائنسدان پیدا ہوئے مگر جب مسلمانوں کا رجحان عیش پرستی کی طرف مائل ہوتا چلا گیا۔ تحقیق وتجسس کا فقدان ہوگیا اخلاقی اقدار کے ساتھ ساتھ علمی اقدار بھی پامال ہوگئیں تو سائنسدان یا سچے مومن جن کی نگاہیں تاریخ کے دھاروں کو موڑ دیا کرتی ہیں کیسے پیدا ہوتے؟ کسی بھی ملک کی ترقی کے لیے سائنس اور ٹیکنالوجی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں اگر دوبارہ اپنا مقام اونچا دیکھنا چاہتے ہیں یہاں یہ تفصیل بتانے سے میری مراد یہی ہے کہ اس تصور کی نفی کریں کہ اسلام اور سائنس آپس میں متصادم ہیں اسلام تو نہ صرف سائنسی علوم کی حوصلہ افزائی کرتا ہے بلکہ اس میدان میں آگے بڑھنے اور غور وفکر کرنے کی دعوت بھی دیتا ہے۔ جن کی وضاحت اوپر دی ہوئی آیات سے کی گئی ہے۔ ہمارے زوال کی دیگر کئی وجوہات میں سے ایک وجہ سائنسی علوم میں پیچھے رہ جانا بھی ہے کیونکہ جو قوم بھی سائنسی ترقی میں پیچھے رہ جائے گی وہ زندگی کے ہر میدان میں پیچھے رہ جائے گی۔ پس اس بات کی ضرورت ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے سائنس کی اہمیت و افادیت کو واضح کیا جائے۔ اسلاف کے سائنسی کارناموں سے روشناس کرایا جائے تاکہ ہمارے دلوں میں سائنسی علوم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو اور اس احساس کو مسلمانوں کے دل سے ختم کیا جائے کہ تمام ایجادات یورپ اور امریکہ کے سائنسدانوں کی مرہون منت ہیں۔ یہاں مسلمانوں کے سائنسی کارنامے بیان کرنے کا مقصد یہی ہے کہ سابقہ زمانے کی اہم ترین ایجادات مسلمانوں ہی کے دم سے وجود میں آئیں۔ غیر اقوام نے مسلمانوں کے علمی سرمایہ سے استفادہ کرکے سائنسی میدان میں ترقی کی ہے۔ یہی خود اعتمادی مسلمانوں کو آگے بڑھنے میں مدد دے گی ورنہ ہم ہر میدان میں اغیار کے دستِ نگر رہیں گے۔''

اغیار کی زبان اور وضع قطع اختیار کرنے کی بجائے اپنی قدروں کو پہچانیں اور اس خیال کی نفی کریں کہ ایمان اور اسلام کا تعلق تو صرف دل سے ہے' ظاہری وضع وتراش

کا اس سے کیا تعلق ہم مسلمان ہیں ہمارا ظاہر اور باطن ایک ہونا چاہیے۔ مغربی نظریات کو رد کرتے ہوئے اسلامی نظریات کو اپنی زندگیوں کی اساس بنائیں تاکہ دنیاوی اور اخروی دونوں زندگیاں سنور جائیں۔ پس روحانیت کو مادیت پر ترجیح دیں اور اپنے رب کو راضی کرنے کی کوشش کریں کیونکہ مومن کی زندگی کا اصل مقصد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو' صاف کہہ دو کہ راستہ بس وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے۔ اور اگر تم ان کی خواہشات کی پیروی کرو گے باوجود اس کے کہ تمہارے پاس علم آچکا ہے تو اللہ کی پکڑ سے بچنے کے لیے تمہارا کوئی دوست یا مددگار نہ ہوگا جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے۔ وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے۔ وہ اس پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں اور جو اس کے ساتھ کفر کا رویہ اختیار کریں۔ وہی اصل میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔'' (البقرۃ:120:121)

امامت کی منتقلی

اگرچہ یہودی (بنی اسرائیل) اپنے علم وحکمت کی وجہ سے پہلے امامت کے منصب پر فائز تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کی لاڈلی قوم تھی مگر اپنی سرکشی کی وجہ سے اس منصب سے محروم کر دی گئی میں مختصر سا حوالہ اس تاریخ کا دوں گی کہ امامت کس طرح منتقل ہوئی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عالمگیر دعوت پھیلانے کے لیے مقرر کیا تھا۔ انہوں نے پہلے خود عراق سے مصر تک اور شام وفلسطین سے ریگستانِ عرب کے مختلف گوشوں تک برسوں گشت لگا کر اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری (یعنی اسلام) کی طرف لوگوں کو دعوت دی پھر اپنے

مشن کی اشاعت کے لیے مختلف علاقوں میں خلیفہ مقرر کیے۔ شرق اردن میں اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو شام و فلسطین میں اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کو اور اندرون عرب میں اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مامور کیا پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکے میں وہ گھر تعمیر کیا جس کا نام کعبہ ہے اور اللہ ہی کے حکم سے وہ اس مشن کا مرکز قرار پایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے دو بڑی شاخیں نکلیں ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد جو عرب میں رہی۔ قریش اور عرب کے بعض دوسرے قبائل کا تعلق اسی شاخ سے تھا اور جو عرب قبیلے نسلاً حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد نہ تھے۔ وہ بھی چونکہ ان کے پھیلائے ہوئے مذہب سے کم وبیش متاثر تھے اس لیے وہ اپنا سلسلہ انہی سے جوڑتے تھے دوسرے حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد' جن میں حضرت یعقوب علیہ السلام' حضرت یوسف علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت داؤد علیہ السلام' حضرت سلیمان علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت یحییٰ علیہ السلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بہت سے انبیاء علیہ السلام پیدا ہوئے اور جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکی ہوں حضرت یعقوب علیہ السلام کا اعزازی نام چونکہ اسرائیل تھا اس لیے یہ نسل بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسی شاخ میں جب پستی وتنزل کا دور آیا تو پہلے یہودیت اور پھر عیسائیت نے جنم لیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصل کام دنیا کو اللہ کی اطاعت کی طرف بلانا اور اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے مطابق انسانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی کا نظام درست کرنا تھا۔ وہ خود اللہ کے مطیع تھے اُس کے دیئے ہوئے علم کی پیروی کرتے تھے۔ دنیا میں اس علم کو پھیلاتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ سب انسان مالک کائنات کے فرمانبردار ہو کر رہیں۔ یہی خدمت تھی جس کے لیے وہ دنیا کے امام وپیشوا بنائے گئے تھے ان کے بعد یہ امامت کا منصب ان کی نسل کی اس شاخ کو ملا جو حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے چلی اور بنی اسرائیل کہلائی یعنی (اسرائیل کی اولاد) اسی میں انبیاء پیدا ہوتے رہے اسی کو راہِ راست کا علم دیا گیا اسی کے سپرد یہ خدمت کی گئی

کہ راہِ راست کی طرف اقوام عالم کی راہنمائی کرے اور یہی وہ نعمت تھی جسے اللہ تعالیٰ نے بار بار انہیں یاد دلایا۔

''اے بنی اسرائیل یاد کرو اس نعمت کو جو میں نے تم پر کی اور تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی۔'' (البقرہ:122)

اس شاخ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بیت المقدس کو اپنا مرکز قرار دیا (اللہ کی مرضی سے) جب تک یہ شاخ امامت کے منصب پر فائز رہی۔ بیت المقدس ہی دعوت اِلی اللہ کا مرکز اور خدا پرستوں کا قبلہ رہا مگر جب انہوں نے منصب امامت کا حق ادا کرنا چھوڑ دیا بلکہ خود بھی راہِ حق سے پھر گئے اور سوائے چند لوگوں کے ان کی پوری امت میں نیکی کرنے کی کوئی صلاحیت باقی نہ رہی تو انہیں امامت کے منصب سے معزول کر دیا گیا کیونکہ امامت صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو فرمانبردار ہوں چونکہ امامت سچی اطاعت وفرمانبرداری کا پھل ہے۔ جب فرمانبرداری سرکشی میں بدل جاتی ہے تو امامت بھی چھین لی جاتی ہے (یہی حال آج ہمارا ہے) پس اللہ تعالیٰ نے پھر یہ امامت کا منصب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری شاخ بنی اسماعیل کو سونپ دیا اللہ نے اس شاخ میں وہ رسول ﷺ پیدا کیا جس کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے دعا کی۔

حضرت محمد ﷺ

ان کا طریقہ وہی ہے جو دوسرے انبیاء علیہ السلام کا تھا اور ان کے پیروکار (مسلمان) تمام پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں جو دنیا میں اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور اسی راستے کی طرف دنیا کو بلاتے ہیں جس کی طرف سارے انبیاء دعوت دیتے چلے آئے ہیں لہٰذا اب امامت کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو اس رسول ﷺ کی پیروی کریں۔

تبدیلی امامت کا اعلان ہونے کے ساتھ ہی قدرتی طور پر تحویل قبلہ کا اعلان ہونا بھی ضروری تھا۔ جب تک بنی اسرائیل کی امامت کا دور تھا بیت المقدس مرکزِ دعوت

رہا اور وہی قبلہ اہلِ حق بھی رہا۔ خود نبی عربی ﷺ اور آپ ﷺ کے پیرو بھی اس وقت تک بیت المقدس ہی کو قبلہ بنائے رہے۔ مگر جب بنی اسرائیل اس منصب سے باضابطہ معزول کر دیئے گئے تو یہ مرکزیت بھی بدل گئی اور مقام ابراہیم کو (خانہ کعبہ) کو مرکز بنا دیا گیا اور چونکہ ابتدا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا مرکز بھی یہی مقام تھا۔

اس لیے اہلِ کتاب کے لیے بھی یہ تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں تھا کہ قبلہ ہونے کا زیادہ حق کعبے ہی کو پہنچتا ہے۔ یہ الگ بات تھی کہ وہ ہٹ دھرمی کی وجہ سے حق کو حق جانتے ہوئے بھی اعتراض کرتے تھے۔ تحویل قبلہ کا اصل حکم رجب یا شعبان 2 ہجری میں نازل ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

> ''بے شک ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں۔ پس ہم اسی قبلے کی طرف تمہیں پھیر دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو۔ مسجد حرام کی طرف رُخ پھیر لو۔ اب جہاں کہیں بھی تم ہو۔ اُسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔'' اور بے شک اہل کتاب جانتے ہیں کہ یہ حکم ان کے رب کی طرف سے سچ ہے مگر اس کے باوجود وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔'' (البقرۃ:144)

یہودیوں اور عیسائیوں کے علماء حقیقت میں یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ کعبے کو حصرت ابراہیم علیہ السلام (جو ان کے جدّ انبیاء بھی تھے) نے تعمیر کیا تھا اور برعکس اس کے بیت المقدس اس کے 13 سو سال بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں تعمیر ہوا اور انہی کے زمانے میں قبلہ قرار پایا۔ اس لیے اس تاریخی واقعے میں ان کے لیے ذرہ برابر کسی اشتباہ کی گنجائش نہ تھی۔

سورۃ البقرہ ہی کی آیت نمبر 149 اور 150 میں پھر اسی حکم کی تاکید کی گئی کہ تمہارا گزر جس مقام سے بھی ہو اپنا رُخ مسجد حرام کی طرف پھیر دو کیونکہ یہ تمہارے رب کا حق فیصلہ ہے۔ پس جہاں کہیں بھی ہو اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو تاکہ لوگوں کو تمہارے خلاف کوئی حجت نہ ملے مگر جو لوگ ظالم ہیں ان کی زبان تو کسی حال میں بند نہ

ہو گی۔ اس لیے امامت و پیشوائی کی نعمت بنی اسرائیل سے سلب کر کے اس امت کو دی گئی جو فرمانبردار تھی۔ دنیا میں ایک امت کی راست روی کا یہ انتہائی ثمر ہے کہ اسے اقوامِ عالم کی رہنما اور پیشوا بنا دیا جائے اور نوعِ انسانی کو خدا پرستی اور نیکی کی طرف گامزن کرنے کی خدمت پر لگا دیا جائے۔ یہ منصب جس امت کو دیا گیا۔ حقیقت میں اس پر اللہ کے فضل و انعام کی تکمیل ہو گئی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ کہ تحویل قبلہ کا یہ حکم دراصل اس منصب پر تمہاری سرفرازی کا نشان ہے۔ لہٰذا تمہیں اس لیے بھی ہمارے اس حکم کی پیروی کرنی چاہیے کہ ناشکری و نافرمانی کرنے سے کہیں یہ منصب تم سے چھین نہ لیا جائے۔ امامت کا منصب عطا کرنے کے بعد اس امت کو ضروری ہدایات دی گئی ہیں۔ کہ یہ ذمہ داری پھولوں کا بستر نہیں ہے بلکہ ایک عظیم الشان اور پُر خطر خدمت ہے۔ جس کا بار اٹھانے کے ساتھ ہی امت پر ہر قسم کے مصائب کی بارش ہو گی۔ سخت آزمائشوں میں سے گزرنا ہو گا اور طرح طرح کے نقصانات اٹھانے پڑیں گے اور جب صبر و ثبات اور عزم و استقلال کے ساتھ ان تمام مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے ہم راہ حق میں آگے بڑھتے جائیں گے تو پھر اللہ کی طرف سے ہم پر عنایات کی بارش ہو گی اور خسارے کی زندگی فائدے میں بدل جائے گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ''یہودی کہتے ہیں' یہودی ہو تو راہِ راست پاؤ گے' عیسائی کہتے ہیں' عیسائی ہو تو ہدایت ملے گی ان سے کہو ''نہیں'' بلکہ سب کو چھوڑ کر ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ اختیار کرو اور ابراہیم علیہ السلام مشرکوں میں سے نہ تھے۔ (البقرۃ:135)

یہود و نصاریٰ کی مقدس کتابیں اس بات پر گواہ ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ اسلام ایک اللہ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش' تقدیس' بندگی اور اطاعت کے قائل نہ تھے۔ امامت کا منصب ان سے نہیں چھینا گیا بلکہ یہودیت اور نصرانیت سے واپس لیا گیا جو راہِ راست سے منحرف ہو گئی تھیں وہ دین ابراہیمی سے پھر گئی تھیں ان کی شریعت میں

شرک کی آمیزش ہوگئی تھی۔ یہودیت اور عیسائیت تو صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے بھی بہت بعد کی پیداوار ہیں۔ جیسا کہ ''یہودیت'' اپنے اس نام اور اپنی مذہبی خصوصیات اور رسوم وقواعد کے ساتھ تیسری چوتھی صدی قبل مسیح میں پیدا ہوئی جبکہ ''عیسائیت'' جن عقائد اور مخصوص مذہبی تصورات کے مجموعے کا نام ہے وہ تو حضرت مسیح علیہ السلام کے بھی ایک مدت بعد وجود میں آئے ہیں۔ پس انسان کے ہدایت یافتہ ہونے کا مدار اُس عالمگیر صراطِ مستقیم کے اختیار کرنے پر ہے۔ جس سے ہر زمانے میں انسان ہدایت پاتے رہے ہیں اور دنیا میں آنے والے ہر پیغمبر کو اللہ نے یہی صراطِ مستقیم یعنی سیدھا راستہ دے کر بھیجا ہے ہماری کتاب قرآن کی ابتدا اسی دعا کے ساتھ ہے۔

''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' (الفاتحہ:5)

''ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔''

بلاشبہ یہ وہ راستہ ہے کہ قدیم ترین زمانے سے لے کر آج تک جو شخص، جو گروہ یا جو اُمت اس پر چلی وہ نہ صرف اللہ کی انعامات کی مستحق ہوئی بلکہ اس کی نعمتوں سے مالا مال ہوگئی۔

ہم دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتے ہیں اور ہر نماز کی ہر رکعت میں یہ دعا کرتے ہیں اور پھر اپنے لیے انتخاب کس راہ کا کرتے ہیں؟ یہ فیصلہ ہمیں خود کرنا ہے کیونکہ امامت کا وعدہ تو انہی لوگوں سے کیا گیا ہے جو ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر ''اللہ کی کتاب'' کو مضبوطی سے تھام کر چلیں گے انکار کرنے والوں کو اللہ کا عہد نہیں پہنچا کرتا اسلام نے تمام مذاہب کا سرچشمہ وحی الٰہی کو قرار دیا ہے اور سب پیغمبر اور سب آسمانی کتابیں حق اور ہدایت کا پیغام لے کر آئی ہیں البتہ یہ ہدایت متقی لوگوں کے لیے ہی ہوا کرتی ہے اور پھر تقویٰ کی راہ اختیار کرنے والوں کو ہی دنیا کی خلافت سونپی جاتی ہے۔ جس کا اعتراف اپنے پرائے سبھی کرتے ہیں۔ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی عظمت اور قرآن پاک کی سچائی کی تصدیق غیر مسلم بھی کرتے ہیں اور جس طرح قرآن پاک میں بار

باراس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اُن کی کتابیں اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ قرآن برحق ہے ایسے ہی نبی پاک ﷺ کی آمد کی بشارتیں بھی موجود ہیں توریت اور انجیل میں باوجود تغیر وتبدل ترمیم وتحریف کے بہت سی بشارتیں صاف صاف موجود ہیں مثلاً:

(زبور، توریت اور انجیل کے بیانات)

خداوند نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

''میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کر کہے گا۔ نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات کہے میرے نام سے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔''

(توریت مطبوعہ مرزا پور 1870 باب 18 آیت 18 تا 20)

بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیل علیہ السلام اور وہ نبی بنی اسماعیل میں سے سوائے پیغمبر عربی ﷺ کے سوا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا جیسا کہ خود توریت کا بیان ہے۔

''پھر قائم نہ ہوا کوئی نبی بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کے مانند، جس نے پہچانا ہو اللہ کو رو بدرو۔''

(توریت کتاب استثناء 2 باب نمبر 34 درس 10)

مگر نبی پاک ﷺ امی جناب کلیم اللہ کے بالکل مثل تھے اور اکثر امور میں آپس میں مشابہت ثابت ہوتی ہے مثلاً

1- جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام مستقل صاحبِ شریعت تھے، ہمارے حضور ﷺ بھی مستقل صاحبِ شرع تھے لیکن بنی اسرائیل میں کوئی نبی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حتیٰ کہ سیدنا مسیح علیہ السلام بھی مستقل صاحبِ شرع نہ تھے۔ (انجیل متی باب نمبر 5)

2- موسیٰ علیہ السلام حکومت و فرمانروائی کی شان بھی رکھتے تھے اور آنحضرت ﷺ بھی تاجداروں کے تاجدار تھے۔

3- جہاد کا حکم موسیٰ علیہ السلام کو بھی ہوا اور ہمارے حضور ﷺ کو بھی مخالفین کے حملوں کا جواب دینے اور سرکشوں کی سرکوبی کا حکم دیا گیا۔

4- سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر معراج ہوئی۔ رسول اکرم ﷺ کو بھی اتم واکمل درجہ کی معراج ہوئی وغیرہ وغیرہ۔

جس طرح توریت کی مثل ثابت ہوئی اس طرح جھوٹی نبوت کے دعویدار کو قتل کرنے کی بشارت جو توریت نے کی وہ بھی سچ ثابت ہوئی جب مسلمہ کذاب نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تو وہ پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت کی ابتدا ہی میں قتل کر دیا گیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک آنے والے نبی (آپ ﷺ) کا ذکر کچھ اس طرح فرمایا:

"تو حسن میں بنی آدم سے کہیں زیادہ ہے۔ تیرے ہونٹوں میں لطف بنایا گیا۔ اسی لیے خدا نے تجھے ابد تک مبارک کیا تو صداقت کا دوست اور شرارت کا دشمن ہے۔ میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا۔ بس سارے لوگ ابدوآباد تیری ستائش کریں گے۔"

(زبور شریف باب نمبر 45 ملتقطاً)

بائبل کہتی ہے؟ جس رات مسیح علیہ السلام اس دنیا سے رخصت ہونے والے تھے آپ نے اپنے شاگردوں سے کہا۔

"مجھے تم سے اور بہت سی باتیں کہنی ہیں لیکن ابھی تم ان کو برداشت

نہیں کر سکتے۔ مگر جب وہ روحِ حق (محمد ﷺ) آئے گا تم کو سچائی کا راستہ دکھائے گا اور تمہیں آئندہ کی خبر دے گا وہ میرا جلال ظاہر کرے گا۔"

یورپی متشرق باسورد ھ سمتھ کے بقول:

"یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے۔ ہم محمد ﷺ کی بیرونی تاریخ کی ہر چیز جانتے ہیں یہ محمد ﷺ کی عظمت ہے۔"

یہ اعزاز دنیا کے کسی ہادی کے حصے میں نہیں آیا آپ ﷺ کے لیل و نہار، صبح و شام کی مصروفیت، مجالس، عبادات اور اخلاقیات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت پر بیش بہا کتابیں لکھی گئیں برعکس اس کے دیگر مذاہب کے راہنماؤں کی سیرت خود ان کے پیروؤں کے بقول تاریخ کے صفحات پر نظر نہیں آتی۔ خود دوسرے مذہبی راہنماؤں نے اپنے مذہب کو عالمگیر اور آفاقی نہیں کہا بلکہ محدود اور عارضی گردانا ہے اور اپنی زندگیوں میں ہی ایک ایسی شخصیت کی بشارت دی ہے جس کا دین سچا اور قیامت تک رہنے والا ہوگا۔

زبور میں درج ہے۔ حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام بن داؤد علیہ السلام اپنے محبوب سے ملنا چاہتے ہیں اور محبوب (نبی امی پیغمبر عربی ﷺ) کی یوں ثنا خوانی فرمائی ہے۔

"میرا محبوب نورانی گندم گوں، ہزاروں میں سردار ہے۔ اس کا سر ہیرے کا سا چمکدار ہے۔ اس کی زلفیں مسلسل مثل کوے کے کالی ہیں۔ اس کا چہرہ مانند ماہتاب کے، جوان مانند صنوبر کے، اس کا گلا نہایت شیریں اور وہ بالکل محمد ﷺ یعنی تعریف کیا گیا ہے۔ یہ ہے میرا دوست اور میرا محبوب۔"

(انتہے ملتقطاً زبور غزل الغزلات باب نمبر 15 درس 10 تا 16)

حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اگر تم مجھے پیار کرتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو اور اپنے خدا سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں دوسرا تسلی دینے والا بخشے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا۔" (انجیل یوحنا)

نیز فرماتے ہیں:

"لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار (تسلی دینے والا) تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔"
(انجیل یوحنا باب 15' آیت نمبر 8,7,6 مطبوعہ برٹش فارن بائبل سوسائٹی لاہور 1906ء)

دوسری جگہ فرمایا:

"لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔"
(یوحنا باب نمبر 16 آیت نمبر 13)

اس سے زیادہ روشن اور صریح بشارت اور کیا ہوگی۔ بلاشبہ بنی اسرائیل کی طرف آنے والے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ ان کے بعد جو نبی تمام کائنات کے لیے آخرالزماں نبی بن کر دین اسلام کو پسندیدہ دین قرار دے کر لے کر آئے وہ نبی سرور کائنات حضرت محمد ﷺ ہیں جس کی گواہی قرآن نے یوں دی۔

"اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا' خوشخبری دینے والا' ڈرانے والا اور اللہ کے حکم کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔"
(الاحزاب: 45-46)

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت محمد ﷺ ہی نبی بن کر آئے۔ جنہوں نے ان کی نبوت کی تصدیق فرمائی اور گواہی دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور جب کہا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے کہ اے بنی اسرائیل میں آپ کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں جو تصدیق کرتا ہوں اس سے پہلے کی کتاب توریت کی اور خوشخبری دیتا ہوں میرے بعد آنے والے ایک رسول ﷺ کی جس کا نام احمد ہوگا۔"

عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے حواری بھی نبی پاک ﷺ کی بشارت دیتے اور پیغمبر آخرالزماں کا یقین رکھتے تھے اور ان کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ مسیح علیہ السلام اس وقت تک آسمان سے نزول نہ فرمائیں گے جب تک کہ خاتم الانبیا ﷺ معبوث نہ ہوں جن کی سب پیغمبروں نے بشارت دی اور جن کی موسیٰ علیہ السلام نے پیشین گوئی فرمائی۔
انجیل مقدس میں ان کی منادی یوں کی گئی:

"ضرور ہے کہ آسمان اس لیے رہے اس وقت کہ سب چیزیں جن کا ذکر خدا نے اپنے سب نبیوں کی زبانی شروع سے کیا' موسیٰ علیہ السلام نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند جو تمہارا خدا ہے۔ تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیے ایک نبی میری مانند اٹھاوے گا جو کچھ وہ کہے گا' اس کی سب سنو۔" (انجیل کتاب الاعمال باب 3 آیات 19 تا 24)

سر ولیم میور صاحب باوجود اس کے کہ وہ ایک انتہائی متعصب عیسائی ہیں لکھتے ہیں۔

"آنحضرت ﷺ کی گفتگو جزیرہ نمائے عرب کی خوشنما زبان کا خالص ترین نمونہ تھی۔"

"تمام پیغمبروں اور مذہبی شخصیتوں میں (محمد ﷺ) سب سے زیادہ

کامیاب ہیں۔" (مقالہ نگار انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا)

"حضرت محمد ﷺ کا اخلاق وہی تھا جو ایک شریف عرب کا ہو سکتا ہے۔"

"آپ ﷺ امیر و غریب کی یکساں عزت کرتے تھے اور اپنے گردو پیش لوگوں کی خدمت کا بہت خیال رکھتے تھے۔"

(مغربی فاضل مارکس ڈاڈ)

غیر مسلموں نے جس طرح نبی پاک ﷺ کی عظمت کا اعتراف مختلف صورتوں میں کیا ایسے ہی آپ ﷺ جو کتاب لے کر آئے اس کی صداقت اور عظمت کا اعتراف بھی مختلف حوالوں سے کیا گیا جیسا کہ کہا گیا۔

1- اسلام کی قوت و طاقت قرآن میں ہے۔ قرآن قانون اساس ہے اور حقوق کی دستاویز ہے۔" (مسٹر ای ڈی مارٹل)

2- "قرآن شریف غیر مسلموں سے بے تعصبی اور رواداری سکھاتا ہے۔ اس کے اصول کی پیروی سے دنیا خوشحال ہو سکتی ہے اور دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہو گا۔" (لندن میں تقریر از مسز سروجنی نائیڈو)

3- وہ وقت دور نہیں جبکہ قرآن اپنی مسلمہ صداقتوں اور روحانی کرشموں سے سب کو اپنے اندر جذب کر لے گا۔ وہ زمانہ بھی دور نہیں جبکہ اسلام ہندو مذہب پر غالب آ جائے گا اور ہندوستان میں ایک ہی مذہب ہو گا۔"

(ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور)

4- میں مذہب اسلام سے محبت کرتا ہوں اور اسلام کے پیغمبر کو دنیا کے مہا پرش سمجھتا ہوں میں قرآن کی معاشرتی' سیاسی' اخلاقی اور روحانی تعلیم کا دل سے مداح ہوں اور اس رنگ کو اسلام کا بہترین رنگ سمجھتا ہوں جو حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں تھا۔" (لالہ لاجپت رائے)

5- قرآن نے مسلمانوں کو مواخات کے بندھن میں باندھ رکھا ہے۔ جو نسل' رنگ اور زبان کے پابند نہیں ہیں۔ (مشہور افسانہ نگار ایچ جی ویلز)

6- قرآن نے مسلمانوں کو جنگ (جہاد) بھی سکھایا اور ہمدردی' فیاضی اور خیرات کرنا بھی سکھایا۔" (مسٹر آرنلڈ وہائٹ)

7- قرآن مسلمانوں کا مشترکہ قانون ہے۔ معاشرتی' ملکی' تجارتی' فوجی' عدالتی اور تعزیری سب معاملات اس میں موجود ہیں پھر بھی یہ ایک مذہبی کتاب ہے۔ اس نے ہر چیز کو باقاعدہ بنا دیا ہے۔

(محمد ﷺ اور قرآن از ڈیون پورٹ)

اگر غیر مسلم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ بے شک یہ ایسی کتاب ہے جس میں دنیاوی ہر معاملے کی وضاحت کی گئی ہے تو مسلمان اپنے مسائل کے حل کے لیے اس کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے اپنے معاملات میں اس کی راہنمائی کو تلاش کیوں نہیں کرتے میں اگر یہ کہوں کہ ہمارا موجودہ زوال اس سے دوری کی بنا پر ہے تو کیا یہ درست نہ ہوگا۔ ہم نے اسے ایک مقدس کتاب کا درجہ تو دے رکھا ہے مگر یہ بھول گئے ہیں کہ اس میں ہمارا نظریہ حیات ہے اس میں احسن زندگی گزارنے کا ہر طریقہ بتایا گیا ہے جو لوگ اس بات کو سمجھ رہے ہیں وہی ترقی کے راستے پر رواں دواں ہیں۔ ایک مسیحی نامہ نگار لکھتا ہے۔

8- مسلمان جب قرآن و حدیث میں غور کریں گے تو اپنی دینی اور دنیاوی ضروریات کا علاج اس میں تلاش کر لیں گے۔ (اخبار الوطن مصر)

یقیناً ہمارے تمام مسائل کا حل انہی دو پر ہے: قرآن اور سنت۔ کاش ہم اس بات کو سمجھ جائیں۔

9- قرآن مجید نے ایک عظیم الشان نظام تہذیب و تمدن پیدا کیا۔"

(جان جاک رلیک)

10- اسلام کو جو لوگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں انہوں نے قرآن مجید کی تعلیم کو سمجھا نہیں کہ جس کے اثر سے عربوں کی کایا پلٹ گئی۔

(فرانسیسی مصنف موسیو میر)

11- تیرہ سو برس کے بعد بھی قرآن کی تعلیمات کا اثر یہ ہے کہ ایک خاکروب بھی مسلمان ہونے کے بعد بڑے بڑے خاندانی مسلمانوں کی برابری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔" (مسٹر بھوپندر ناتھ باسو)

یہ تھی غیر مسلموں کی رائے ان کی تجزیہ نگاری مذہب اسلام کے بارے میں سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کے بارے میں اور ہماری کتاب قرآن کے بارے میں بلاشبہ یہ لوگ غور وفکر کے بعد جن نتائج تک پہنچے ہیں ان میں ذرہ برابر بھی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ مگر اس کے باوجود اسلام کے خلاف بڑھتا ہوا پروپیگنڈا کن مقاصد کی عکاسی کرتا ہے؟

حال ہی میں اشتیاق بیگ صاحب کا کالم جنگ اخبار کی وساطت سے پڑھنے کو ملا تو مجھے اس سوال کا جواب مل گیا ان کی رائے سے میں قارئین کو بھی آگاہ کرنا چاہوں گی۔"

فرانس میں قیام کے دوران ایک صبح ناشتہ کرتے ہوئے ایک یورپی اخبار کی نمایاں خبر نے مجھے چونکا دیا خبر کچھ یوں تھی۔ "مسلمان اگر ہالینڈ میں رہنا چاہتے ہیں تو انہیں آدھے قرآن شریف کو پھاڑنا ہوگا اور اگر آج حضور اکرم ﷺ زندہ ہوتے تو میں اس وقت تک ان کا تعاقب کرتا جب تک وہ ملک چھوڑ کر نہ چلے جاتے (نعوذ باللہ)

یہ بیان ہالینڈ کے امیگریشن مخالف سیاستدان اور رکن پارلیمنٹ گریٹ ولڈرز نے ہالینڈ کے ایک اخبار ڈی پیریز کو دیا اس نے اپنے انٹرویو میں کہا کہ یورپ میں اسلام ایک سونامی کے طوفان کی مانند پھیل رہا ہے اور مسلمانوں کی تعداد میں جس تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے جلد ہی آپ کو محسوس ہوگا کہ آپ اپنے ہی ملک میں اقلیت میں اور کسی اسلامک ملک میں رہ رہے ہیں۔ ایک وقت ہوگا کہ مسجدوں کی تعداد چرچوں سے تجاوز کر جائے گی۔ گیرٹ ورلڈز نے حکومت سے مسلم امیگریشن اور نئی مساجد کی تعمیر پر پابندی لگانے کا مطالبہ بھی کیا۔ ہالینڈ میں اس وقت دس لاکھ سے زائد مسلمان مقیم ہیں۔

گیرٹ ورلڈرز 2004ء پولیس کی حفاظت میں زندگی گزار رہا ہے۔ اس وقت سے جب سے اس کے قریبی دوست فلم ساز وین گوگ کو ایک مراکشی مسلمان نے

اس لیے مار ڈالا کہ اس نے ہالینڈ کی ایک ماڈل خاتون کے برہنہ جسم پر قرآنی آیات تحریر کروا کر اُسے آرٹ کا ایک شاہکار قرار دیا تھا (نعوذ باللہ) اور اس کی فلمبندی بھی کی تھی۔

اس طرح کے توہین آمیز خاکے اور بھی کئی یورپین اخباروں اور رسالوں میں شائع ہوئے ہیں توہین رسالت کی گئی مگر ہم مسلمان خاموش ہیں اسلام کے خلاف ہونے والی کسی بھی سازش کا ہم نے کہیں کوئی جواب نہیں دیا کیا دینِ محمدی ﷺ ہم سے اس بات کا تقاضا نہیں کرتا؟ یہاں میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گی صرف اتنا کہوں گی کہ اپنے دین کی حفاظت ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ اسلام رواداری کا مذہب ہے عفو و درگزر کا مذہب ہے مگر اس توہین کی اجازت نہیں دیتا ذرا اس مسئلے پر غور تو کریں۔

مرزا اشتیاق صاحب لکھتے ہیں فرانس سے واپسی پر پورے سفر کے دوران میرے ذہن میں کئی سوالات نے جنم لیا۔ اسلام کے خلاف مغرب کے بعض ذمہ دار حلقوں سے اس طرح کے جارحانہ اور توہین آمیز بیانات کیوں سامنے آرہے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے خلاف اہانت آمیز خاکوں کی اشاعت' مسلمانوں کے ساتھ مغربی ممالک میں امتیازی سلوک' گرفتاریاں' چھاپے' اسکارف پر پابندی اور خاکوں کی اشاعت کرنے والوں کی حوصلہ افزائی جیسے واقعات کیوں رونما ہو رہے ہیں اس کے پس پشت کیا مقاصد ہیں بہت غور فکر کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ واقعات یورپ اور امریکہ میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور ان ممالک میں تیزی سے اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں اضافے سے خوفزدہ ہونے اور بوکھلاہٹ کا نتیجہ ہے۔ میں نے پوری دنیا بالخصوص یورپ اور امریکہ میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے متعلق مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ جیسے جیسے میری تحقیق آگے بڑھی مجھ پر بہت سے انکشافات ہوتے گئے" دراصل قرآن اور اس کی تعلیمات سے متاثر ہو کر دنیا میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ قرآن کے مطالعے سے انہیں قلبی سکون بھی ملا اور یہ احساس بھی ہوا کہ اسلام ویسا مذہب نہیں ہے جیسا ان کے میڈیا نے اسے بنا کر پیش کیا۔ اس طرح ان کی ذہنی غلط فہمیاں اسلام کے بارے میں دُور ہوتی چلی گئیں۔

کاؤنسل آف امریکن اسلامک ریلیشن (CAIR) کے مطابق امریکہ میں ہر

سال 20 ہزار افراد اسلام قبول کر رہے ہیں جرمنی میں اوسطاً ہر ہفتے 20 افراد اسلام قبول کر رہے ہیں۔ فلپائن میں ہر سال 6 ہزار افراد اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اسرائیل جیسے ملک میں گذشتہ سال 70 یہودیوں نے اسلام قبول کیا۔ اسلام قبول کرنے والوں کی فہرست میں زندگی کے مختلف شعبوں میں کامیاب اہم اور نمایاں افراد کے نام شامل ہیں (کچھ کا ذکر میں پہلے کر چکی ہوں ان کے اپنے خیالات کے ساتھ کہ اسلام نے انہیں کس طرح متاثر کیا)

گیون کے سابق صدر، مائیکل جیکسن کے بھائی جرمن جیکسن، امریکن رکن پارلیمنٹ کیتھ ایلس، جارجیا کے منسٹر جیک ایلس، سابق عالمی ہیوی ویٹ چمپئن مائیک ٹائسن، سابق جرمن سفیر ڈاکٹر مراد ہوفمین، بی بی سی کے ڈائریکٹر کے بیٹے یحییٰ برٹ، آسٹریا کی سائنسدان خاتون امینہ اور برطانیہ کے سابق وزیراعظم کی پوتی اور پاکستان کرکٹ ٹیم کے مایہ ناز کھلاڑی محمد یوسف جیسے نمایاں نام شامل ہیں۔ یہ لوگ مغرب کی بے راہ روی سے مایوس اور اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر چکے ہیں (معذرت کے ساتھ اور ہم روشن خیالی کے نام پر اس بے راہ روی کی طرف گامزن ہیں رکئے! سوچئے کیا اسلام اس طرح کی روشن خیالی کا درس دیتا ہے۔ جہاں ہمارا ستر برائے نام رہ جائے اپنے خلاف کی جانے والی سازشوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس سے پہلے کہ بربادی اپنی انتہا کو پہنچ جائے اور اللہ کی رحمت ہم سے دور ہو جائے لوٹ آئیں اس پناہ میں جہاں سکون ہی سکون ہے)

ایک تحقیق کے مطابق 2020ء تک اسلام برطانیہ کا نمایاں مذہب ہوگا اور مساجد کی تعداد چرچوں سے زیادہ ہو جائے گی۔ برطانیہ میں چار مسلمان اراکین ''پارلیمنٹ ہیں اور ہر الیکشن میں ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ امریکہ میں حال ہی میں ایک مسلمان کانگرس کا رکن منتخب ہوا ہے اور اس نے قرآن پر اپنے عہدے کا حلف اٹھایا ہے۔ اسرائیل جیسے ملک میں بھی ایک مسلمان رکن پارلیمنٹ منتخب ہوا ہے۔ جرمنی کے ایک تھنک ٹینک کی تحقیق ہے کہ 2046 میں جرمنی کی آبادی کی اکثریت مسلمان ہوگی۔ ڈیڑھ ماہ قبل ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ بابری مسجد کی شہادت میں بڑھ چڑھ

کر حصہ لینے والے دو انتہا پسند ہندو نوجوانوں نے اسلام قبول کر لیا۔ نوجوانوں جن کے نام دھرمیندر اور بہیر تھے ان کے اسلامی نام عمر اور عمار رکھے گئے اور وہ تبلیغ کے لیے بیرون ملک روانہ ہو گئے۔

ان نوجوانوں کا کہنا تھا کہ جب سے انہوں نے یہ کام کیا ان کی راتوں کی نیند حرام ہو گئی تھی اور جس دن سے انہوں نے کلمہ شہادت پڑھا اسی دن سے انہیں پُرسکون نیند آنے لگی بھارتی موسیقار اے آر رحمان بھی انہی لوگوں میں شامل ہیں جنہیں اسلام کے دامن میں سکون ملا۔ شاید اس رجحان نے انتہا پسند حلقوں میں ایک بوکھلاہٹ پیدا کر دی ہے اور وہ ہر قیمت پر اسلام اور مسلمانوں کی اس پیش قدمی کو روکنا چاہتے ہیں۔ اس لیے امتیازی قوانین بنائے جا رہے ہیں اور ہر وہ اقدام کیا جا رہا ہے جو اسلام کے بڑھتے ہوئے قدم روکنے میں معاون ثابت ہو۔

(مگر حق کو جتنا بھی دبایا جائے اسے پنپنے کا اتنا ہی موقع ملتا ہے) شاید اس لیے ڈنمارک میں جہاں سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ کے خلاف اہانت آمیز خاکے شائع ہوئے تھے وہاں آج قرآن کریم سب سے زیادہ لی جانے والی کتاب ہے اور لوگ اسلام کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر افسوس اس بات کا ہے کہ 57 اسلامی ممالک میں سے صرف سعودی حکومت نے اس گستاخی کا سنگین نوٹس لیتے ہوئے ہالینڈ کے سفیر کو طلب کر کے شدید احتجاج کیا اور ہالینڈ کی حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اس معاملے میں فوری مداخلت کرے اور پوری مسلم اُمّہ کی دل آزاری اور پیغمبر اسلام ﷺ کی اہانت کرنے پر مذکورہ سیاستدان معافی مانگے اور آئندہ اس طرح کے واقعات سے گریز کریں یہ بات واقعی انتہائی افسوس ناک ہے کہ کوئی سیاستدان اس طرح کے بیان دے اور مسلم ممالک خاموشی کا مظاہرہ کریں حالانکہ یہ بیان توہین آمیز خاکوں کی اشاعت سے زیادہ سنگین، اذیت ناک اور مسلمانوں کے لیے شدید دل آزاری کا باعث ہے ہمیں جو ہستی اپنے اہل وعیال سے بھی زیادہ محبوب ہے اس کے بارے میں نازیبا کلمات کا سننا یا برداشت کرنا کیا جائز ہے؟ اس سلسلے میں ہم مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق اور یکجہتی کا مظاہرہ کرنا ہوگا کاش کسی او آئی سی کے پلیٹ فارم پر مسلمان متحد ہو جائیں کاش! مرعوبیت کے زہر سے باہر

نکل آئیں تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان مرعوبیت کے زہر سے کبھی ہلاک نہیں ہوا اگر اس کے دل میں قرآن ہے۔ کیا اقوام یورپ نے تہذیب کی روشنی ہسپانیہ کے مسلمانوں اور عباسیوں کے دور سے حاصل نہیں کی۔ مسلمانوں نے مذہب کی بنیاد پر کبھی غیر مسلموں کے ساتھ امتیاز کا سلوک نہیں کیا۔ اسلام مذاہب کا احترام سکھاتا ہے۔ اسلامی تاریخ کا ورق ورق اس کا ثبوت ہے۔ جب بیت المقدس مسلمانوں کے قبضے میں تھا وہاں مسلمان، عیسائی اور یہودی امن ومحبت سے رہتے تھے، بھارت تقریباً ایک ہزار سال تک مسلمانوں کے زیر نگیں رہا ہندو اکثریت میں تھے لیکن وہ امن ومحبت کے ساتھ رہتے تھے حالانکہ مسلمانوں کی کوئی چیز ان سے نہیں ملتی تھی، عقائد مختلف تھے، بودوباش، تہذیب اور سب کچھ مختلف تھا مگر مسلمانوں کی رواداری اس سلسلے میں اپنی مثال آپ تھی مگر اب کیا حالات ہیں ہم تقلیدِ مغرب پر فخر محسوس کرتے ہیں پھر ہمارے مسائل حل کیسے ہوں؟ عصرِ حاضر کے تمام مسائل کا حل اسلامی تعلیمات میں پنہاں ہے۔ اسلام نے نبی پاک ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے ذریعے انسانیت کو جو نظام زندگی، حقوق وفرائض، احکام وآداب اور امرونواہی عطا فرمائے انہیں اپنانے سے ہی ہمارے مسائل حل ہوں گے امت مسلمہ میں فتنہ وفساد اور بگاڑ وانتشار کی بڑی وجہ انہی سے دوری ہے۔ ان کی قربت مسلمانوں کے لیے ہمیشہ ترقی کا باعث بنی مثلاً نبی پاک ﷺ کے وصال کو 15 سال نہ گزرے تھے کہ احکامِ اسلام پر عمل کرنے کے باعث مسلمان ایشیا، یورپ اور افریقہ کے تین براعظموں پر چھا گئے اور یہ حضرت عثمانؓ کا زمانہ تھا جب ایک طرف مسلمانوں نے سپین میں قدم جمائے اور دوسری طرف قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا۔ مگر جب رُوگردانی کی تو مسائل کی دلدل میں پھنستے چلے گئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے اہل ایمان اگر تم راہ حق سے منہ موڑ لو گے تو یاد رکھو! اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لاکھڑا کردے پھر وہ تم جیسی نہیں ہوگی۔''

شاید اس لیے مسلمانوں کو ہر خطے میں کسی نہ کسی نزاعی مسئلے کا سامنا ہے۔ جو

ہمارے وجود ملی کے لیے رستا ہوا ناسور بن کر رہ گیا ہے۔ مسلم مملکیت کے سینے میں ظلم وجارحیت کا کوئی نہ کوئی خنجر گڑا ہوا ہے اور مسلم دشمن طاقتیں یکے بعد دیگرے ہمارے زخموں کو تازہ کرنے کے لیے ایک نہ ایک وار کرتی رہتی ہیں۔ امت مسلمہ کو چاہیے کہ جاہلی عصبیت اور فرقہ پرستی سے نکل کر غور وفکر کریں اتحاد کی راہیں تلاش کریں کیونکہ ملت اسلامیہ ایک ایسی جامع قوت ہے جس کی اساس صرف اور صرف کلمہ طیبہ ہے۔ یہ کسی جغرافیائی حد بندی کی قید میں نہیں بلکہ سب ایک ہیں۔ پس اسلام وحدت نسل انسانی کا حامی ہے۔ یہ لوگوں کو ایک مرکز پر لا جمع کرتا ہے جو ہر قسم کے تعصبات اور دشمنیوں کو بھلا کر آپس میں محبت اور بھائی چارے کی فضا قائم کرتا ہے۔ جو انسان کے شرف کا ضامن اور اس کی عظمت کا امین ہے۔ اسلام کے بنیادی اصولوں کا اطلاق آج کی عملی زندگی پر بھی اسی طرح ہوتا ہے جس طرح چودہ سوسال پہلے ہوتا تھا۔ یہ اصول ابدی ہیں انہیں کسی بھی جگہ کسی بھی وقت اپنایا جاسکتا ہے۔ اسلام کے پاس جو جامع نظام حیات ہے وہ مغربی نظام حیات سے بدرجہا بہتر اور ارفع ہے۔ مگر ہم نے اپنی بے عملی سے اپنے مقام کو گنوادیا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کو بھلا کر ترقی کے تمام راستے خود اپنے اوپر بند کرلیے ان اخلاقی قدروں کو گنوادیا جو کبھی مسلمانوں کا طرۂ امتیاز ہوا کرتی تھیں جن سے متاثر ہو کر غیر مسلم اسلام قبول کیا کرتے تھے۔ یہاں وضاحت کے لیے میں حضرت علیؓ کا ایک واقعہ بیان کرتی ہوں۔ حضرت علیؓ کی ایک زرہ جو میدان جنگ میں گم ہوگئی تھی وہ زرہ آپ نے ایک یہودی کے پاس دیکھی اس سے طلب کی کہ یہ میری زرہ ہے مگر یہودی نے انکار کیا واپس کرنے سے امیر المومنین نے قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔ قاضی نے مقدمے کی کارروائی کے دوران حضرت علیؓ کو کرسی پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا مگر حضرت علیؓ نے بیٹھنے سے انکار کردیا اور کہا ''مقدمے کے دونوں فریق عدالت میں برابر ہوتے ہیں، آپ کارروائی کریں۔'' قاضی نے زرہ کی کوئی نشانی پوچھی مگر زرہ گم ہوئے کافی وقت گزر چکا تھا۔ حضرت علیؓ نے کہا مجھے کوئی نشانی یاد نہیں مگر میں نے اسے پہچان لیا ہے۔ قاضی نے کہا ان حالات میں یہ زرہ آپ کو نہیں مل سکتی عدالت مقدمہ خارج کرتی ہے۔

عدالت سے باہر آ کر یہودی نے زرہ حضرت علیؓ کو دے دی آپؓ کے پاؤں

پر گر گیا اور کہا:

''جس دین میں انصاف کا یہ پیمانہ ہے وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔''

''میں نے اسلام قبول کیا۔''

یہ ہے نور وہدیٰ والی کتاب کا دل چمکانے والا' روشن اسلام اسے نئی تہذیب میں تلاش نہ کریں۔ یہ تو ہمیں اپنی روحوں کے اندر ملے گا کیونکہ:

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغناء میں معراجِ مسلمانی

پس ایک مسلمان کی یہی پہچان ہونی چاہیے کہ وہ اپنے گفتار و کردار سے پہچانا جائے وہ جستجو کے راستوں کا روشن مظہر ہو۔ انسانی اقدار کا معراج ہو کیونکہ حقیقی اور فطری کامیابی کا دوسرا نام ہے۔ ''مسلمان۔'' دل سے تسلیم کرتے ہوئے زبان سے اقرار کہ:

''میرے لیے میرا اللہ کافی ہے میں نے اس پر بھروسہ کیا اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔'' (التوبہ)

کیونکہ اللہ انہی کو اپنا دوست رکھتا ہے جو اس کی یاد کو اپنی زندگی کی ہر سانس میں رچا بسا لیتے ہیں اور ان کی زندگیاں سنت نبوی ﷺ کے پیرائے میں ڈھلتی چلتی جاتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جو میری نصیحت سے منہ موڑے گا اس کی معیشت تنگ ہو جائے گی۔'' (طٰہٰ:124)

پھر حکم دیا:

''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا مت کرو ایسا کرو گے تو بزدل ہو جاؤ گے تمہارا اقبال جاتا رہے گا۔'' (الانفال:46)

ہمارا اقبال جاتا رہا مدت ہوئی اگر آج ہم انتشار وافتراق کا شکار ہیں تو اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر دشمن طاقتیں ہماری جڑوں کو کھوکھلا کر رہی ہیں مثلاً میں یہاں وضاحت کے لیے ایک دلیل دینا چاہوں گی۔

1960ء کے عشرے میں ڈی پی دھر سپین میں ہندوستان کے سفیر تھے۔ اس کا تبادلہ جب کسی اور ملک میں کیا جانے لگا تو اس نے یہ کہہ کر سپین سے باہر جانے سے انکار کر دیا کہ میں یہاں سفیر کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ادنیٰ سفارت کار کی حیثیت سے بھی کام کرنے کو تیار ہوں۔ میں یہاں تحقیقی کام کر رہا ہوں اور یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ سپین سے مسلمانوں کو کیسے ہمیشہ کے لیے نکال دیا گیا یا کس طرح ختم کر دیا گیا۔ جس ملک پر مسلمان قوم نے چھ سو سال تک حکومت کی آج وہاں اسلام کا نام لیوا شاید ایک بھی نہیں۔

ڈی پی دھر کی تحقیق کا حاصل یہ تھا کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں منافرت پھیلانے کے لیے لٹریچر تیار کیا جائے اور پھر یہ لٹریچر ہندوستان کے مختلف سفارت کاروں کے ذریعے مختلف مسلم ممالک میں پھیلا دیا جائے چنانچہ یہی ہوا' یہ ڈی پی دھر وہی ہیں جو شملہ کانفرنس کے دوران اچانک دل کا دورہ پڑنے سے فوت ہو گئے ان کا تیارہ کردہ لٹریچر مختلف مسلم ممالک میں بھارتی سفارتکاروں کے ذریعے پھیلایا گیا یہ لٹریچر پاکستان خصوصی طور پر بھجوایا گیا جو فرقہ واریت پھیلانے کا سبب بنا گویا سوچی سمجھی سکیم کے تحت مسلم قوم کی وحدت اور تہذیب کو درہم برہم کیا گیا۔ سپین میں مسلمان کا اتحاد تھا جس نے مسلمانوں کی تاریخ کو سنہری حروف میں لکھا اور صرف سپین ہی میں نہیں دنیا میں ہر طرف اسی اتحاد کی بنا پر قومیں ترقی کرتی ہیں اور ہر وہ قوم جو فرقہ واریت' نسلی تعصب اور علاقائی تعصب سے بالا ہو کر سوچتی ہے عروج اس کا مقدر ہوتا ہے پھر ہم یہ کیوں بھول گئے ہم دشمنوں کی سازش کا شکار کیوں ہو گئے؟ ہندوستانی سفیر کی تحقیق نے اس پر یہ بات عیاں کر دی کہ سپین میں مسلمانوں کی ترقی کا راز کیا ہے اس نے اسی جانب سے حملہ کیا۔ فرقہ واریت آپس کے اتحاد کے لیے زہر قاتل کا کام کرتا ہے مگر ہم اسی میں الجھتے جا رہے ہیں۔ حالانکہ ہمارا مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا اس میں تو واضح طور پر کہا گیا ہے آپس میں جھگڑا مت کرو اس طرح تمہاری طاقت کم ہو جائے گی یہی چیز ہے جس کی موجودگی

میں کسی دشمن کو ہم پر حملہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی سب کچھ خود ہی ختم ہو جاتا ہے اسی تعصب نے پاکستان کے آدھے حصے کو بنگلہ دیش بنا دیا اسی تعصب کا شکار تمام مسلمان ممالک ہیں جو آج خونریزی کی آماجگاہ بنے ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں لوگوں کو ''الناس'' کہہ کر ہی مخاطب کیا یہ علاقائی اور فرقہ واری نام تو ہمارے اپنے ایجاد کردہ ہیں اگر قبیلے اور قومیں بنائی گئیں ہیں تو وہ صرف شناخت کے لیے فخر کرنے کے لیے نہیں بس اس خیال کو اپنے دل و دماغ میں رچا بسا لیں اور سب کو مساوی درجہ دیں کہ یہ اسلام کی بہت بڑی خصوصیت ہے۔ آئیں اپنے دفاع کو مضبوط بناتے ہوئے عالمی سطح پر ایک عظیم ناقابل تسخیر انقلابی قوت بن کر اُبھریں اپنے کردار کو مثبت بنائیں منفی رویوں سے اجتناب کریں اور اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کریں۔ اس سلسلے میں نبی پاک ﷺ نے ریاست مدینہ کی بنیاد جن اصولوں پر رکھی وہ ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ مدینہ آ کر جس اسلامی معاشرہ کی تشکیل دی گئی وہ انسانی فلاح پر مشتمل تھا۔ آپ ﷺ نے جو دولت مشترکہ قائم کی آج کا کوئی ورلڈ بنک اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا آپ ﷺ نے بحیثیت مدبر و منتظم ریاست ایسی مثالیں قائم کیں کہ آنے والے وقت کے ہر حکمران کے لیے مشعلِ راہ ہیں اگر وہ ان کی روشنی میں ریاست کے اصولوں کو اختیار کریں۔

آپ ﷺ دنیا بھر میں سب سے زیادہ ذہین، مدبر اور باصلاحیت تھے۔ آپ ﷺ کے تدبر کے دوست دشمن سبھی معترف تھے۔ مدینہ جاتے ہی یہودیوں کے ساتھ میثاق مدینہ پر دستخط کر کے آپ ﷺ نے اعلیٰ درجے کی سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا۔ صلح حدیبیہ کا معاہدہ جو مسلمانوں کے لیے کامیابی و کامرانی کا پیش خیمہ ثابت ہوا اسی تدبر کی ایک اور مثال ہے بڑے بڑے فوجی جرنیلوں سے پوچھیے کہ محمد ﷺ نے مختلف غزوات میں جو جنگی حکمت عملی اختیار کی اس میں آپ ﷺ نے کس مہارت کا ثبوت دیا۔

فتح مکہ کے موقع پر فاتح قوم کے حکمران کا مشاہدہ کریں۔ نہ وہ فتح کے نشے میں چور نظر آئے نہ برتری کے احساس میں ڈوبا ہوا بلکہ اللہ کی رحمت کو اپنا مقصد بنا کر لوگوں کو معاف کر دینے والا حکمران اپنے اوپر کی گئی تمام زیادتیوں کا ازالہ چاہتے تو کر لیتے مگر سب کو معاف کرنے کے ساتھ ساتھ دائرہ امن میں داخل کرتے جا رہے تھے۔

صُفّہ کی درسگاہ کے معلم کو دیکھیں بحیثیت معلم آپ ﷺ کتنے شفیق تھے کوئی مبلغ، واعظ یا ناصح ہے تو مسجد نبوی ﷺ پر کھڑے ہو کر تبلیغ کرنے والے کو دیکھے کہ کس طرح تن تنہا اللہ کے دین کا پرچار کر رہے تھے۔ دنیا کا کوئی ظلم، کوئی طاقت یا کوئی لالچ انہیں دین کی تبلیغ سے روک نہ سکا اور آخر کار اکثریت آپ ﷺ کے ساتھ ہوئی۔

اگر کوئی عادل یا قاضی ہے تو اس ثالث کے عمل سے سبق سیکھے جس نے فیصلے کی بنیاد کے بنایا حجر اسود ہی کا معاملہ لے لیں بڑے بڑے قبیلوں کے سردار اس فیصلے پر دنگ رہ گئے۔ جن کی نظر میں انصاف کا معاملہ آیا تو فرمایا اگر جرم کے کٹہرے میں میری بیٹی ہوتی تو وہ بھی اسی سزا کی مستحق ہوتی جس کی یہ عورت مستحق ہے' آپ ﷺ کی نظر میں شاہ و گدا سب برابر تھے۔

اگر کوئی دولت مند ہے تو دیکھے مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کو کہ کس طرح زندگی بسر کرتے ہیں خزانے کے خزانے اونٹوں پر لدے ہوئے ان کے دارالحکومت میں آ رہے ہوں اور ان ﷺ کے گھر کئی کئی دن چولہا نہ جلے کوئی غریب ہے تو دیکھے شعب ابی طالب میں محصور نبی پاک ﷺ کو اگر حکومت کا اختیار رکھتے ہو تو ذرا نظارہ کرو آپ ﷺ کی شخصیت کا کہ عرب ہی کے نہیں سارے جہان کے شہنشاہ ہیں اور اللہ کے سامنے اپنے آپ ﷺ کو کتنا بے اختیار سمجھتے ہیں۔ اگر کسی میدان سے فتح حاصل کرنے کے بعد لوٹیں ہیں تو سبق سیکھ سکتے ہیں اس سپہ سالار سے جو بدر و حنین کے فاتح ہیں۔ گویا آپ ﷺ کی ذات بیک وقت تمام انسانوں کے لیے ہدایت کا مجسمہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ'' (الاحزاب: 21)

صرف یہی نہیں گھر کے اندر تمام کرداروں میں آپ ﷺ کی اتباع ہی میں ہماری فلاح پوشیدہ ہے۔ مثلاً اگر کوئی شوہر ہے تو حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ کے مقدس شوہر کو دیکھے۔ اگر کوئی اولاد والا ہے تو حضرت فاطمہؓ کے والد کے برتاؤ اور حسن

سلوک کو دیکھے۔غرض ہم کوئی بھی ہوں کسی بھی کردار میں ہوں۔ ہماری سیرت کی درستگی و اصلاح کے لیے سامان ہمارے ظلمت خانے کے لیے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد ﷺ کی ذات ہے۔

آپ ﷺ نے پوری دنیا کو انقلاب آشنا فرمایا۔آپ ﷺ سے پہلے ہر طرف ظلم کا دورہ دورہ تھا۔دنیا پر صرف طاقت کا راج تھا۔لوگ ظلم کی چکی میں پس رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ایسی شمع محبت روشن کی جس نے دلوں میں نفرتوں کی جگہ محبتیں اور الفتیں بھر دیں۔اللہ کے احسان سے لوگ آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور ایک دوسرے کی خیر خواہی چاہنے لگے۔آپ ﷺ کی شخصیت میں اتنی تاثیر تھی کہ جو کوئی ایمان لا کر توجہ سے آپ ﷺ کی بات سنتا وہ دلی طور پر ان کیفیات سے سیراب ہو کر ان میں ڈھلتا چلا جاتا۔ بقول شاعر:

عرب جس پہ صدیوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اِک آن میں اس کی کایا

اسلام بنیادی طور پر اخوت' محبت اور ایثار کا دین ہے۔انسانیت کی بھلائی اور خیر خواہی اسلام کی امتیازی خوبی ہے اور یہی نبی پاک ﷺ کی شخصیت کا بنیادی پہلو۔ آپ ﷺ صرف مسلمانوں کے نہیں بلکہ نوع انسانی کے خیر خواہ تھے آپ ﷺ نے جتنے جہاد کیے وہ صرف ظلم کو روکنے اور انصاف کو قائم رکھنے کے لیے تھے۔کافروں کے قتل کی بھی اجازت نہیں تھی' نہ مکان اور فصل جلانے کی۔بوڑھوں' عورتوں اور بچوں کو چھیڑنے کی ممانعت تھی۔جس نے مقابلے کے لیے تلوار نہیں اٹھائی اس کے لیے اسلام نے تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دی۔تلوار اٹھائی گئی تو صرف دین کی حفاظت اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے۔عہد خلافت کو دیکھ لیجئے کم وبیش دنیا کے تین حصوں میں رہنے والے لوگوں کے دل فتح ہو چکے تھے مگر اس مثبت تبدیلی کے باوجود کسی عورت کی چیخ سنائی نہیں دی۔کسی یتیم کے آنسو گرتے نظر نہیں آئے بلکہ کافروں کو بھی مسلمان کے زیر نگیں آ کر انصاف ملا۔ اگر کوئی قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر دوسروں کو ناحق قتل کرنے لگتا ہے تو یہ دہشت گردی

ہے جس کی اسلام میں اجازت نہیں۔اسلام بنیادی طور پر جہالت کے مقابلے میں آیا ہے۔کفر جہالت ہے اسلام نور ہے' جہالت ظلمت ہے' جہاں ظلمت ہوتی ہے ظلم وہیں پنپتا ہے۔جہاں نور ہو وہاں انصاف کی روشن کرنیں ظلم کو مٹا دیتی ہیں۔ناحق قتل نہیں ہوتے فتنہ و فساد ختم ہو جاتا ہے۔ ہمارا دین عملی زندگی کا نام ہے۔تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے دین کی راہ اختیار کی۔عروج مسلمانوں کا مقدر بنا اور مذہب سے روگردانی' عیاشی' فحاشی اور خرافات زوال اور ذلت کے سوا کچھ نہ دے سکے۔ پس جب بھی گمراہی پھیلتی ہے اصلاح کی ضرورت پڑتی ہے۔نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

''اس اُمت کے آخری لوگوں کی اصلاح بھی اس طرز پر ہوگی جس طرز پر پہلے لوگوں کی ہوتی تھی۔صحابہؓ نے عرض کی یارسول اللہ زمانہ گزر جائے' صدیاں درمیان میں آ جائیں گی لوگ آپ ﷺ کے زمانے سے دور چلے جائیں گے آپ ﷺ پردہ فرما جائیں گے آپ ﷺ کے تربیت یافتہ لوگ ہوں گے' روشنی پھیلتی رہے گی لیکن آخر رات چھا جائے گی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ایسی بات نہیں جب رات چھا جائے تو وہی طریقہ دہراؤ جو پہلی اصلاح کا سبب بنا۔''

پس آج شدت سے ضرورت ہے اس اصلاح کی۔تزکیہ نفس کریں اور میدان عمل میں اتر آئیں نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں توبہ کریں اور فائدہ اٹھائیں اس مہلت سے جو ہمیں دی گئی ہے۔اس سے پہلے کہ مہلت ختم ہو جائے اور توبہ کے سب دروازے بند ہو جائیں۔نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے:

''میری اُمت کا ہر شخص مبلغ ہے۔''

پس اگر نیکی کی ایک بات بھی ہے تو اسے دوسروں تک پہنچائیں اور اپنی خسارے کی زندگی کو فائدے میں بدل لیں۔

اس سلسلے میں قرآن کا دعویٰ ہے:

"نوعِ انسانی کے لیے خدا کے نزدیک صرف یہی ایک صحیح طریق زندگی ہے کہ وہ خدا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے اور فکر و عمل کی اس راہ پر چلے جس کی طرف خدا نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے راہنمائی کی ہے۔"

انسان کے لیے یہی ایک راہِ راست ہے کیونکہ اس کے بغیر عدل ممکن نہیں اس کے سوا جس راہ پر بھی انسان چلے گا وہ بالآخر ظلم ہی کی طرف جائے گا' اللہ کی حدوں سے تجاوز کرنے والے ظالم کہلائیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ"

(اطلاق:1)

"جو اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کرے اس نے اپنے اوپر خود ظلم کیا۔"

پھر فرمایا:

"وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ"

(المائدہ:45)

"جو اللہ کی نازل کردہ ہدایت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہی ظالم ہیں۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں حالانکہ وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں چار و ناچار اس کے آگے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہیں اور اسی کی طرف انہیں پلٹ کر جانا ہے۔"

(العمران:83)

پس یہی حقیقت نفس الامری کے مطابق ہے اور اس کے سوا ہر دوسرا راستہ خلاف حقیقت ہے۔ پس اسلام خالص توحید کا علمبردار ہے اور وحدتِ انسانی اور مساوات کا سبق دیتا ہے۔ بین الاقوامی عدل و انصاف کا حامی ہے اور غیر مسلموں کے ساتھ بھی رواداری کے اصول کی حمایت کرتا ہے۔ اسلام نے قیامِ امن کے لیے جو بنیادی اصول وضع کیے ہیں اگر ہم ان پر عمل کریں تو دنیا میں مکمل طور پر امن قائم ہو جائے۔ یہ ایک بین الاقوامی مذہب ہے جو قوموں' گروہوں اور مختلف رنگ و نسل کے انسانوں کو اکٹھا کر کے انہیں اللہ کی طرف راغب کرتا ہے اور عقیدہ توحید کی بنا پر ایک ایسا عالمی معاشرہ قائم کرتا ہے۔ جس میں تمام انسان اخوت اور مساوات کی اساس پر متحد ہوں اور دنیا میں امن اور صلح کو فروغ ملے اس لیے تمام مسلمان ریاستوں میں غیر مسلم باشندوں کو پوری پوری مذہبی آزادی حاصل ہے۔ انہیں جبراً تبدیلی مذہب پر مجبور نہیں کیا جا سکتا انہیں اپنی مذہبی رسوم و رواج ادا کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ اس طرح قومی اور لسانی تعصبات عالمگیریت کے تصور کی نفی کرتے ہیں لہٰذا اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

پس ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے مذہبی اختلافات کو ختم کر کے تمام نسلِ انسانی کو وحدت کی لڑی میں پرو دیا ہے۔ اس نے مذہبی تعصب کو ختم کر دیا۔ افراط و تفریط کو ختم کر کے تکمیل انسانیت کر دی۔ کسی مذہب نے وحدت کا نظریہ اس انداز میں پیش نہیں کیا۔ پس اسلام نے شریعت کی تکمیل کر دی اور شرک کا خاتمہ کر کے توحید کی شمع روشن کی۔ اسلام ایک عالمگیر قوت ہے دنیا کی اور کسی کتاب یا کسی مذہب نے عالمگیر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا سوائے اسلام کے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اے نبی کہہ دیجئے کہ میں تم سب لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔"

(الاعراف:158)

مذہب کے آغاز کے بارے میں **اسلام کا نقطہ نظر** یہی ہے کہ حضرت آدم علیہ

السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک سب انبیاء نے ایک ہی دین کی تبلیغ کی اور وہ دین اسلام ہے جب قوموں نے اصل دین کو بگاڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی بھیجے تا کہ اصلی ہدایت دوبارہ انسانوں تک پہنچائیں اور یہ دین اپنی آخری شکل میں نبی اکرم ﷺ کے ہاتھوں ہم تک پہنچا ہے اور اپنی اصلی شکل میں محفوظ ہے۔ مذہب اسلام الہامی مذاہب میں پہلا بھی ہے اور آخری بھی اسی کے ذریعے خالق کائنات نے انسانیت کی اصلاح اور کائنات کے نظام حیات کا احاطہ کرنے کے لیے مکمل اور مستقل ضابطہ اور شریعت نازل کی ہے اور اس کے بعد کسی آسمانی صحیفے یا شریعت کی ضرورت باقی نہ رہی۔

صرف غیر مسلم ہی نہیں بلکہ بکثرت اور اچھے خاصے ذی علم مسلمان بھی حضرت محمد ﷺ کو ''بانی اسلام'' کہتے اور لکھتے ہیں۔ میں اس بات کی تفصیلی وضاحت کر چکی ہوں کہ ہر زمانے اور ہر دور میں پوری نوع انسانی کے لیے زمین پر زندگی بسر کرنے کا ایک ہی راستہ اللہ کے نزدیک صحیح ہے اور اس راستے کا نام ہے ''اسلام'' اسلامی تصور کی رُو سے یہ وہی مذہب ہے جس کی تبلیغ و اشاعت انسانیت کے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ تک ہر ہادی و پیغمبر نے کی۔ تمام انبیاء علیہ السلام مسلمان اور اسلام کے داعی تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے پیروکار نے ان کی تعلیمات میں ترامیم کیں مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار نے بعد میں بہت سی مختلف چیزوں کی آمیزش کر کے ایک نظام یہودیت کے نام سے اور مسیح علیہ السلام کے پیروکار نے ایک دوسرا نظام مسیحیت کے نام سے اور اسی طرح مختلف دور کے پیغمبروں کی اُمت نے مختلف مخلوط و مرکب نظامات دوسرے ناموں سے بنا لیے مگر یہ بات برحق ہے کہ موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے تمام معروف و غیر معروف انبیاء علیہ السلام جس دین کی دعوت دینے آئے تھے وہ خالص اسلام تھا اور کچھ نہ تھا۔

اسلام کے معنی ہیں سپر ڈال دینا، جھک جانا، اطاعت قبول کر لینا، اپنے آپ کو سپرد کر دینا۔ شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد خدا کے آگے جھک جانا، گویا خدا واحد کی اطاعت کا دوسرا نام اسلام ہے۔ کائنات کی تمام چیزیں اللہ کے بنائے ہوئے قانون کی تابع ہیں اس طرح تمام مظاہر کائنات بجائے خود ''مسلم'' ہیں اور چارو ناچار اللہ ہی کی

اطاعت کرتے ہیں پس انسان بھی ہر لحاظ سے اللہ کے قوانین کے ماتحت ہے۔ تاہم انسانی زندگی کے ایک حصے کو اس کی عقل، شعور اور ارادے پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ جو لوگ اپنی زندگی کے اس حصے پر بھی اسلامی تعلیمات کے ذریعے عمل پیرا ہوتے ہیں وہی ''مسلم'' کہلاتے ہیں اس لیے یہ عقیدہ کسی خاندان، ذات، قوم، نسل یا علاقے سے وابستہ نہیں بلکہ ساری کائنات اس کی گرفت میں آ جاتی ہے کیونکہ یہ ہر دور ہر وقت اور ہر قوم کے لیے ہے اس لیے عالمگیر مذہب ہے۔ نیز فطری، سادہ اور آسان دین ہونے کے سبب انتہائی مختصر عرصہ میں پوری دنیا پر غالب آ گیا اور اس خیال کی نفی کرتا ہے کہ اس میں عصری تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اس میں قدیم اور جدید دونوں دور کے تمام مسائل سے نمٹنے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے۔

مندرجہ بالا استدلال سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کوئی جدید مذہب نہیں جس کی ابتدا نبی پاک ﷺ نے کی بلکہ جس روز پہلی مرتبہ کرۂ ارض پر انسان کا ظہور ہوا اسی روز خدا نے انسان کو بتا دیا تھا کہ تیرے لیے صرف ''اسلام'' ہی ایک صحیح طرز عمل ہے۔ پس اس کے بعد دنیا کے مختلف گوشوں میں وقتاً فوقتاً جو پیغمبر بھی خدا کی طرف سے انسانوں کی راہنمائی کے لیے مامور ہوئے اُن کی دعوت اسی دین کی طرف رہی جس کی تکمیل نبی پاک ﷺ نے کی۔

اپنی بات ختم کرنے سے پہلے میں مختصر سا حوالہ تاریخ سے کچھ معروف مذاہب کا دینا چاہوں گی تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ کن حالات اور کس دور کی پیداوار ہیں؟ نیز ان کی کیا خصوصیات ہیں اسلام سے ان کا موازنہ اسلام کی عالمگیریت کو مزید واضح کر دے گا۔

مذاہب کی تقسیم

1- سامی اور غیر سامی مذاہب
2- الہامی اور غیر الہامی مذاہب
3- ارتقائی یا تاریخی لحاظ سے مذاہب کی تقسیم

موجودہ عالمی مذاہب کو نسلی بنیاد کے حوالے سے تین گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1- سامی مذاہب 2- آریائی مذاہب 3- منگولی مذاہب

آسان لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ مذاہب جو وحی الٰہی کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوئے سامی یا الہامی مذاہب کہلائے جن میں یہودیت' عیسائیت اور اسلام شامل ہیں اور جو وقت اور حالات کی پیداوار ہیں وہ غیر سامی' غیر الہامی یا ارتقائی مذاہب کہلائے اس میں' ہندومت' جین مت' زرتشت اور سکھ مت وغیرہ شامل ہیں جنہیں آریائی مذاہب بھی کہا جاتا ہے۔ اس طرح تاؤمت' کنفیوشس مت' شنتومت' اسلاف پرستی وغیرہ۔ منگولی مذاہب کہلائے۔ نیز بدھ مت' ایسا مذہب ہے جو آریائی اور منگولی دونوں میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ عہد تاریک کے آخری دور میں زمین کے مختلف خطوں پر آباد انسانوں کا کوئی مشترک مذہب نہیں تھا بلکہ وہ اپنے طور پر مختلف قوتوں کی پرستش کرتے تھے۔

الغرض کوئی نہ کوئی ہستی تھی جس سے لوگ ڈرتے تھے۔ اُس کی رضا میں راضی رہنے کی کوشش کرتے تھے اپنی کتاب کے آغاز میں' میں نے اس بات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اب میں یہاں صرف اسلام کا چند مشہور مذاہب کے ساتھ موازنہ کروں گی تاکہ اسلام کی عالمگیریت کی جن خصوصیات کو میں نے حتی الامکان بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

قارئین کے لیے انہیں سمجھنا آسان ہو جائے اور یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اسلام ایک فطری' سادہ اور آسان ہونے کے سبب انتہائی مختصر عرصہ میں پوری دنیا پر غالب آ گیا نیز یہ ایک عالمگیر قوت ہے۔ دنیا کی اور کسی کتاب یا کسی مذہب نے عالمگیر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا سوائے اسلام کے کیونکہ یہی وہ مذہب ہے جو ازل سے ہے جس کی تبلیغ ہر پیغمبر نے کی اور آپ ﷺ سے اس کی تکمیل ہوئی اس پیغام کے ساتھ کہ آج ہم نے تم پر اپنا پیغام اپنی جانب سے بھیجی جانے والی ہدایت مکمل کر دی اب قیامت تک لوگوں کو راہنمائی اسی سے حاصل کرنی ہے۔ پس جو اس راستے کو چھوڑ کر ہدایت کہیں اور

تلاش کرے گا وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے لیے گمراہی کا راستہ خرید لے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس گمراہی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

مذہب کے آغاز کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر یہی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک سب انبیاء نے ایک ہی دین کی تبلیغ کی اور وہ دین اسلام ہے۔ دوسری قوموں نے اصل دین کو بگاڑ دیا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی بھیجے تاکہ اصل ہدایت دوبارہ انسانوں تک پہنچائیں۔ اور یہ دین اپنی آخری شکل میں نبی آخر الزماں' سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھوں ہم تک پہنچا ہے اور اپنی اصل شکل میں محفوظ ہے کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لیا فرمایا

"اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّكرَ وَاِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ"

(الحجر:9)

"بے شک ہم نے اسے نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"

اور اس دین کو لے کر آنے والے نے یہ بھی ارشاد فرمادیا:

"میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ حق پر قائم رہے گا اور وہ قیامت تک غالب رہے گا۔" (ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔

"میری امت میں ایک جماعت دین پر ہمیشہ قائم رہے گی اور جو لوگ اس کی مخالفت کریں گے وہ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔"

(ابن ماجہ)

مسلم شریف میں ہے۔

"یہ دین ہمیشہ باقی رہے گا اس کی طرف سے مسلمانوں کی ایک جماعت ہمیشہ مخالفین کا مقابلہ کرتی رہے گی یہاں تک قیامت آ جائے گی۔"

پس ساری امت محمدیﷺ کبھی گمراہی پر جمع نہ ہوگی کچھ لوگ ایسے ضرور باقی رہیں گے جن کے ہاتھ میں حق کا دامن ہوگا اور وہ اس کی حفاظت اور اشاعت کے لیے ہمیشہ جانی و مالی قربانی دینے کے لیے تیار رہیں گے اللہ ہمیں ان لوگوں کی جماعت میں شامل رکھے آمین۔

اسلام کا دیگر چند مذاہب سے موازنہ

1- اسلام اور یہودیت

اسلام اور یہودیت میں زیادہ فرق نہیں کیونکہ بنیاد دونوں کی وحی الٰہی ہے اور ذریعہ اللہ کا رسول اور اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب دونوں میں اللہ کی واحدانیت کا درس مشترک ہے مگر یہودیوں کی بدقسمتی یہ ہوئی کہ انہوں نے توحید کو چھوڑ کر حضرت عزیز علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا لیا نیز اللہ کی نعمتوں کا مسلسل انکار کرتے رہے۔ سورۃ البقرہ میں ان کی ہٹ دھرمیوں کا اور انعامات الٰہی کا تفصیل سے ذکر ہے۔ انہوں نے اپنی جانب سے آئی ہوئی کتاب کو حسب منشا تبدیل کیا اور اللہ کی آیات کو بیچتے رہے دنیاوی نفع کے لیے انبیاء کو ناحق قتل کرتے رہے اور اللہ کے احکامات سے کھلم کھلا بغاوت کرتے رہے۔ ان کی انہی ناشکریوں اور ہٹ دھرمیوں کی وجہ سے انہیں امامت کے عہدے سے معزول کر دیا گیا۔ یہ ناشکری قوم ثابت ہوئی جبکہ اسلام ہر وقت نعمت الٰہی کی شکرگزاری کی دعوت دیتا ہے۔ اللہ کی نعمتوں کی یاد دہانی کراتا ہے اور پھر فرماتا ہے۔''

تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔'' (الرحمان)

- اسلام کی دائمی کتاب تحریفات سے پاک ہے جبکہ توریت' زبور اور انجیل میں تحریف کر دی گئی ہے۔
- اسلام تمام انبیاء کو مقدس اور مبارک اور اللہ کے برگزیدہ بندے مانتا ہے جبکہ یہودیت میں اس تصور کی نفی کی گئی ہے۔
- اسلام کی نظر میں انبیاء معصوم ہوتے ہیں گناہوں سے مبرا ہوتے ہیں اور

صرف حکم الٰہی کی اطاعت کرتے ہیں جبکہ یہودیوں نے انبیاء پر الزام تراشیاں کی ہیں حضرت لوط علیہ السلام' حضرت داؤد علیہ السلام و حضرت سلیمان علیہ السلام پر بے ہودہ الزامات لگائے جبکہ اسلام نے انہیں سچا نبی قرار دیا۔

- یہودی اپنے نبی کے احکامات کی نافرمانی کرتے ہیں جبکہ اسلام نبی پاکﷺ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیتا ہے۔
- یہودی نبی اکرمﷺ کو نبی ماننے کے باوجود علاقائی نبی مانتے ہیں جبکہ اسلام آپﷺ کو عالمگیر نبی مانتا ہے جو ساری کائنات کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔
- یہودیوں کی تعلیمات ظلم پر مبنی ہیں جبکہ اسلام امن و آتشی کا گہوارہ ہے۔ یہودیت میں معاشرے میں بداخلاقی اور نفرت کے بیج بوئے جاتے ہیں جبکہ اسلام رواداری کا سبق دیتا ہے۔ اس میں زور اور زبردستی کا عمل دخل نہیں۔ اس کی بنیاد محبت اور اخوت پر ہے اسلام کا ہر رکن دلوں کو جوڑنے کا درس دیتا ہے۔ اگر کوئی خود سیکھنا نہ چاہے تو اس میں اسلام کا کیا قصور۔

(یہاں میں ایک اور بات واضح کرتی چلوں)

اسلام کے مخالفین کا شروع سے یہ اعتراض رہا ہے کہ اسلام کی بنیاد جبر اور زور پر رکھی گئی اور دنیا میں اسلام کی اشاعت بزور شمشیر ہوئی مگر اگر آپ قرآن کی صرف چند آیات پر ہی غور کر لیں تو یہ سمجھ لیں گے کہ قرآن دین و قلب و ضمیر کو دعوت دیتا ہے۔ وہ عقل اور فکر سے کام لینا سکھاتا ہے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید سے نجات دیتا ہے۔ اور انسان کے لیے حریت و آزادی کا راستہ کھولتا ہے پھر اس میں زور اور زبردستی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ تو آپ کے سامنے صحیح اور غلط دونوں راستوں کا تعین کرتا ہے اختیار کا حق تو آپ کے پاس ہے۔ بزور شمشیر کسی عقیدے اور تہذیب کو منوانا اس کا خاصا نہیں اس سلسلے میں چند آیات پر غور کیجئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے پیغمبر ﷺ! اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام زمین پر بسنے والے لوگ ایمان لے آتے' کیا آپ ﷺ لوگوں کو ایمان لانے پر زبردستی مجبور کریں گے۔ کوئی شخص بلاحکمِ خدا ایمان نہیں لاسکتا اور خدا ان لوگوں کو مبتلا کرے گا جو عقل سے کام نہیں لیتے' اے نبی! کہہ دیجئے' اے لوگو! زمین و آسمان پر نظر ڈالو اور عبرت حاصل کرو لیکن یہ نشانیاں اور تنبیہیں ان لوگوں کو کیا فائدے دے سکتی ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔" (یونس 99 تا 101)

جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ محمد ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمادیا کہ اپنے رشتہ داروں کو اختیار دے دو کہ جو دین چاہیں اختیار کرلیں پھر جس شخص نے یہودیوں کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ وہ یہودیوں کے ساتھ چلا گیا اور جس نے اسلام قبول کیا وہ مسلمانوں کے ساتھ رہ گیا کسی کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا گیا۔

اب چند لوگوں کا یہ بھی اعتراض ہے کہ اگر اسلام میں جبر نہیں تو جہاد اور قتال کا حکم کیوں دیا گیا ہے۔ اس کا جواب ہے کہ جہاد جبر اور ظلم کو مٹانے کے لیے فرض ہوا جب اسلام پھیلنے لگا اور غریب لوگ اس کے سائے میں پناہ لینے لگے تو قریش کے سرداروں کی طرف سے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹنے شروع ہوگئے اور انہیں ہر طرح سے مجبور کیا جانے لگا کہ وہ اسلام سے باز آجائیں اس وقت ان آیات کا نزول ہوا۔

"اے پیغمبر ﷺ ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ دین کے معاملے میں زبردستی باقی نہ رہے اور دین کا معاملہ اللہ ہی کے لیے ہوجائے اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر سختی نہ کی جائے۔"

(البقرہ:193)

ایک اور جگہ فرمایا:

"اے پیغمبر ﷺ! ان کفار سے جنگ کرو یہاں تک کہ زبردستی باقی نہ رہے اور دین کا سارا معاملہ اللہ کے لیے ہوجائے۔ پس اگر وہ باز

آجائیں تو اللہ ان کے اعمال سے باخبر ہے۔" (الانفال:39)

ان آیات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نہ کسی پر کفر و گمراہی کے لیے جبر ہے اور نہ ہدایت اور ایمان کے لیے زبردستی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اے لوگو! دین کے معاملے میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت بھی واضح کردی گئی ہے اور گمراہی بھی واضح ہوچکی ہے۔ (اب لوگوں کو اپنی رائے پر چھوڑتا ہے) جس شخص نے شیطان سے انکار اور اللہ پر ایمان لایا تو اس نے مضبوط حلقہ تھام لیا جسے کسی طرح کی شکستگی نہیں ہے اور اللہ تمام باتوں کو خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔" (البقرہ:256)

صرف یہی نہیں جا بجا آپ ﷺ کو اس بات کی تاکید کی گئی کہ آپ ﷺ کے ذمے تبلیغ اور اشاعت ہے آپ ﷺ کے ذمے یہ نہیں کہ زبردستی اسلام قبول کروائیں آپ ﷺ کی ذات اقدس کا وہ پہلو جس نے لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کردیا وہ حسنِ خلق ہے دوسروں سے محبت' عفوودرگزر اور رواداری ہے۔ جس کا اعتراف اپنے پرائے سبھی کرتے ہیں میں اس بات کو پہلے تفصیل سے بیان کرچکی ہوں کہ اسلام میں تلوار ہمیشہ ظلم کے خلاف اٹھائی گئی ہے۔ اسلام میں تو یہاں تک ہے کہ اگر ایک مسلمان بھائی دوسرے مسلمان بھائی پر ظلم اور زیادتی کرتا ہے تو اسے سمجھائیں اگر مفاہمت نہیں ہوتی اور وہ ظلم سے باز نہیں آتا تو ظلم کرنے والے کا مقابلہ کریں اور مظلوم کی مدد کریں یہاں تک کہ وہ ظلم سے باز آجائے اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا پس برائی کے خلاف آواز اٹھانا' اُسے اگر ہمت ہو تو طاقت سے روکنا اور ظالم کو ظلم سے روکنے میں اس کی اجازت ہے کیونکہ اگر ظلم کو نہ روکا جائے تو انصاف کی دھجیاں بکھر جاتی ہیں اور انصاف ہی صرف امن کی ضمانت دے سکتا ہے وہ امن جس کا اسلام متلاشی ہے۔ ایسی صورتوں میں کیا یہ کہنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ اسلام زور اور زبردستی کا دین ہے "یقیناً نہیں" یہ تو صراط مستقیم ہے وہ راستہ جس پر چل کر انسان خود اپنی معرفت حاصل کرلیتا ہے۔ اپنے خالق و مالک

سے اس طرح شناسا ہو جاتا ہے کہ اس کی زندگی کا مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی رہ جاتا ہے اور یہ رضا حاصل ہوتی ہے اس کے بندوں کی حاجت روائیوں سے نفرتوں کو مٹا کر محبتوں کی شمعیں روشن کرنے سے تاکہ ہر طرف امن قائم ہو۔ یاد رہے کہ یہودیت کی جن تعلیمات کا میں نے یہاں ذکر کیا ہے وہ تحریف کی ہوئی ہیں۔ جو شریعت حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے وہ اسلام کے منافی نہیں تھیں بلکہ عین اسلام تھیں۔

2- عیسائیت اور اسلام

1- یہودیت کی طرح عیسائیت کی بھی جو اصل تعلیمات تھیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں تک پہنچائیں وہ اسلام کے منافی نہ تھیں ان کی تعلیم کا بھی سب سے پہلا عنصر خالص توحید تھا جس کا اعتراف خود عیسائی مبلغ بھی کرتے تھے اس لیے جب نجاشی کے دربار میں (جب مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے) مسلمانوں سے دریافت کیا گیا کہ کونسا پیغام ان کے نبی نے انہیں دیا ہے تو حضرت جعفر بن طیارؓ نے جوابی تقریر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے متعلق آیات کی بھی تلاوت کی جسے سن کر عیسائی بادشاہ نجاشی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور دل میں اس نے اعتراف کر لیا کہ بلا شبہ یہ وہی سچے نبی ہیں جن کی بشارت پہلے پیغمبروں نے کی ہے اور اس نے ایک تنکا ہاتھ میں پکڑ کر کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو قرآن کا بیان ہے عیسیٰ ابن مریم اس سے اس تنکا بھر بھی کم نہ زیادہ ہیں گویا اس نے دلی طور پر اسلام قبول کر لیا آپ ﷺ کی سچائی کو تسلیم کر کے اور قریش کے سفیروں کو یہ کہہ کر واپس بھجوا دیا ان کے تحفوں سمیت کہ مسلمانوں کو میرے ملک میں رہنے کی اجازت ہے یہ سفیر ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کو واپس مکہ لے جانے کے لیے آئے تھے تاکہ انہیں ظلم اور زیادتی کے ذریعے اس دین کو ماننے سے باز رکھ سکیں۔

2- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی توحید کی تعلیم دی اپنے آپ کو مریم علیہ

السلام کا بیٹا اور اللہ کا رسول کہا۔ اسلام میں بھی ان کے بارے میں یہی بیان ہے۔

3- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو توبہ و استغفار کی تعلیم دی ایمان اور اللہ کے احکامات کی پابندی پر زور دیا آپ نے ان اخلاق حسنہ کی دعوت دی جو ریاکاری سے پاک ہوں اور اسلام نے بھی انہی تعلیمات کو بنیاد بنایا۔

4- آپ نے معاشرے کی بنیاد محبت و اخوت پر رکھی اسلام نے بھی محبت اور اخوت کی جو مثالیں قائم کیں آج تک دوسرا کوئی مذہب وہ مثال قائم نہ کر سکا۔ مواخات مدینہ میں انصار کا ایثار بھائی چارے اور محبت کی زریں مثال ہے۔

5- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شریر کا مقابلہ نہ کرنے کی دعوت دی اپنے دشمنوں اور برا چاہنے والوں کے ساتھ بھی نیکی کا سلوک کرنے کی تعلیم دی۔ مساوات، عفو و درگزر، عیب جوئی سے پرہیز رحم دلی اور عجز و انکساری ان کی تعلیمات میں مرکزی حیثیت رکھتی تھیں۔

"مبارک ہیں وہ دل کے غریب ہیں جو حلیم ہیں، جو راست بازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں جو رحم دل ہیں، جو پاک دل ہیں، جو صلح کراتے ہیں، جو راست بازی کے سبب ستائے گئے۔ (متی 10-1:5)

اسلام بھی ان تمام تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتا ہے۔

6- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی آپ ﷺ کی طرح آخرت کے عقیدہ پر زور دیا اور انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام یا کسی بھی پیغمبر کی شریعت کو منسوخ نہیں کیا بلکہ بھٹکے ہوئے لوگوں کو سیدھا راستہ دکھانے کی کوشش کی۔ مگر موجودہ کلیسائی معتقدات اور اسلام کے معتقدات میں بہت فرق ہے کیونکہ یہ تحریف کیے ہوئے ہیں ذیل میں عیسائیت کی موجودہ تعلیمات درج ہیں جس طرح اوپر یہودیت کی موجودہ تعلیمات بیان کیں ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی جن

تعلیمات اور اعتقادات کو عام کیا یہ وہی تھے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک سب نبیوں کو دے کر بھیجے گئے۔

1- موجودہ عیسائیت تثلیث کے قائل ہیں ان کے مطابق خدائی تین اقوم سے مرکب ہے۔ یہ تینوں اقوم مل کر ایک بھی ہیں۔ ہر اقوم الگ الگ خدائی صفات کی مالک ہیں یہی وہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر موجودہ عیسائیت کی عمارت قائم ہے جبکہ اسلام خالص توحید کا قائل ہے۔ مسئلہ توحید کو سورۃ اخلاص میں انتہائی خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ اللہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے۔

2- عیسائیت میں انسان کو گناہ گار قرار دیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے گناہ کیا اور اب یہ گناہ وراثتاً نسل انسانی میں منتقل ہو رہا ہے۔ جبکہ اسلام میں انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا گیا۔ وہ خدا کا خلیفہ ہے قرآن کا موضوع انسان ہے۔

3- عیسائیت میں شریعت (توبہ نعوذ باللہ) لعنت ہے اس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے متعدد شریعت نازل کیں تجربہ سے یہ ثابت ہوا کہ انسان شریعت پر عمل نہیں کرسکتا مگر اسلام یں شریعت ہدایت ہے اسے اختیار کرنے والے ہدایت پر ہیں پھر اللہ نے ایسے کوئی احکام نازل نہیں کیے جن پر انسان عمل نہیں کرسکتا اور شریعت میں ایسا کوئی حکم نازل نہیں کیا گیا جس پر عمل ممکن نہ ہو ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یعنی اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔" (البقرہ)

4- عیسائیت میں خدا سراسر رحم ہے محبت ہے اسکا رحم انسانوں کے گناہوں کی بخشش کا تقاضا کرتا ہے اور اس کا عدل یہ تقاضا کرتا ہے کہ انسان کو اس

کے گناہ کی سزا ملے عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے پاک، بے عیب معصوم بیٹے یسوع مسیح کو صلیب پر موت دی تا کہ سارے اگلے پچھلے انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ہو۔

اسلام میں خدا غفور و رحیم ہے اور وہ انسانوں کے گناہ توبہ و استغفار کرنے سے معاف کر دیتا ہے۔ سوائے شرک کے اسلام میں کسی بے گناہ کو دوسروں کے گناہوں کے بدلے سزا نہیں دی جاتی کیونکہ یہ بات عدل کے خلاف ہے اور اللہ تو عدل کو پسند کرتا ہے۔

5- عیسائیت میں نجات کا ذریعہ کفارہ ہے کیونکہ انسان فطرتاً گناہ گار ہے۔ اس لیے اس پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں پاسکتا جبکہ اسلام میں نجات کا دارومدار نیک اعمال پر ہے۔ ایمان مفصل اور ایمان مجمل مان لینے کے بعد۔

6- عیسائیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا تصور کیا جاتا ہے جبکہ اسلام میں عیسیٰ علیہ السلام ابنِ مریم اور اللہ کے رسول ہیں۔

7- اسلام میں عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا گیا جبکہ اسلام میں انہیں آسمانوں کی طرف اٹھالیا گیا ہے۔

8- عیسائیت میں یسوع مسیح کا پیغام قومی تھا اور صرف بنی اسرائیل کے لیے ان کا کلام تھا جبکہ اسلام کا پیغام عالمگیر ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"بے شک ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔"

پھر فرمایا:

"اے رسول ﷺ ہم نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔"

اب ایک نظریہ یہ ہے کہ جب یہ سب دین بھی اللہ کی طرف سے ہیں نبی بھی اللہ کی طرف سے اور کتابیں بھی اس کی بھیجی ہوئی اور یہ سب دین تھے بھی اسلام۔ حقیقت کے اعتبار سے تو کسی بھی دین کی کسی بھی نبی کی پیروی کر لی جائے وہ خدا ہی کی بندگی ہوگی اور ہماری نجات کے لیے کافی ہوگی تو یہ نظریہ غلط ہے۔ دین اگرچہ سب نبی اسلام لے کر آئے اسلام ہی کی تبلیغ کی مگر جب ان کی قوموں نے ان کا انکار کیا اور گمراہی کی دلدل میں پھنسنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت کا راستہ دکھانے کے لیے ان کی جانب دوبارہ ہدایت کا سلسلہ شروع کیا اس طرح انبیاء لوگوں کی طرف آتے رہے اور قرآن سے پہلے تین آسمانی کتابیں اور مختلف صحیفے نازل ہوئے اکثر قوموں پر برائیوں اور ہٹ دھرمیوں کے نتیجے میں عذاب نازل ہوئے۔ پوری پوری قومیں تباہ و برباد ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ سرکش اور ہٹ دھرم قوم بنی اسرائیل کو کہا حالانکہ اپنے علم وحکمت کی بنا پر یہ اللہ کی سب سے لاڈلی قوم تھی جس کی طرف سب سے زیادہ پیغمبر اللہ تعالیٰ نے بھیجے تمام آسمانی کتابیں اُن کی طرف اُن کی ہدایت کے لیے آئیں مگر علم وحکمت کو انہوں نے اپنے لیے فخر کا باعث بنا لیا اور اللہ کے احکامات کی نافرمانی اس حد تک کرنے لگے کہ کہتے تھے ہم نے اللہ کا پیغام سن لیا مگر مانیں گے نہیں اللہ تعالیٰ ان پر اپنی نعمتیں نازل کرتا رہا اور وہ ناشکری کرتے رہے۔ ان کی انہیں سرکشیوں پر موسیٰ علیہ السلام نے بھی انہیں توبہ و استغفار کرنے کے لیے کہا پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں ہدایت کا راستہ دکھایا تو انہوں نے ان کا بھی انکار کیا پھر اللہ تعالیٰ کی پکڑ ہوئی اور انہیں امامت اور پیشوائی کے عہدے سے معزول کر دیا گیا جو جدّ الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وساطت سے انہیں ملا تھا۔ امامت اور پیشوائی کی ذمہ داریاں اب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے پیدا ہونے والی دوسری قوم کو دے دی گئیں جبکہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے جہالت اور گمراہیوں کے اندھیرے میں ایمان کی شمع روشن کی اور ہمارے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت ہوئی دنیا کو برائیوں سے روکنے اور راہ ہدایت دکھانے کا جو ذمہ پہلے ان کے پاس تھا اب وہ اس قوم کو دے دیا گیا جس میں آپ ﷺ

پیدا ہوئے۔ علم وحکمت کے تمام راستے اب آپ ﷺ کے لیے کھول دیئے گئے اور ان کے بارے میں کہہ دیا گیا کہ یہ لوگوں کو برائی سے روکتے ہیں اور نیکی کا حکم دیتے ہیں ساتھ ہی ان کے پیروکار کو بھی یہ ذمہ داری سونپ دی گئی کہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اب لوگوں کی اصلاح یا تزکیہ نفس کے لیے نہ کوئی اور نبی آئے گا اور نہ کتاب اب قیامت تک راہنمائی انہی دو چیزوں سے حاصل کرنی ہے۔ ''اللہ کی کتاب'' اور اس کے ''رسول ﷺ کی سنت''

پھر اُمت محمدیہ ﷺ کو اُمت وسط قرار دیا گیا اور اِسے فضیلت اور سرفرازی سے نوازہ گیا مگر یاد رہے اس میں جہاں فضیلت اور سرفرازی ہے وہیں ذمہ داری کا بہت بڑا بار بھی ہے اور اس سے مقصود یہ دیکھنا بھی تھا کہ کون لوگ ہیں جو جاہلیت کے تعصبات کو چھوڑ کر حقائق کا صحیح ادراک کرتے ہیں اور کون ہیں جو الٹے پاؤں پھر جاتے ہیں جنہوں نے مان لیا اور اللہ کے احکامات کی فرمانبرداری کرنے لگے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور جنہوں نے انکار کیا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے لیکن اگر ہم ذرا بغور جائزہ لیں تو وہ دائرہ اسلام میں تھے ہی نہیں کیونکہ وہ شریعت کو بدل چکے تھے توحید کی جگہ شرک کو دے چکے تھے اور شرک ایسا گناہ ہے جسے معاف نہیں کیا جاتا کسی بھی نبی نے کسی پہلے نبی کی شریعت کو منسوخ نہیں کیا اور نہ ہی آپ ﷺ نے کسی شریعت کی تنسیخ کی ہاں انبیاء تحریف شدہ شریعت کی اصلاح کے لیے بھیجے گئے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہِ راست کی ہدایت دینے کے لیے آئے۔ پس آپ ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ ذمہ داری دے کر بھیجا کہ جو قومیں اللہ کے پیغام کو بھلا بیٹھی ہیں حق کو باطل کے ساتھ ملا چکی ہیں انہیں گمراہی سے ہدایت کی راہ پر لایا جائے اس فریضہ کی تاکید قرآن پاک میں بار بار آئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ہم نے محمد ﷺ کو روشن چراغ بنا کر بھیجا حالانکہ اس سے پہلے تم کھلی گمراہی میں تھے۔ اتنے واضح احکامات نازل ہونے کے بعد بھی سرکشی سے باز نہ آنا اور آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کرتے چلے جانا۔ اس میں صرف انہی کا نقصان ہے جو اس راہِ راست سے بھٹکے ہوئے تھے احکامات الٰہی کی پیروی کرنے والوں اور اطاعت رسول کرنے والوں کے لیے بار بار جنت کی خوشخبری سنائی گئی۔ اطاعت رسول ﷺ اللہ ہی کی اطاعت ہے کیونکہ

آپ ﷺ ایسا کچھ کرنے کو نہیں کہتے جو اللہ کا حکم نہ ہو پس ضروری تھا کہ اس راہِ راست کو اختیار کر لیا جاتا جنہوں نے اختیار کیا وہ اللہ کی فرمانبرداری میں آ گئے یعنی حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور جنہوں نے انکار کیا وہ کافر ہو گئے یعنی نافرمان ''انکار کرنے والے'' پس یہی دو راستے تھے ایک ہدایت کا جسے اختیار کرنے والے ''مسلم'' یعنی فرمانبردار کہلائے دوسرا گمراہی کا جس پر چل کر نافرمانی کی راہ اختیار کرنے والے نافرمان یعنی غیر مسلم کہلائے اب کسی تیسرے راستے کی گنجائش ہی نہ تھی پس سب کے لیے اور تمام اہل کتاب کے لیے آپ ﷺ کو آخری نبی ماننا اور آپ ﷺ کی تعلیمات کو دل سے مان لینا اور زبان سے اس کا اقرار کرنا ضروری ہو گیا کسی بھی نبی کا انکار یا کسی الہامی کتاب کا انکار بنیادی طور پر اللہ کی نافرمانی اور اس کے احکامات سے انکار ہے۔ میری ناقص عقل اتنی ہی حقیقت تک پہنچ سکی ہے' اس معاملے میں' میں آپ کی بھی رائے کی طلب گار رہوں گی۔

اب آگے میں غیر الہامی مذاہب کے بارے میں بیان کروں گی۔ جو وقت اور حالات کی پیداوار ہیں ان کے بانی اصل میں خدا کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکے۔ ورنہ ان کی تعلیمات کسی حد تک بھلائی پر مبنی تھیں اور کسی حد تک اسلام سے ہم آہنگ تھیں اور جن کے بانی خدا تک پہنچ گئے تو بعد میں ان کے پیروکار نے اُن کی تعلیمات میں تحریف کر دی۔

3- بدھ مت اور اسلام

1- بدھ مت کا بانی گوتم بدھ جس کا اصل نام سدھارتھ تھا یہ ایک راجہ کا بیٹا تھا مگر محلوں کی زندگی سے وقت کے ساتھ ساتھ بیزار ہوتا چلا گیا اور اس کا دل زندگی کے حقیقی معنی کی تلاش میں افسردہ رہنے لگا۔ اس کے ذہن میں روحانی کشمکش ہوتی رہی اور آخر کار وہ نروان حاصل کرنے کے لیے سر منڈوا کر ہاتھ میں کاسہ گدائری تھام کر تنہائیوں کی منزل پر چل پڑا جنگلوں میں سخت تپسیائیں کیں اتنی زیادہ کہ اتنی تپسیائیں کسی اور جوگی کے حصے میں نہیں آئیں پینتالیس سال کی عمر میں بالآخر اس نے نروان حاصل کر لیا اور بدھ بن گیا یعنی مکمل معرفت رکھنے والا اس نے عورت کو شر کہا

اور اس سے دور رہنے کی تبلیغ کی دنیا سے فرار اس کی نظر میں نجات کا ذریعہ ہے مگر اسلام ان اصولوں کی نفی کرتا ہے۔ اسلام دنیا اور آخرت دونوں تصور ساتھ لے کر چلتا ہے۔ اسلام میں خدا ایک حقیقت ہے مگر بدھ اس حقیقت کو نہ پا سکا۔

2- اسلام اسلامی عبادات کی غرض و غایت تقویٰ اور نفس کی اصلاح کو قرار دیتا ہے۔ بدھ مت بھی اگر اصلاح نفس نہ ہو تو تمام مذہبی رسومات اور عبادات کو بے سود قرار دیتا ہے۔

3- بدھ مت میں حرص و حوا کو تمام تکالیف اور مصائب کا منبع قرار دیا گیا ہے اسلام نے بھی اس تعلیم کو نہایت خوبصورتی سے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

''سو جس نے سرکشی کی ہو اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی ہو۔ پس اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو سفلی خواہشات سے روکا اس کا ٹھکانا جنت ہے۔''

(الکہف)

4- بدھ مت میں مثبت راہ کی تعلیم دی گئی ہے یعنی سچائی' عقیدت راست گوئی' اکل حلال اور عزمِ صمیم وغیرہ اسلام بھی مثبت راستے کی تعلیم دیتا ہے۔

5- اسلام دل کے سکون اور حقیقی معرفت کے حصول کی راہیں بتاتا ہے بدھ مت بھی یہ راہیں بتاتا ہے مگر دنیاوی خواہشات سے نجات کے ذریعے جبکہ اسلام میں دنیاوی خواہشات سے فرار کا راستہ درست نہیں۔

6- اسلام میں نیک اور صالح اعمال کی دعوت دی گئی اور وحشیانہ رسوم اور قربانیوں کو ختم کر دیا گیا جو بتوں کے نام پر کی جاتی تھیں گوتم بدھ نے بھی ہندو مذہب کی سوختی قربانیوں کا انکار کیا اور کہا محض دیوتاؤں کے حضور قربانیاں دینے سے انسان نیک نہیں بنتا بلکہ نیک اعمال خدا کو راضی کرنے کے لیے بجالانے چاہئیں۔

7- اسلام میں نروان حاصل کرنے کا طریقہ عین فطری ہے جبکہ بدھ مت میں یہ طریقہ غیر فطری ہے۔

8- اسلام رہبانیت کی مخالفت کرتا ہے جبکہ بدھ مت رہبانیت کی تعلیم دیتا ہے۔

9- اسلام میں زنا' سرقہ' نشہ آور اشیا اور رقص و سرور کی محفلیں حرام ہیں بدھ مت میں بھی یہ امور سچی راحت کے حصول میں رکاوٹ ہیں اس لیے منع ہیں دونوں مذاہب میں جانوروں کو اذیت دینے سے منع کیا گیا ہے۔

10- اسلام ہاتھ سے کام کرنے کو پسند کرتا ہے اور بھیک مانگنے سے منع کرتا ہے جبکہ بدھ مت دین دار گروہ کے لیے یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ وہ خانقاہوں میں زندگی بسر کریں اور اپنا پیٹ بھرنے کے لیے شہر میں جا کر بھیک مانگیں۔

11- اسلام مرد پر بحیثیت خاوند اور باپ ذمہ داریاں عائد کرتا ہے۔ جن کا پورا کرنا اس کا فرض ہے۔ جبکہ گوتم بدھ کا دل جب دنیا سے اچاٹ ہوا تو وہ اپنی گھر بار کی ذمہ داریاں چھوڑ کر جنگل کی طرف نکل گیا اور اس معاشرتی بندھن کو ایک آن میں توڑ دیا جس پر اسلام پورے معاشرے کی بنیاد رکھتا ہے۔ الغرض اسلام ایک آسان' سادہ اور فطرت کے عین مطابق مذہب ہے جس میں رشتوں کے تقدس کا احترام ہے جبکہ بدھ مت اس سے خالی ہے اور رہبانیت کا مذہب ہے۔

4- زرتشت اور اسلام

دنیا کے عظیم مذاہب میں زرتشت کئی لحاظ سے منفرد ہے۔ قدیم ایران کے ایک پیغمبر زرتشت کے روحانی تجربات پر قائم ہے جن کو ہر لحاظ سے دنیا کے بڑے مذہبی رہنماؤں کی صف میں رکھا جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بتاتی چلوں کہ یہ ایک ایسا مذہب ہے جس کا تاریخی تسلسل جگہ جگہ سے منقطع ہے اور جو اپنے ابتدائی دور سے ہی اپنے پیغمبر کی تعلیمات سے انحراف کا مرتکب قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ یہ مذہب قدیم دور میں

بھی مختلف حوادث کا شکار رہا مگر عربوں کی فتح ایران اور وہاں مذہب اسلام کی اشاعت کے بعد یہ ایسی گرداب کا شکار ہوا کہ (سوائے چند لوگوں کے جو ہندوستان میں آ کر پناہ گزین ہوئے) کوئی اس مذہب کا نام لیوا نہ رہا۔ اس مذہب کی ابتدائی تعلیمات میں ایک خدا کا تصور تھا بعد میں یہ ہر دو خدا کی واحدانیت اور رحمت پر ایمان لے آئے ورنہ اس مذہب کے بنیادی عقائد اور اسلام میں کافی حد تک یکسانیت تھی۔ اصل میں زرتشت نے قدیم ایران کے جس مذہبی ماحول میں آنکھ کھولی وہ مجوسیت کا دور تھا۔ اس نے انہیں توحید کی تعلیم دی وہ پکا موحد تھا اور آگے چل کر جن مذہبی تصورات کے خلاف اس نے جہاد کا اعلان کیا بعد میں انہی تصورات اور برائیوں نے دوبارہ اس مذہب پر غلبہ پا لیا اور مذہب کا حصہ بن گئے۔ اس مذہب کے ماننے والے ہندوستان میں پارسی اور ایران میں گبر کے علاوہ پچھلے چودہ سو سال سے ناپید ہو چکے ہیں۔ موجودہ مجوسیت دو خداؤں کا تصور پیش کرتی ہے اور اصل مجوسیت کی تعلیمات سے یکسر مختلف ہے۔

1- اسلام ایک تاریخی مذہب ہے اس کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی زندگی اور تعلیمات کی تمام تفاصیل اور احادیث کی ایسی کتب محفوظ ہیں جو تنقید کے ہر معیار پر پوری اترتی ہیں جبکہ مجوسیت قصے اور کہانیوں کا مرقع ہے۔ خود زرتشت کی زندگی افسانوی عنصر میں اس قدر پوشیدہ ہے کہ اس کے بارے میں بلا تردید کہنا محال ہے اس مذہب میں اتنے زیادہ اختلاف زرتشت کے بارے میں ہیں کہ انہی اختلافات کی وجہ سے بعض محققین نے زرتشت کا وجود ہی واہمی قرار دیا ہے۔

2- اسلام کا صحیفہ (قرآن پاک) اُسی شکل میں موجود ہے جس میں نازل ہوا جبکہ زرتشت کے صحیفے تباہی کا شکار ہو چکے ہیں تمام مستشرقین کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ مجوسیت کے صحائف صدیوں بعد پروہتوں کی یادداشت کی بنا پر تالیف ہوئے اور (زند اوستا) کا بہت ہی قلیل حصہ زرتشت کی اپنی تعلیمات کا آئینہ دار ہے۔

3- اسلام ایک خدا پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے جبکہ مجوسیت دو خداؤں آہورمزدا اور اہرمن کا تصور پیش کرتی ہے۔

4- اسلام سادہ اور عقل کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے اور اپنے ماننے والوں کی اخلاقی تنظیم کے لیے اس کی رسمیں بہت کم ہیں یہ اچھے اخلاق اور خدمت خلق پر زور دیتا ہے جبکہ مجوسیت کے گرد دیو مالا اور عجیب مافوق الفطرت عناصر کا ایک طومار ہے اور پارسیوں کے ہاتھوں سراسر رسومات کا پلندہ بن گئی ہے۔ جس کا اہم ترین جز آتش پرستی ہے۔

5- اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ انسانی اخوت اور مساوات کا علمبردار ہے۔ اس میں نسل آدم کے ہر فرد کا اپنا ایک مقام ہے جبکہ مجوسیت ایک قومی مذہب ہے۔

6- زرتشت کا اصل تصورِ آخرت اسلام سے ملتا جلتا ہے کہ مرنے سے زندگی کا اختتام نہیں ہوگا یوم حشر لوگوں کو اپنے اعمال کے مطابق صلہ ملے گا برے لوگ جہنم میں اور نیک لوگ جنت میں جائیں گے مگر وقت کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس عقیدے میں تبدیلی کر لی اور کہنے لگے کہ حشر کے میدان میں آگ اور پگھلی ہوئی دھات سے گزرنے کا امتحان گناہ گاروں کے لیے کفارے کی ایک صورت ہے جس سے گزرنے کے بعد گناہ گاروں کے تمام گناہ ڈھل جائیں گے اور نیک و بد تمام لوگ ہمیشہ کے لیے ابدی مسرت سے ہمکنار ہو جائیں گے جبکہ اسلام میں ایسا نہیں آخرت کا عقیدہ انسان کے کردار کی تعمیر کرتا ہے اس لیے اسلام میں اس پر بہت زور دیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں بار بار اس بات کو یاد دلایا گیا ہے کہ یومِ حشر انسان کو صرف اس کے اعمال کا بدلہ ملے گا اس دن کوئی سفارش کام نہ آئے گی اگر اعمال میں نیکیوں کا وزن زیادہ ہوگا تو بدلہ دل پسند زندگی جنت کی صورت میں ملے گا اور اگر اعمال میں برائیوں کا وزن زیادہ ہوگا تو بدلہ جہنم ہوگا جس کا انسانی عقل تصور بھی نہیں کر سکتی اللہ ہمیں اس کی

آگ سے بچائے آمین یہ دنیا کی زندگی عارضی ہے۔ ہمیشہ کی زندگی اس دن کے بعد شروع ہوگی ہمیں اس دنیا میں رہ کر اس زندگی کی تیاری کرنی چاہیے اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ کے ذریعے اللہ ہمیں ایسا کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

5- کنفیوشش اور اسلام

کنفیوشش ازم 600 ق م کی سماجی اور قومی زندگی کے ڈھانچے میں ڈھلا ہوا اسلام ہی ہے۔ اس کے بنیادی اصول تقریباً اسلام سے ملتے جلتے ہیں مگر ان کی ظاہری شکل اور رسمیں مختلف ہیں۔ یہ چین کا ایک بڑا مذہب ہے۔ چین میں قدیم زمانے سے مقامی خداؤں کے ساتھ ایک ''آسمانی'' ہستی کا اعتقاد بھی موجود تھا۔ ایک ایسی بلند اور عظیم ہستی جس کی علویت کے تصور کے لیے ہم آسمان کے سوا اور کسی طرف نظر نہیں اٹھا سکتے سن مسیحی سے پانچ سو برس پہلے لاؤ تزو اور کنگ فوزی کا ظہور ہوا۔ ''کنگ فوزی'' فارسی تلفظ ہے۔ صحیح چینی تلفظ ''کونگ فوتسی'' ہے۔ ایرانیوں نے اسے نقل کرتے ہوئے یہ تبدیلی کی فوتسی کو ''فوزی'' کر دیا لیکن یورپ کی زبانوں نے اسے ایک قلم مسخ کر کے ''کنفیوشش'' بنا دیا۔ اس طرح اب یہ ''کنفیوشش'' رائج ہے۔ اس کا انتساب اس مرد پارسا کی طرف ہے جو پانچویں چھٹی صدی (ق م) میں گزرا ہے۔ درحقیقت کنفیوشش اس مذہب کا بانی نہیں نہ ہی وہ پہلا شخص ہے۔ جس نے اس کے احکام نافذ کیے یا عبادات وغیرہ کے رسوم کی ترویج کی۔ اس نے خود اپنے متعلق کہا'' میں (اسلاف کا سرمایہ) آگے منتقل کرنے والا ہوں۔ خود کچھ بنانے والا نہیں ہوں۔ مجھے اسلاف سے محبت بھی ہے اور عقیدت بھی۔

اسی طرح کنفیوشش کے زمانے میں بھی اس مذہب کی پرانی کتابیں بہ تمام و کمال موجود نہ تھیں اور کنفیوشش کے بعد تو ان کتابوں کا اور حصہ بھی ضائع ہو گیا نیز اس مذہب نے اپنے الہامی ہونے کا دعویٰ ہی نہیں کیا۔

مگر کنفیوشش کے اقوال اپنی حکمت کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔ اس میں اس نے جن تعلیمات کا ذکر کیا ہے وہ کافی حد تک اسلام سے گہری مماثلت رکھتی ہیں مثلاً:

1- اس کے بقول انسان کی فطرت ایک ہے۔ لوگوں کی عادتیں ان کو ایک دوسرے سے مختلف بنا دیتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اللہ تعالیٰ نے جملہ بنی نوع انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے۔
اس کا ایک معنی یہ ہے کہ انسان کی فطرت ایک ہے دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ حسین ہے' لہٰذا اپنے خالق و رب کی طرح ہر انسان فطرتاً حسن و حسنہ سے محبت رکھتا ہے۔''

2- حسنہ یا بھلائی کبھی اکیلی نہیں رہتی اس کے گرد جلد ہی ہمسائے آ رہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ نیکی کا بدلہ ہمیشہ نیکی ہوتا ہے۔ اسلام کے نزدیک بھی احسان و حسنہ کا نتیجہ احسان و حسنہ یا محبت و دوستی کی صورت میں نکلتا ہے۔

3- دوسروں کے لیے وہ نہ کرو جو تم نہیں چاہتے کہ دوسرے تمہارے لیے کریں۔ اس سے ملتی جلتی حدیث طیبہ ہے کہ مومن کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جیسا وہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس کے ساتھ حسن سلوک کریں۔

4- حکومت وہ اچھی ہے جہاں رعایا خوش حال اور مطمئن ہو اور جہاں غیر ملکی بھی رہنا پسند کریں۔ قرآن پاک کی رو سے ایسی حکومت وہ ہوتی ہے۔ جس میں نماز و زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ادارے قائم و فعال ہوں۔

5- جہاں علم ہے وہاں ذات پات کی تفریق ممکن نہیں اسلام بھی مساوات کا سبق دیتا ہے۔

6- ولی اللہ وہ ہے جو حسن ظن رکھتا ہے اور کسی سے دھوکے اور فریب کا گمان

نہیں کرتا مگر جب دھوکا اور مکر و فریب ظاہر ہو جائے تو اسے پہچاننے میں غلطی نہیں کرتا نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

''اہل ایمان و آرزو کو حسن ظن رکھنا چاہیے سوءِ ظن نہیں۔ دوسرے مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔''

اس کے بقول سختی اور ظلم و تشدد سے حکومت کی جائے تو لوگ قانونی طور پر تو جرائم سے باز رہ سکتے ہیں لیکن ان کے اخلاق برباد ہو جاتے ہیں اس کے برعکس اگر حاکم نیک ہو تو رعایا نہ صرف جرائم بلکہ گناہوں سے بھی بچی رہتی ہے۔ اگر کسی ملک میں ایک صدی تک مسلسل نیک حکمران ہوتے رہیں تو گناہ اور جرم کا وجود ہی باقی نہ رہے اور سزائے موت آپ اپنی موت مر جائے۔ پس اگر کنفیوشش کی تعلیم کو ہم ایک جملے میں کہنا چاہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ فرائض کی بجا آوری' حسن عمل اور حسن ظن ان فرائض میں حقوق اللہ اور حقوق العباد شامل ہیں چنانچہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت پر زور دیتا ہے۔ مگر اپنے عہد کی مذہبی رسوم کی بجا آوری کی تلقین بھی کرتا ہے۔ تخلیق کائنات سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس کی دلچسپی صرف حال میں تھی ماضی یا مستقبل کے حالات سے یہ کوئی دلچسپی نہ رکھتا تھا مگر اسلام میں آخرت کا عقیدہ ہی انسان کے کردار کی تعمیر کرتا ہے۔

کنفیوشش نے ایسے زمانے میں خدائے واحد کا نام سربلند کیا جس وقت چین میں فطرت مظاہر' ارواح خبیثہ اور باپ دادا کی روحوں کی پرستش کا رواج تھا مگر کنفیوشش نے ایک خدا کی عبادت پر زور دینے کے ساتھ ان رسومات سے منع نہیں کیا یعنی زور نہیں دیا اس لیے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بزرگوں اور فطری ارواح کی پرستش پھر سے مذہب کا حصہ بن گئی اور اس کی توحید پرستی میں پرانے عقیدے شامل کر لیے گئے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک کے علاوہ جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہوئی ہے۔ دیگر جملہ سماوی کتب میں موضعی لفظی اور معنوی تحریفات کر دی گئی ہیں اور اس کلیے سے کنفیوشش کی تعلیمات بھی مستثنیٰ نہیں۔

1- اس لیے موجودہ کنفیوشش ازم تحریف شدہ ہے اور اسلام سے ہم آہنگ نہیں اسلام کنفیوشش ازم سے زیادہ واضح اور اعلیٰ رنگ میں اللہ تعالیٰ کی ہستی اور آخرت کے تصور کو پیش کرتا ہے۔

2- کنفیوشش ازم نے مابعدالطبیعاتی مسائل پر روشنی نہیں ڈالی جبکہ اسلام نے ان مسائل کو اس طرح بیان کیا کہ ان کا سمجھنا آسان ہوگیا۔

3- کنفیوشش بین الاقوامی مذہب نہیں جبکہ اسلام ایک بین الاقوامی مذہب ہے۔

4- مردہ پرستی، اوہام پرستی، دیوی دیوتاؤں کی پرستش اور مندروں میں کنفیوشی کے نام پر قربانیاں دی جاتی ہیں یہ سب شرک کی قسمیں ہیں جبکہ اسلام کامل توحید دین ہے۔

5- یہ الہامی دین نہیں جبکہ اسلام الہامی دین ہے۔ اس طرح کنفیوشش کی اصل کتب ضائع ہوگئیں یا ترمیم و تنسیخ کا شکار ہوگئیں جبکہ قرآن پاک محفوظ ہے۔

6- کنفیوشی تعلیمات لچکدار اور مصالحت پسندانہ ہیں جبکہ اسلام بنیادی عقائد کے معاملے میں مصالحت کا روادار نہیں۔ اسلام عقائد کے بارے میں ہمیں اپنی رائے کا حق نہیں دیتا یہ ہمیں ویسے ہی ماننے پڑتے ہیں جیسے کہ اس کا حکم دیا گیا ہے کسی بھی عقیدے کا انکار ہمیں دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ اسلام مصلحت پر مبنی مذہب نہیں بلکہ ٹھوس اور حقیقت پر مبنی مذہب ہے۔ اس کی تعلیمات مفصل اور جامع ہیں۔ اللہ ہمیں ایمان پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

6- ہندومت اور اسلام

ہندومت کی کوئی جامع تعریف نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندومت کسی ایک مذہب کا نام نہیں اس کا کوئی متعین عقیدہ نہیں اور نہ ہی کوئی متعین مذہبی رسومات اور

عبادات ہیں۔ ہندوؤں میں کئی فرقے ہیں اور ہر فرقے کا مذہب دوسرے سے مختلف ہے۔ ان کے ماخذ بھی مختلف ہیں۔ اس لیے ہندومت کے عقائد اور نظریات مبہم اور غیر واضح ہیں نیز ان کی تاریخ کہیں محفوظ نہیں۔ ان کے حالات کی تحریروں میں سے جو کچھ موجود ہے وہ جھوٹی کہانیوں اور مبالغہ آمیزیوں پر مبنی ہے۔ اس طرح ہندو مذہب کا بانی کوئی ایک فرد نہیں، زرتشت، موسیٰ اور عیسیٰ کی مانند ہمیں کوئی ایسی شخصیت نہیں ملتی جس کو ہندوؤں کا رہنما قرار دیا جاسکے۔ یا جس کو مذہبی نظام میں مرکزی اہمیت حاصل ہو اور ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کو بھی کسی ایک شخصیت کی جانب منسوب نہیں کیا جاسکتا چونکہ ہندوؤں کے مذہبی نظام کی تشکیل میں لاتعداد اشخاص کا حصہ ہے۔ اس لیے اس میں کوئی واحد عقیدہ، مذہبی قانون یا رسوم وشعائر کی کوئی یکسانیت نہیں ملتی۔ عقائد کی گوناگونی، طریق عبادت کے اختلافات اور معبودوں کی کثرت کے باعث یہ مذہب ایک گنجان جنگل کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ جس میں ہزاروں راستے نکلتے ہیں مگر کوئی راستہ صاف اور سیدھا نہیں ہے جبکہ اسلام ایک سیدھی راہ کا تعین کرتا ہے۔ پس ہندومت اور اسلام میں کوئی چیز مشترک نہیں۔

1- ہندومت کا کوئی نبی یا رسول نہیں ہے یہ صرف قومی روایات پر مبنی ہے۔ اس کا کوئی بانی بھی نہیں ہے جبکہ اسلام میں ہر قوم کی طرف اللہ کا پیغام لے کر نبی ﷺ آئے اور دین اسلام کے ہادی ورہنما رسول اللہ ﷺ اللہ کے آخری نبی ﷺ ہیں جنہوں نے اس دین کی تکمیل کی۔

2- اسلام کے عقائد وارکان واضح ہیں ان میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں جبکہ ہندومت کا کوئی مرکزی عقیدہ نہیں اس کے عقائد میں تضاد ہی تضاد ہے۔

3- اسلام نے تمام انسانوں کو مساوی مقام دیا جبکہ وید نے برہمن، کھشتری، ویش، شودر اور چنڈال کی تقسیم کر کے تفریق بین الناس کی بنیاد رکھی۔

دنیا بھر میں بھارت واحد ملک ہے جہاں ذات پات کو بے حد اہمیت دی جاتی ہے۔ اس میں برہمن، کھشتری اور ویش شودر ذات کے ساتھ

نہایت برا سلوک کرتے ہیں۔ چنڈال عام طور پر داس یعنی غلام ہوتے تھے اب چنڈال ترک کر دیا گیا اور صرف چار ذاتیں کارفرما ہیں جبکہ اسلام میں قومیں اور قبیلے صرف شناخت کے لیے بنائے گئے ہیں۔ اسلام کا ہر رکن مساوات کا سبق دیتا ہے۔ بقول اقبال:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ بندہ نواز

4- اسلام میں قوموں کا یا انسانوں کا مذاق اڑانے سے منع کیا گیا ہے اور احترام انسانیت کا سبق دیا گیا ہے جبکہ ہندومت میں ایک عام انسان کو یہ حق حاصل نہیں مثلاً وید نے وسیوں کو ڈاکو کا خطاب دے کر ان سے نفرت کا اظہار کیا ہے۔

5- اسلام میں خدائے واحد کی عبادت کی جاتی ہے جبکہ ہندومت میں اَن گنت دیوتاؤں اور دیویوں کی پوجا کی جاتی ہے اور بت پرستی کی دعوت دی جاتی ہے۔

6- اسلام ایک اخلاقی، اقتصادی، معاشرتی اور روحانی ضابطہ پیش کرتا ہے۔ جبکہ ہندومت رسوم پرستی کے علاوہ کسی اور منزل کی نشاندہی نہیں کرتا۔ یہ عقیدہ تناسخ کا قائل ہے جبکہ اسلام اسے رد کرتا ہے۔

7- اسلام ایک آفاقی اور عالمگیر مذہب ہے اور تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے مگر ہندو مذہب اپنی قوم تک محدود ہے یہ نیوگ کو جائز قرار دیتا ہے جبکہ اسلام اسے رد کرتا ہے۔

8- اسلام میں گائے کو ایک عام جانور کی حیثیت دی جاتی ہے اور اس کا گوشت کھانا حلال ہے جبکہ ہندو مذہب میں اس کی پوجا کی جاتی ہے اسے ماتا کا درجہ دیا جاتا ہے اور اسے ذبح کرنا بہت بڑا گناہ سمجھا جاتا ہے۔

9- اسلام میں عورت کو بڑا مقام حاصل ہے اسے وراثت میں حصہ دیا گیا ہے۔ جبکہ ہندو مذہب میں نہ بیٹی کو وراثت میں حصہ دیا گیا نہ عورت کو کوئی مقام۔

10- اسلام میں انسانی قربانی کو بالکل موقوف کر دیا گیا اور صرف جانور کی قربانی کو جائز قرار دیا گیا جبکہ ہندو مذہب میں انسانی قربانی جائز ہے۔ برہما میں انسانی قربانی کا ذکر بار بار آتا ہے۔

ہندوؤں میں تثلیث کی پوجا بھی ہوتی ہے۔ اس میں برہما، وشنو اور شو کو اکٹھا کر لیا جاتا ہے۔ ہندو یہ خیال کرتے ہیں کہ دیوتا یا خدا اس بت کے اندر موجود ہے۔ جس کے سامنے وہ جھکتے ہیں۔ گیان دھیان کے لیے کسی نہ کسی بت کو سامنے رکھ لینا ضروری سمجھتے ہیں۔ ہندومت بے شمار فرقوں کا معجون مرکب ہے۔ جین مت، بدھ مت، سکھ مت اسی کے فرقے تھے مگر ان تینوں فرقوں نے خود کو علیحدہ مذہب گردان لیا ہے۔ اسی لیے اب یہ تینوں فرقے ہندوؤں کی ویدوں پر ایمان نہیں رکھتے یہ آواگون کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔

جین مت بت پرست ہیں اور بدھ مت والے خدا کی ہستی کو تسلیم نہیں کرتے۔

برخلاف ازیں سکھ بت پرستی کے خلاف ہیں۔ ایک خدا کو جسے وہ واہگرو (واحد گرو) کہتے ہیں مانتے ہیں۔ ویدوں کی تعلیمات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندومت ظلم و بربریت سے بھرپور ہے۔ اس میں اپنے مخالفین کے لیے بددعائیں موجود ہیں ان کے دل میں اپنے مخالفین کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں۔ ویدوں کی تعلیمات میں یہ بات نمایاں ہے کہ مذہب کے مخالفین کو زندہ جلا دو۔ اپنے دشمنوں کے کھیتوں کو اجاڑ دو لوگوں کو بھوکا پیاسا رکھ کر ہلاک کروا اپنے مخالفین کو درندوں سے بھڑوا دو۔ ان کو سمندر میں ڈبو دو۔ اپنے دشمن کو جائز و ناجائز طریقے سے ختم کر دو۔ انہیں پاؤں کے نیچے کچل دو وغیرہ وغیرہ۔

برہموں، کھشتریوں اور ویشیوں نے ہندوستان میں شودروں کے ساتھ زر خرید غلاموں سے بھی زیادہ برا سلوک کیا اور ایسا مذہبی عقائد کی بنا پر کیا گیا۔ تناسخ کے عقیدے نے شودروں کو بے بس کر دیا تھا۔ انسانی روح کے بارے میں یہ تصور تھا کہ گذشتہ جنموں میں وہ دیوتاؤں، دوسرے انسانوں یا جانوروں کے قالب میں رہ چکی ہے۔ اس طرح اس وقت جو روح موجود ہے۔ خواہ اس کا تعلق کسی بھی انسانی جسم سے ہو

وہ اس قالب کو عارضی طور پر چھوڑے گی تو وہ کسی دوسرے جسم میں منتقل ہوگی۔ مگر اس کا دارومدار اس کے موجودہ اعمال پر ہے۔ اچھے اعمال کی صورت میں یہ کسی برہمن یا کسی اچھی ذات کے انسان میں ظاہر ہوگی اور برے اعمال کی صورت میں وہ کسی شودر یا کسی جانور کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ اگر کسی نے معمولی سی بھی غلطی کی ہوگی تو اس کا دوسرا جنم بدترین ہوسکتا ہے۔ پس شودروں کے ساتھ برے سلوک اور مذہب کا یہ تکلیف دہ عقیدہ کے ردِّعمل کے طور پر دو مذہبی رہنما ہندوستان میں ظاہر ہوئے اور دونوں نے صاحب مذہب ہونے کا دعویٰ کیا یہ دونوں صاحب! گوتم بدھ بدھ مت کے بانی اور مہابیر جین جین مت کے بانی کہلائے۔ ان دونوں نے ہندومت کے خلاف آواز اٹھائی۔ گوتم بدھ نے انسانوں کی چار ذاتوں میں تقسیم کو مسترد کیا۔ مذہب پر پنڈتوں کی اجارہ داری کو ختم کیا۔ ذات پات کے نظام کو عملاً ختم کر کے اپنی تعلیمات میں شودروں کو برابر کا شریک کیا۔ وہ صدیوں سے جس نظام میں پس رہے تھے۔ اس سے نکل کر انہیں آزادی سے سانس لینے کا موقع ملا پھر دنیا نے دیکھا کہ ایک شودر ''چندر گپت'' کو ہندوستان کا شہنشاہ بننے کا موقع بھی ملا اس نے اس نظریئے کے خلاف عملاً جہاد کیا کہ اگر کوئی شودر وید کو بھولے سے بھی سن لے تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دو۔ اس نے اپنے وعظ اور تبلیغ میں ہر شخص کو موقع فراہم کیا کہ وہ اس کی تعلیمات سنے۔ اس نے اپنے خطاب میں سب کو برابر کا شریک کیا اس نے سب کو اخوت اور محبت کے رشتے سے منسلک کیا۔ بدھ مت کی تعلیمات میں پہلے بیان کر چکی ہوں پس یہ سمجھ لیں کہ بدھ نے صدیوں بعد پہلی دفعہ ہندوستان میں انسانی برابری اور عمل کی اہمیت کا پرچار کیا۔

اس طرح مہابیر جین نے بھی ہندومت کے خلاف آواز بلند کی۔ گوتم بدھ کی طرح اس نے بھی ویدوں کو الہامی ماننے سے انکار کیا۔ بدھ کی طرح ریاضت اور رہبانیت کی تعلیم دی اس نے تو ترک دنیا میں یہاں تک انتہا کر دی کہ لباس پہننے کو بھی اچھا نہ سمجھا۔ اس کے نزدیک اگر کوئی شخص بہترین انسان بننا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ برہنہ رہے۔ سفید کپڑے پہننے کی اجازت تھی مگر وہ بھی مجبوری کی حالت میں۔ مہابیر نے اس سے زیادہ ہندومت سے مختلف اور کوئی تصور پیش نہیں کیا۔ اس نے

ذات پات کی حد بندیوں کو قائم رکھا ہر قسم کی بت پرستی کو بھی منع نہیں کیا۔ شاید اسی وجہ سے ہندومت نے اس مذہب کی مخالفت نہیں کی۔

سکھ مت کے بانی گرونانک صاحب کی پیدائش 15 اپریل 1469ء کو وسطی پنجاب میں لاہور سے تقریباً پچاس میل جنوب مغرب میں واقع ایک گاؤں تلونڈی (جواب ننکانہ صاحب کہلاتا ہے) میں ہوئی تھی سکھ روایت میں گرونانک صاحب کی روایتی سیرت میں ان کی پیدائش کے وقت سے لے کر بچپن' لڑکپن' جوانی اور بعد میں ان کے بحیثیت روحانی رہنما کے بھی ادوار میں ایسے واقعات موجود ہیں جو ان کے براہِ راست غیبی امداد سے مستفیض اور انسانوں میں ان کے غیر معمولی مقام پر فائز ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ انہوں نے ہندو مذہب کی مقدس کتابوں کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ گاؤں کی مسجد میں عربی اور فارسی کی تعلیم بھی حاصل کی اس طرح وقت کے ساتھ ساتھ ان کا مذہبی رجحان نمایاں ہونے لگا اس بارے میں ان کے گھر والے کافی تشویش کا شکار رہے اور اپنے والد کی انتہائی کوششوں کے باوجود وہ دنیاوی اعتبار سے کسی منفعت بخش کاروبار میں قدم جمانے سے احتراز کرتے رہے۔ ایک مدت تک گرونانک صاحب کے شب و روز اس طور پر گزرنے کے بعد ایک دن ان کی زندگی کا وہ سب سے اہم واقعہ پیش آیا جس سے منسلک روحانی تجربے نے ان کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا تمام ذمہ داریوں اور لوگوں سے قطع تعلق کر کے وہ جنگل میں گوشہ نشین اور یادِ الٰہی میں ہمہ تن مشغول ہوگئے۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے شہر کا رخ کیا مگر یہ عزیزوں اور دوستوں کو خدا حافظ کہنے کے لیے تھا کیونکہ پھر ان کا ارادہ اکناف عالم میں گھوم پھر کر ذکر الٰہی کو عام کرنے کا تھا یہاں سے ان کا سیاحت کا دور شروع ہوتا ہے۔

یہ دور چار سفروں پر مشتمل ہے۔ اپنے آخری سفر میں وہ سعودی عرب' عراق' ایران اور وسط ایشیا سے ہوتے ہوئے 1521ء میں واپس پنجاب پہنچے ان تمام سفروں کے دوران اپنے مخصوص انداز میں تبلیغ و تلقین کی اور اس دوران میں انہوں نے ایک حاجی اور مسلم فقیر جیسا لباس اختیار کر رکھا تھا۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں دانستہ کسی مذہبی جماعت کی تنظیم کی کوشش نہیں کی وہ تو بس عشق الٰہی کے نشے میں سرشار

ایک روحانی شخصیت تھے جنہوں نے اپنی طلب وجستجو کے نتیجے میں خدائے واحد کو پالیا تھا اور ہندوؤں کی بت پرستی کو چھوڑ کر یہ راستہ اختیار کرلیا تھا پس ان کے اعلیٰ روحانی مقام اور اخلاص سے متاثر ہو کر ان کے گرد عقیدت مندوں کا ایک حلقہ قائم ہو گیا تھا اور جو بات بعد میں سکھوں کی بحیثیت ایک مذہبی جماعت کے ارتقا میں معاون ثابت ہوئی وہ گرو نانک صاحب کا اپنی روحانی تعلیم کے تسلسل کو باقی رکھنے کے لیے اپنی زندگی میں ہی ایک جانشین کا انتخاب تھا اور اس انتخاب کے تقریباً 20 دن بعد ہی وہ اس دار فانی سے رخصت ہو گئے 1539ء میں ان کی تعلیمات میں اہم ترین تعلیم اخوت و مساوات تھی۔ ان کا ایک کہنا یہ تھا کہ نہ کوئی ہندو ہے نہ کوئی مسلمان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں مگر اسلام اس کے مقابلے میں صرف کلمہ طیبہ کا اقرار کرنے والوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیتا ہے۔

نانک بھی کبیر (ایک مذہبی رہنما ہندوؤں کا مگر بت پرستی سے بیزار ایک خدا کی پرستش کرنے والا تھا) کی طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کو ملانا چاہتے تھے ان کا طریقہ یہ تھا کہ ان دونوں کو خدا کی توحید اور معرفت پر جمع کیا جائے اور ان مذہبی تفصیلات سے اجتناب کیا جائے جن سے اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔ مگر اسلام تمام عقائد اور ارکان اسلام کو نظام حیات کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔

نانک نے ذات پات کے فرق کو مٹایا ان کے نزدیک سب اللہ کے بندے ہیں اسلام بھی مساوات کا عالمگیر سبق دیتا ہے۔

ان کے نزدیک اوہام پسندی' ضعیف الاعتقادی اور رسوم پرستی بالکل لایعنی چیزیں ہیں وہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو توہم پرستی سے نکلنے کی دعوت دیتے ہیں وہ ساری زندگی نیکی کی دعوت دیتے رہے اور برائی سے احتراز کا وعظ کرتے رہے۔ ریا کاری' خود غرضی' دنیا داری اور جھوٹ کے خلاف آواز بلند کی انہوں نے آخرت کا تصور بھی پیش کیا کہ آخرت میں اللہ کے دربار میں نجات انہی کو ملے گی جو دنیا میں نیک اعمال کریں گے۔ انہوں نے اپنے کلام میں اکثر مقامات پر رسول اکرم ﷺ کی مدح وثنا کی ہے اور قرآن کو سرچشمہ ہدایت بتایا ہے۔

ان کو اسلام کے کسی بھی عقیدے سے اختلاف نہیں پس کچھ تعلیمات میں

آمیزش کی وجہ سے مسلمان نہیں کہلائے مگر ان کی پارسائی' پرہیزگاری اور شفقت کی وجہ سے ہندو مسلمان یکساں ان کے معتقد تھے اور بے شمار مسلمان نہایت تیقن کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں کہ گرونانک دراصل مسلمان تھے شاید صوفیا اور اولیا کی صحبت نے ان کو تصوف کا پیکر بنا دیا تھا تبھی تو ان کی تعلیمات میں توحید کا عنصر (اگرچہ مختلف جگہوں میں مختلف نام خدا کو دیئے مگر زور ایک خدا کی عبادت پر دیا) عشق الٰہی' نفس کی پاکیزگی' ذکر الٰہی' سادھو سنگت' سیوا اور رزق حلال' رسالت کا اقرار' ارکان اسلام کی ادائیگی' قرآن کی عظمت کا اعتراف' قیامت کا تصور موجود ہے۔ مگر کرم اور آواگون کے تصور میں انہوں نے قدیم ہندوستانی نقطۂ نظر سے اتفاق کیا کہ انسان جب تک خدا کو نہیں پالیتا (عشق الٰہی میں کمال حاصل کر کے) وہ بار بار دنیا میں جنم لیتا ہے۔ اس طرح گرو کا تصور ان کی تعلیمات کا ایک اہم جز ہے جس نے سکھ مت کی نشوونما میں نمایاں کردار ادا کیا۔ انہوں نے بھی اور بعد میں دوسرے سکھ گروؤں نے بھی بار بار خدا تک پہنچنے کے سلسلے میں انسانی گرو کی اہمیت پر زور دیا اور یہ عقیدہ سکھوں میں اس قدر مستحکم ہے کہ اس کے لیے کسی حوالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام انسانوں کو افضل ضرور قرار دیتا ہے تقویٰ کی بنا پر مگر یہ شرط عائد نہیں کرتا کہ پیرو مرشد کے بغیر انسان اللہ کی محبت کو نہیں پا سکتا جو لوگ بھی تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں ایمان لانے کے بعد خواہ وہ کوئی بھی ہوں اللہ کے نزدیک بلند درجہ حاصل کر سکتے ہیں اسلام میں نیک اعمال' عبادات اور ایمانیات قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں صرف پیرو مرشد نہیں مذہب کی بنیاد خدا کے صحیح تصور اور اس کی توحید پر ہے۔ ظاہر ہے کہ جو مذہب انسانی دماغ کی تخلیق ہو یا جن الہامی مذاہب میں انسانی دستبرد نے تصرفات کر دیئے ہوں ان میں خدا کا تصور ذہن انسانی کا تراشیدہ ہوتا ہے اور چونکہ ذہن انسانی محسوسات سے آگے نہیں بڑھ سکتا اس لیے اس کا تخلیق کردہ ''خدا'' بھی اسی قالب میں ڈھلا ہوا ہوتا ہے۔ پس ان مذاہب کی تعلیمات اور عقائد خدائے وحدہ لاشریک کے تابع نہیں ہیں انسان کو چاہیے کہ خدا ہی کا تابع فرمان بن کر رہے۔ اگر وہ خود مختار بننے یا خدا کے سوا کسی اور کی اطاعت اختیار کرے تو اس کی زندگی کا نظام پورے نظام کائنات کے خلاف ہو جائے گا۔ پس حاکمیت اور اختیارات کا حق اسی واحد ہستی کو حاصل ہے اور یہ حق

اس کے سوا اور کوئی نہیں رکھتا بندے صرف نائب ہیں اسلام کی دعوت یہ ہے کہ اللہ کو اس حیثیت سے مانو کہ ہم اس کے سوا کسی کے بندے نہیں ہیں ہماری زندگی اور موت اسی کے اختیار میں ہے ہماری تقدیر کا ہر عمل صرف اسی کے اختیار میں ہے ہم اس کی مرضی کے خلاف اگر چلیں گے تو یہ ایک مسلسل تصادم ہے۔ اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے آمین۔
ایک بڑی نعمت جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں محسن انسانیت کی شکل میں عطا کی اس کی شکر گزاری کرتے ہوئے اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ کو اپنا شعار بناتے ہوئے یہ دیکھیں کہ انسانیت کی فلاح کے لیے وہ کیا اصول ہیں۔ جو آپ ﷺ نے پیش فرمائے اور ان میں کیا بات ایسی ہے جو نہ صرف فلاح انسانیت کی ضامن ہے بلکہ تمام انسانوں کو ایک وحدت کی لڑی میں پرو کر ایک امت بھی بنا سکتی ہے۔ جن کو اختیار کر کے تمام انسانیت فلاح پا سکتی ہے جو انسان کو اس صراطِ مستقیم کی طرف لے جاتے ہیں جس کا اللہ نے حکم دیا اور جس پر تمام انبیاء چلے اور ہمارے نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ جس راہ پر چلے جس کی گواہی قرآن نے خود دی فرمان الٰہی ہے:

''قسم ہے قرآن حکیم کی کہ تم بلا شبہ رسولوں میں سے ہو' سیدھی' متوازن اور آگے کی طرف لے جانے والی راہ پر۔''

پھر فرمایا:

''جو لوگ اللہ کے قوانین کو قبول کر لیں گے اور پھر ان کے ساتھ محکم طور پر وابستہ رہیں گے تو یہ لوگ اللہ کی رحمت کے سایہ تلے آ جائیں گے اور ان کے لیے ہر طرح کی خوشحالیوں کے دروازے کھل جائیں گے اور انہیں راہنمائی مل جائے گی۔ زندگی کی سیدھی اور متوازن راہ کی طرف۔''

پس آئیں دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرمائے ان لوگوں کی روش زندگی کی طرف لے جائے جو اس کے انعامات کے مستحق ہوئے اور ہمیں ان گمراہوں کی روش سے بچائے جو اس کے قانون مکافات کی گرفت میں آ گئے آمین۔

ہمارے قرآن کی ابتدا اس دعا کے ساتھ ہے اور ہماری نمازوں کی ہر ہر رکعت میں یہ دعا موجود ہے۔ اللہ ہمیں اس عمل پر کاربند رہنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔
اللہ تعالیٰ نے سورۃ انعام میں آیت نمبر 82 سے لے کر آیت نمبر 89 تک اسی راہ راست کا ذکر کیا ہے کہ ہم نے بے شک تمام انبیاء کو یہی ہدایت کا راستہ عطا کیا ہے اور اسی کے ذریعے انبیاء کے درجات بلند کیے اور ان تمام انبیاء کو اپنی اپنی قوموں کے لیے ان میں افضل بنایا اور پھر آیت نمبر 90 میں اللہ حضرت محمد ﷺ سے اس طرح مخاطب ہے۔

''یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا کی سو آپ ﷺ بھی انہی کے طریقے پر چلئے پس آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (تبلیغ قرآن) پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا یہ (قرآن) تو صرف تمام جہاں والوں کے لیے نصیحت ہے۔'' (انعام:90)

گویا تمام انبیاء کسی خاص قوم یا گروہ کی ہدایت کے لیے آئے مگر آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے ہدایت بنا کر بھیجا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ'' (مومنون:23)

''ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔''

اور نبی پاک ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا'' (الفرقان:1)

''بڑی شان والی ذات ہے جس نے یہ فیصلہ کی کتاب (یعنی قرآن) اپنے خاص بندے (محمد ﷺ) پر نازل کی تاکہ وہ (بندہ) تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔''

پھر قرآن پاک کے بارے میں ارشاد ہوا:

"اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ" (ص:87)

"بے شک یہ قرآن تو (اللہ کا کلام) اور تمام جہان والوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی سو آپ ﷺ اس کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجئے اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے لیے موجب ہدایت بنایا تھا۔" (السجدۃ:23)

مندرجہ بالا آیات اور مختلف مذاہب کے جائزے نے یہ بات عیاں کر دی کہ نبی پاک ﷺ سے پہلے آنے والے تمام انبیاء یا تمام الہامی کتابیں کسی خاص قوم یا گروہ کی طرف آئیں مگر حضرت محمد ﷺ تمام قوموں کے لیے ہادی بنا کر بھیجے گئے اور قرآن پاک میں تمام قوموں کے لیے ہدایت اور نصیحت موجود ہے۔ اب قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے یہ دونوں ذرائع ہدایت اور راہنمائی کا منبع ہیں۔ اسلام کی اس حقانیت سے متاثر ہو کر کثیر تعداد میں غیر مسلم اسلام قبول کر رہے ہیں پس مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں بھی چاہیے کہ اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلیں اور اپنی زندگیوں کو اسلامی طرزِ حیات میں ڈھال لیں۔ تاکہ قیامت کے روز اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے سُرخرو ہو سکیں اور اپنی اُخروی زندگی کو کامیاب بنا سکیں۔ دنیا کی زندگی عارضی اور ناپائیدار ہے۔ زندگی کی طرح موت بھی وجودی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ جس کا ہم انکار نہیں کر سکتے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"ہر نفس نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔"

پس بڑے سے بڑے سرکش کو اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"خدا نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ آزمائے تم میں کون اچھے کردار کا مالک ہے۔"

اکثر قوموں نے موت کو زندگی کے اختتام کا نام دیا انسان کی اصطلاح میں ہلاکت کا دوسرا نام موت ہے۔ اسی لیے اس خیال کے آتے ہی انسان کانپ اٹھتا ہے۔ مگر انبیاء علیہ السلام نے بتایا کہ موت زندگی کے ختم ہونے کو نہیں کہتے بلکہ زندگی کے ایک تغیر اور تصرف کا نام موت ہے اور اسلام کی نظر میں یہ گہوارہ سکون' غیر فانی مسرت' ترقی اور ارتقاء کا زینہ ہے۔ اسلام نے موت کو نیند سے تعبیر کیا یہ فطرت کا وہ تقاضا ہے جو ہر حال میں پورا ہو کر رہتا ہے۔ پس یہ دنیا دائمی مقام نہیں ہے۔ اس دنیا کو بہتر بنانے کے لیے ہمیں اس دنیا میں حق کا راستہ اختیار کرنا ہوگا چاہے اس کے لیے کتنی ہی دشواریاں سہنی پڑیں۔ صبر اور حوصلے کے ساتھ تمام تکالیف کا مقابلہ کرتے ہوئے ایمان پر ثابت قدم رہ کر پہلے خود حق کے راستے پر چلنا پھر دوسروں کو حق کی تلقین کرنا ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس کے ذریعے ہم اُس ابدی زندگی کو خوبصورت بنا سکتے ہیں (انشاء اللہ) کیونکہ جو شخص دیکھ رہا ہو کہ باطل ہر طرف زمین اور اس کے باشندوں پر چھاتا جا رہا ہے اور پھر یہ بات اس کے اندر کوئی اضطرابیت' کوئی چبھن' کوئی تڑپ پیدا نہ کرے تو سمجھ لیں کہ اس کے اندر اگر حق پرستی ہے بھی تو وہ سوئی ہوئی ہے اسے خبردار ہو جانا چاہیے اور فکر کرنی چاہیے اپنے اُس فرض کی ادائیگی کی جو نبی پاک ﷺ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر عائد کیا اور جو قرآن کے ذریعے ہمیں بتایا گیا "کہ تم میں ایک جماعت تو ضرور ہونی چاہیے جو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔"

پس اپنے اندر سوئے ہوئے اس جذبے کو بیدار کریں اور توڑ دیں اس سکوت کو کہ غفلت کا یہ سکوت کہیں موت کے سکوت میں نہ تبدیل ہو جائے کیونکہ بنی نوع انسان کی بھلائی اور اس کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس کی توجہ راہِ نجات کی طرف دلائی جائے چنانچہ نیکی کی تلقین کرنا اور برائی سے منع کرنا (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) ہر مسلمان پر فرض ہے پس موجودہ دور میں اس عمل کی اور بھی اشد ضرورت ہے جب

شیطانیت ہر طرف زوروں پر ہے۔ انسانی رشتوں کا خون کیا جا رہا ہے۔ نفسا نفسی اور خود غرضی میں فطری بھائی چارہ دم توڑ چکا ہے۔ عدل کی جگہ ظلم کا نظام قائم کیا جا چکا ہے۔ شرم وحیا کی جگہ فحاشی لے چکی ہے عورت کی خوبصورتی اب ستر میں نہیں رہی پاکیزگی اور حیا کی چادر تو کب کی اتر گئی۔ بے حیائی کو روشن خیالی اور جدت پسندی کا نام دے دیا گیا عورت کو کتنی پیاری حیثیت ہر لحاظ سے "اسلام نے دی مگر اس نے خود کو عریاں کر کے اس حیثیت کو خود گنوا دیا۔"

اسلامی ممالک میں بدامنی اور فرقہ واریت اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی کا باعث بن رہی ہے۔ ہم کیوں محسوس نہیں کرتے کہ یہ اسلام دشمن طاقتوں کی سازش ہے۔ تاکہ اسلام بدنام ہو اور کوئی غیر مسلم اس مذہب کی طرف راغب نہ ہو کیونکہ مغربی ممالک میں اسلام بہت تیزی سے مقبول ہو رہا ہے اپنی عالمگیریت کی وجہ سے پس ہمیں ان کی اس سازش کو ناکام بنا دینا چاہیے ہمیں چاہیے کہ اپنے اتحاد کے ذریعے غیر مسلموں کو اسلام کی طرف راغب کریں۔ اسلام کا پیغام عام کرنے کے لیے ہمیں دین کے حقیقی تصور کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلام کی روح کو سمجھنے اور اسے دنیا میں عام کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ آج انسانیت کے درپیش مسائل کو حل کیا جا سکے۔ اعتدال پسندی، صلح جوئی اور امن و امان کا قیام اسلام کا مثبت تصور پیش کرنے کا مؤثر ذریعہ ہیں۔ ظلم، ناانصافی یا قتل و غارت اسلام نہیں یہ جان لینے کا نہیں جان دینے کا نام ہے۔ دوسروں کے لیے مر مٹنے کا نام ہے دوسرے کی بھوک پیاس اور ضرورت کو اپنی بھوک پیاس اور ضرورت پر ترجیح دینے کا نام ہے۔ اسلام کی تعلیمات امن و سلامتی اور انسانیت کی فلاح کی ضامن ہیں اسلام امن اور بھائی چارے کا علم بردار ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات اس سلسلے میں مینارہ نور اور مشعل راہ ہیں۔ حضرت نعمان بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تم مومنین کو آپس میں رحم کرنے، محبت رکھنے اور مہربانی کرنے میں ایسا پاؤ گے جیسا کہ ایک جسم۔ جب جسم کا کوئی عضو دکھتا ہے تو سارا جسم درد اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

اسلام کا اثر مسلمانوں کی زندگی پر یہ ہوتا ہے کہ وہ حد درجہ کے صابر اور شاکر بن جاتے ہیں نفرتوں کو سمیٹ کر محبتوں کے پھول راہوں میں بکھیرتے جاتے ہیں اور اس واسطے سے وہ ہر قسم کے حالات میں دوسری قوموں کی نسبت زیادہ مضبوط ثابت ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کا دل اس دنیا کی رنگا رنگ کیفیتوں کے اندر دوسری اقوام کی نسبت زیادہ پُرسکون اور زیادہ مطمئن رہتا ہے۔

پس دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور انسانوں کے ہر زاویہ زندگی پر محیط ہے۔ یہ انسانوں کو انسانیت سکھاتا ہے اور خیر و بھلائی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ شیطان اور اس کے کارندے شیطانی نظام کو غالب کرنے کی کتنی ہی جدوجہد کیوں نہ کریں۔ اسلامی نظام آخر کار غالب آ کر رہے گا کیونکہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور میرا یقین ہے کہ تمام تر شیطانی طاقتوں کے باوجود اسلام ساری دنیا میں غالب ہو کر رہے گا۔ (انشاء اللہ) مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کو اپنا کر اسلام کے دامن رحمت میں پناہ تلاش کی جائے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کو زندگی کی اساس اور بنیاد قرار دیا جائے کیونکہ آپ ﷺ نے انسان کو انسانیت کا جو درس دیا اس نے عبد کو عبدیت کی لذت سے آشنا کیا اور بلاشبہ عالمِ انسانیت و بشریت کو محسن انسانیت کی برکت سے جو شرف عطا ہوا وہ حد درجہ قابل افتخار ہے۔

آپ ﷺ نے انسان دوستی اور محبت کی جو شمع روشن کی اس کے سوز سے اس دور کی انسانیت کے دلوں میں ایک طرف تقویٰ دوسری طرف غم انسانیت پیدا ہوا۔ پس اس شمع محبت کے مقدر میں بجھنا نہیں ہے یہ انسانیت کے کسی نہ کسی گوشے میں روشن رہے گی اور اس سے دوسرے جہانوں کی مخلوق بھی مستفید ہوتی رہے گی کیونکہ آپ ﷺ عالم انسانیت میں جو انقلاب لائے وہ ہمہ گیر و عالمگیر ہے۔ پس عہد کریں! اور اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر ایسا انسانی معاشرہ تشکیل دیں جہاں امن و سلامتی، انسان دوستی، رواداری، خوش خلقی، محبت، اخوت، مساوات اور انصاف کو بنیادی اہمیت حاصل ہو ایسا تب ہی ممکن ہو گا جب ہم اسوہ نبوی ﷺ کو راہ عمل بنائیں اس کو نشان منزل قرار دیں کیونکہ

نقشِ قدم نبیﷺ کے ہیں جنت کے راستے
اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

آپﷺ کی زندگی ایک ایسا خوبصورت باغ ہے کہ جس کے پھولوں کی مہک اور ہواؤں کی تازگی سے دنیا ہمیشہ مسحور رہے گی۔ آپﷺ کی حیات طیبہﷺ رہتی دنیا تک کے لوگوں کے مشعل راہ رہے گی آپﷺ کی پیروی میں ہی ہمارے تمام مسائل کا حل ہے اور اسی میں ہماری کامیابی اور فلاح کا روشن راستہ ہے۔ پس پھر

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسمِ محمدﷺ سے اُجالا کردے

پس ہمیں چاہیے کہ آپﷺ کے اس مشن کو ہمیشہ جاری و ساری رکھیں کہ تم میں سے ہر شخص مبلغ ہے جس کسی کو ایک بات بھی معلوم ہو اسے چاہیے وہ اسے دوسروں تک پہنچائے۔ سب سے آخر میں' میں اللہ رب العزت سے دعا کرتی ہوں کہ میری یہ کوشش بارہ گاہِ الٰہی میں قبولیت کا درجہ حاصل کرے۔ اندھیری راہوں میں قندیل بن کر حق کی تلاش کے لیے مددگار ثابت ہو۔ گمراہ ذہنوں کو ہدایت کا راستہ دکھائے اور اسلام کی سچی اور حقیقی روح کو سمجھنے میں ہماری مدد کرے اور اس میں اگر میری جانب سے کوئی غلطی یا کوتاہی ہوگی ہو تو اللہ معاف کرے آمین۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ o

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ o

محمد رسولؐ تہامیؐ حامدؐ قاسمؐ فاتحؐ حاشرؐ مشہورؐ نذیرؐ ھادؐ ماحؐ ناہؐ نبیؐ
ہاشمیؐ امیؐ حریصٌ علیکم

"اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے"

یہ مصنفہ کی اُن ذہنی کاوشوں کا نتیجہ ہے جو بچپن سے اُس کے دل و دماغ میں پروان چڑھتی رہیں۔ مصنفہ کا تعلق لاہور سے ہے۔ میٹرک تک تعلیم ریگولر حاصل کی پھر والدہ کی وفات کی وجہ سے ریگولر تعلیم جاری نہ رکھ سکیں مگر والدہ کی شدید خواہش کے پیشِ نظر اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور صرف ایک نہیں 5 ماسٹر کئے۔ اس کے ساتھ ساتھ وکالت کی ڈگری بھی حاصل کی۔ صحافت کے میدان میں نمایاں کام کیا۔ کئی معروف شخصیات کے انٹرویوز کر چکی ہیں۔ درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا کیونکہ بقول اُن کے اس ذریعے سے وہ اپنی آواز زیادہ لوگوں تک پہنچا سکتی ہیں اور اس ذریعے سے وہ اُس نسل کی آبیاری چاہتی ہیں جس نے مستقبل کی باگ دوڑ سنبھالنی ہے۔ بلاشبہ اساتذہ ہی وہ ہستی ہیں جو قوم کی ڈوبی ہوئی کشتی کو اس وقت پار لگا سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنا یہ فرض کس حد تک نبھایا اس کی عکاسی وہ بچے کر رہے ہیں جنہوں نے ان سے تعلیم حاصل کی۔ 1986 سے ہر سال سیرت نگاری کے مقابلوں میں حصہ لیتی رہی ہیں اور اس سلسلے میں انہیں صدرِ پاکستان سے ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔ ان کے مقالاجات وفاقی وزارت مذہبی امور کی طرف سے شائع کی جانے والی کتب میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ کوششیں اُن کے اسلام سے گہرے تعلق کو ظاہر کرتی ہیں۔ مذہب سے عقیدت رکھنے والے قارئین (انشاءاللہ) معنوی اعتبار سے اسے مفید پائیں گے۔

حمیدی

تخلیقات: علی پلازا، چوک مزنگ اڈا، لاہور
فون 042-7238014
Email: takhleeqat@yahoo.com
www.takhleeqat.com

حجازیؐ نزاریؐ قرشیؐ مضریؐ رسول اللہ ﷺ محمودؐ عاقبؐ شاہدؐ رشیدؐ بشیرؐ داعؐ شافؐ مہدؐ شفیعؐ عزیزؐ